خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ
ردا ڈائجسٹ
MARCH
2020
ماڈل: ایشا نور
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

سلسلے وار ناول

بانہوں کے حصار میں قمروش شہک ۱۰
میں مسیحا ایقان علی ۶۸
دل ہے آوارہ عائشہ ذوالفقار ۱۰۲

مکمل ناول

تیری محبتوں میں رہنا ہے عائشہ ذوالفقار ۳۸
تیری دوستی سے پہلے فرح خرم ۱۲۲

ناولٹ

زیست بہ امید مرگ ہے زرقا بھٹی ۸۰

افسانے

کوئی مل گیا حورینہ سعد ۲۹
نقصان نظیر فاطمہ ۶۳
عشق پیچاں کے سائے لبنیٰ جمشید ۱۱۶
سودا ثمر افضل ۱۶۰
دل ہی تو ہے مہرین کنول ۱۱۹

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

مارچ 2020ء
جلد نمبر 25 شمارہ نمبر 3
قیمت 100 روپے

E-mail: monthlyreda0325@gmail.com

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
1200 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۷
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۱۶۹
ذرا پھر سے کہنا — نورین ملک — ۱۷۷
خوشبو — تسنیم شریف — ۱۶۵
اس ماہ میں — تسنیم شریف — ۱۷۳

پچن — ثریا اقبال — ۱۸۸
سنگھار — شہلا مشائق — ۱۹۲
اشعار — حوریہ — ۱۸۵
سندیسے — صالحہ محمود — ۱۷۹

www.pakistanipoint

رنگ موسم کے حسین لگتے ہیں لیکن اردگرد خوف کا جو ایک منظر چل رہا ہے کرونا وائرس سے پھیلتی ہوئی خبروں نے اردگرد کے موسم کو دکھی سا کر دیا ہے۔ اس ہولناک تباہی میں جس میں چائنا مبتلا ہے، آہستہ آہستہ یہ وائرس پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس کے اثرات اب پاکستان تک پہنچنے والے ہیں۔ اللہ پاک ہماری سرزمین کو محفوظ رکھے، استغفار پڑھتے رہیں اور اللہ سے پناہ مانگیں۔

پہلے ہی ملک میں ایک افراتفری کا عالم ہے۔ بے روزگاری بڑھتی جا رہی ہے۔ بے روزگاری کو ختم کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ملک میں تعمیرات کا کام بے روزگاری کو ختم کر دیتا ہے لیکن یہاں وہ تعمیرات جو حکومت سندھ کے اندر قانونی طور پر کی گئی تھیں انہیں بلڈوز کیا جا رہا ہے۔ مثلاً بحریہ ٹاؤن، نیا ناظم آباد یہ ایسی آبادیاں ہیں جو کراچی کو حسین تر بنا دیتی ہیں اور یہاں اربوں کی سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ غریب عوام جنہوں نے اپنی زندگی کی جمع پونجی لگا دی ہے، نئے ناظم آباد کی تعمیر رک جانے سے بے حد پریشان ہیں۔ اوپر سے یہ حکم نامہ جاری ہوا ہے۔ ناانصافیوں کا پہلا قدم کوٹہ سسٹم بھٹو نے اٹھایا تھا۔ سارے صوبے آزاد ہیں صرف کراچی میں کوٹہ سسٹم نافذ ہے۔ یہاں کے لوگ یہ تکلیف دہ امر برداشت کر رہے ہیں کہ شہر ناپرساں حال میں یہ خبر آئی ہے کہ آئین پاکستان اور سول سرونٹس رولز میں لکھا ہے کہ گریڈ ایک تا گریڈ پندرہ کی بھرتیوں پر صرف اور صرف اس ضلع کے مقامی ڈومیسائل ہولڈر لوگ بھرتی ہو سکتے ہیں مگر کراچی میں آج تک یہ قانون الٹا لاگو کیا گیا ہے۔ یہاں پر چیف منسٹر ہاؤس سندھ سیکریٹریٹ نمبر 4-3-2-1 سندھ سیکریٹریٹ سے جڑے ڈپارٹمنٹ میں ایک سے گریڈ پندرہ کے 99 فیصد لوگ غیر مقامی بھرتی کیے ہیں۔ یہی حال 17 سے 21 گریڈ کے افسروں کا ہے۔ 99 فیصد غیر مقامی ہیں۔ ہائی کورٹ، سٹی کورٹ دیگر ڈسٹرکٹ کورٹ میں 80 فی صد ملازم غیر مقامی بھرتی کیے ہیں جب کہ جج 95 فیصد غیر مقامی ہیں۔

کراچی کو تو پہلے ہی کچرا گھر بنا دیا ہے مزید رہی سہی کسر بھی پوری کر دیں گے۔ بات یہاں سے اٹھی تھی کہ کوٹہ سسٹم ختم کرو بات وہیں پر پھر آ گئی ہے۔ ظلم اور زیادتی کا دور ایک دن ختم ہو جاتا ہے یہ اصولِ قدرت ہے جو زیادہ دیر نہیں رک سکے گا۔

قارئین فروری کے شمارے کی پذیرائی کا بے حد شکریہ۔ یقیناً آپ کو مارچ کا پرچا بھی پسند آئے گا۔ اس میں کئی نئے رائٹرز کا اضافہ کیا گیا ہے۔ نئے لکھنے والے رابطہ رکھیں۔ ردا کا آفیشل پیج موجود ہے آپ اس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

E-mail: monthlyreda0325@gmail.com

آپی

pakistanipoint

صالحہ محمود

قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت

حضرت حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''پاکیزگی اور صفائی نصف ایمان ہے اور لفظ ''الحمدللہ'' کہنا اعمال کی ترازو کے پلڑے کو بھر دیتا ہے اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' بھی زمین و آسمان کے خلا کو بھر دیتے ہیں اور نماز ایک نور ہے اور صدقہ برہان ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔'' (صحیح مسلم)

صبر کے بدلے جنت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جب میں اپنے بندۂ مومن سے اس کی کوئی دنیاوی پسندیدہ چیزوں میں سے لے لوں اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی اور بدلہ نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری)

کسی معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ ''نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سے کسی معمولی سے معمولی بات کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھو۔ اگرچہ تم اپنے کسی مسلمان بھائی سے بشاشت سے مسکرا کر ملو (تو اسے بھی کم درجے کی نیکی نہ سمجھو)'' (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ کو وہ دین زیادہ پسند ہے جس پر عمل کرنے والا مداومت کرے اور ہمیشہ وہ عمل کر سکے۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دعائیہ کلمات

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ہر وقت یہ کلمات رہتے تھے: (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت اور تقویٰ اور پاک دامنی اور تونگری کا طالب ہوں۔'' (صحیح مسلم)

اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ دین پر چلو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جمے رہو اور یہ سمجھ لو کہ کوئی شخص محض اپنے عمل کے سبب نجات نہیں پا سکتا۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ہاں، میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم اور رحمت کے سایہ میں ڈھانپ لے۔'' (صحیح مسلم)

دو نعمتیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ

دھوکے اور مغالطے میں مبتلا ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت اور دوسری نعمت فارغ البالی ہے۔ (صحیح بخاری)

تین چیزیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''مرنے والے کے ساتھ (قبر تک) تین چیزیں جاتی ہیں۔ ایک اس کے اہل خانہ، دوسرے اس کا مال اور تیسرے اس کے اعمال۔ ان میں سے دو تو واپس لوٹ آتے ہیں، صرف ایک اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ اہل خانہ اور مال تو لوٹ آتے ہیں، صرف عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

صحت مند مومن اللہ کو پسند ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''صحت مند اور طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کو ضعیف اور ناتواں مومن کی نسبت زیادہ محبوب ہے۔'' (صحیح مسلم)

اعمال کا دارومدار

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جائیدادیں نہ بناؤ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جائیدادیں بنانے میں منہمک نہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں دنیا ہی میں پھنس کر رہ جاؤ۔'' (ترمذی شریف)

عورت کا سفرِ حج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی اجنبی عورت کے ساتھ کوئی مرد اس کے محرم کی عدم موجودگی میں اس کے پاس نہ بیٹھے اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر تنہا سفر کرے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے اور میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا جا چکا ہے۔ ایسی صورت میں میرے لیے کیا حکم ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاؤ۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جنت کا خزانہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ سے آگاہ نہ کردوں؟'' میں نے عرض کیا۔ ''ضرور آگاہ فرمائیے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

قرآنی تعلیمات پر عمل

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن حکیم) پر عمل کے سبب بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے اور دوسری قوموں کو (قرآنی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کے سبب اور اس سے غفلت برتنے کے سبب) ذلت اور پستی میں دھکیل دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

صبح و شام اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''صبح اور شام سورۂ اخلاص اور معوذتین تین بار پڑھ لیا کرو۔ یہ ہر چیز سے تمہاری کفایت کریں گی۔'' (تم کو کوئی تکلیف اور ضرر نہیں پہنچے گا)۔ (ترمذی اور ابوداؤد) ☆☆

pakistanipoint

قمروش شہک

بانہوں کے حصار میں

صبح زبیدہ جہاں نے علی شاہ کے ساتھ بازغہ کو آغا اکبر خان سے ملانے کے لیے بھیج دیا تھا اور علی شاہ کو حکم دیا کہ اگر بازغہ چاہے تو اس کو وہاں کچھ دن کے لیے چھوڑ دے یا پھر رات میں واپس لے آئے جیسے بازغہ کی مرضی۔ رہنے والی بات تو انہوں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کے کہی تھی ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ ان کا دل اب بازغہ کے بغیر بھی نہیں رہتا تھا۔ بہت دل لگ گیا تھا ان کا بازغہ کے ساتھ۔ ٹائم پر ہر کام کرنا، گھنٹوں بیٹھ کے ان سے

باتیں کرنا، ان کے کھانے پینے کا خیال کرنا ان کی دوا کا دھیان رکھنا۔

یازغہ کو بھی زبیدہ جہاں میں اپنی اماں جان کی جھلک نظر آتی تھی۔ وہ ان کے کل کے بارے میں تو نہیں جانتی تھی مگر ان کا آج اس کے سامنے تھا۔ یازغہ ان کی دل سے عزت و قدر کرتی تھی..... اسے یاد تھا جب پہلی بار وہ ان سے ملی تھی تو کچھ اچھا تاثر نہیں تھا ان کا جس کا اظہار اس نے تبریز خان سے بھی کر دیا تھا مگر اس کو اب اپنی رائے زبیدہ جہاں کے لیے بدلنا پڑی تھی۔

ساتھ رہتے رہتے اس کو اندازہ ہوا کہ وہ نہایت نرم مزاج کی ہیں..... پیار کرنے والی، اپنی اولاد پر جان چھڑکنے والی ماں ہیں..... ہاں اندر سے ٹوٹ چکی ہیں وجہ ان کی چھوٹی بیٹی ضویا شاہ ہے جو ان کی سب سے لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھی، اس کی موت نے زبیدہ جہاں کو اندر سے توڑ پھوڑ دیا تھا، وہ زیادہ تر ضویا شاہ کی ہی

قسط نمبر 21

باتیں کرتی تھیں۔

وہ بازغہ سے جب ضویا شاہ کی باتیں کرتیں تو ان کو ایک سکون سا ملتا تھا، ان کو صبر آجاتا تھا، جس کا اندازہ بازغہ کو تھا، جبھی تو وہ ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی تھی۔

''سنو.....'' علی شاہ نے ہلکے سے رخ موڑ کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بازغہ کو دیکھا۔ جامنی اور فیروزی کلر کے خوب صورت ایمبرائیڈڈ سوٹ میں اس کی حد درجہ سفید رنگت کھل رہی تھی۔ ہلکی ہلکی دھوپ کی کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں جو بہت دلفریب لگ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کائنات کا سارا حسن اس چہرے پر سمٹ آیا ہے۔

بازغہ کو محسوس ہوا کہ علی شاہ کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی ہیں، اس نے یوں ہی نگاہیں گھمائیں.....اور پھر جیسے دھڑکنیں بے ربط سی ہونے لگی تھیں، جانے اس سبز کانچ میں کیا تھا کتنے جذبے تھے، محبت تھی، چاہت تھی۔

اسے تبریز خان کی وہ چاہت لٹاتی محبت کے خوب صورت جذبے سے لبریز نگاہیں یاد آگئیں.....وہ چہرہ یاد آگیا جہاں صرف اس کے ہونے سے زندگی گنگناتی تھی، چہکتی تھی، سانسیں مہکتی تھیں.....اس کی باتیں اس کی شرارتیں یکدم سے یاد آگئی تھیں۔ یکدم اسے احساس ہوا کہ وہ چہرہ سوچوں کی گہرائیوں میں کہیں گم ہوتا جا رہا تھا، کہیں کھوتا جا رہا تھا اور جو چہرہ ابھر کے سامنے آیا تھا وہ تو کوئی اور تھا۔ وہ چہرہ علی شاہ کا تھا۔ وہی علی شاہ جس نے اس کے تبریز خان کی جگہ لینے کی کوشش کی ہے اور وہ علی شاہ کو کبھی معاف نہیں کرے گی.....وہ اس سے شدید نفرت کرتی ہے۔ وہ دھڑکنیں جو کچھ دیر پہلے ان سبز نگاہوں کو دیکھ کر بے ربط سی ہونے لگی تھیں وہی دھڑکنیں اب اس کو دیکھنے سے نفرت سے دھڑکنے لگی تھیں۔ ناگواری اور بے زاری سے اس نے واپس چہرہ کھڑکی کی جانب موڑ لیا تھا۔ علی شاہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا مگر ناکام ثابت ہوا کیونکہ بازغہ اپنا رخ روشن گھما چکی تھی۔

''ایک بات کہوں گا۔ پیار ضرور کرنا، اس پیار کا نشہ سرور اور کشش آپ کو سرتاپا بدل کے رکھ دیتی ہے۔''

تبریز خان کی آخری لمحوں میں کی گئی یہ بات اس نے ایسے ہی ہوا میں اڑا دی تھی۔ محبت کو اس نے کبھی کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ کبھی اس جذبے کو خاطر خواہ نہیں جانا تھا، ہمیشہ نظریں ہی چرائی تھیں، کبھی اپنی ذات سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی مگر محبت کا ایک جھلملاتا رنگ اس نے پہلی بار تبریز خان کے چہرے، اس کی آنکھوں میں دیکھا، جو چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ بازغہ اس کا عشق ہے اس کا جنون ہے.....اس کے دل میں کہیں یہ بات آئی بھی تھی کہ اس محبت کو دیکھنا چاہیے جس کے پیار اور عشق نے تبریز خان کو پور پور ڈبویا ہوا ہے.....اور تب دیکھا تو واقعی دیکھتا رہ گیا جب دل میں کسی نے زور سے چیخ کے کہا کہ ''ہاں اسی کو محبت کہتے ہیں، اسی کا نام عشق ہے۔''

تبریز خان اگر بازغہ سے محبت کرتا تھا اس سے عشق کرتا تھا تو وہ غلط نہیں تھا۔ بازغہ تھی ہی ایسی جس نے علی شاہ جیسے پتھر کے انسان کو محبت کے جھلملاتے رنگوں کا مطلب سمجھایا تھا، جس نے یہ بتایا کہ اس کل کائنات میں محبت کا بھی وجود ہے۔

ان ہی سب سوچوں میں بازغہ کا گھر بھی آچکا تھا۔ بازغہ دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھانے لگی تھی جب ہی علی شاہ نے ہولے سے پکارا۔ بازغہ کا ہاتھ دروازے پر ہی رک گیا مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''رکو گی یا واپس میرے ساتھ چلو گی؟''

بازغہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پلٹ کر دیکھا۔اس سبز کانچ جیسی آنکھوں میں نہ جانے کیسی التجا تھی، کیسی فرمائش تھی کہ بس وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔ پیازی کلر کی شرٹ پر بلیو جینز میں ملبوس یہ لمبا چوڑا سا طاقت ور جسامت کا مالک علی شاہ اس کو تو کوئی بھی مل سکتی تھی پھر اس نے مجھے کیوں اپنایا، میں جو اپنی باقی زندگی صرف تبریز خان کی یادوں کے سہارے ہی گزارنا چاہتی تھی کیوں اس شخص نے آ کر میری یادوں کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی۔ مجھ سے تبریز خان کو الگ کرنا چاہا..... مگر وہ ایسا ہونے نہیں دے گی وہ علی شاہ کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

بازغہ کے اندر نفرت کے ساتھ ساتھ بدگمانی نے بھی جگہ بنانا شروع کر دی تھی۔

''یار میں تو اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ بیڈ روم میں میرا دل نہیں لگے گا.....'' سبز کانچ آنکھوں میں شوخی لیے، دلفریب لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔ بازغہ پوری جان سے جل کر رہ گئی۔ بادامی آنکھوں میں غصہ بھرے اس کو گھورتی، گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسی غصے سے زوردار طریقے سے بند کیا کہ علی شاہ کو اپنے ایک کان پر ہاتھ رکھنا پڑا مگر لبوں پر وہی شریر مسکراہٹ تھی۔ گاڑی بند کی اور چہرے پر وہی دلکش اور شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لیے وہ گھر کے اندر داخل ہوا۔

بازغہ کو دیکھ کر آغا اکبر خان کے اندر جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی، خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے وہ..... علی شاہ سے بھی بہت محبت سے ملے تھے۔ خوشی اس قدر تھی کہ بس نہیں چل رہا تھا کیا کچھ نہ کر دیں..... اسی دوران دائم خان اور سبریز خان بھی ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے..... دونوں نے ہی علی شاہ سے مصافحہ کیا مگر سبریز خان کا کچھ عجیب سا بہت سرد سا انداز تھا۔

وہ سمجھ نہیں سکا سبریز خان کا یہ انداز۔

''بھئی کشمالہ بیٹی، انابیہ بیٹی۔'' آغا اکبر نے دونوں کو آواز دی۔ کشمالہ اور انابیہ سارے کام چھوڑ کے چلی آئیں اور بازغہ کو دیکھتے ہی گلے سے لگایا۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں کشمالہ بھابی۔'' چہرے پر موجود مصنوعی مسکراہٹ کشمالہ واضح دیکھ سکتی تھی۔ اس کے لہجے میں چھپی ایک افسردگی بھی کشمالہ سے چھپی نہیں رہ سکی، خیر ابھی وہ کچھ نہیں پوچھے گی آج رات وہ اس کو یہیں روک لے گی پھر اس سے سب پوچھے گی بھی اور سمجھائے گی بھی۔

''بیٹا آج کا سارا وقت علی شاہ ہمارے ساتھ گزاریں گے۔ ہماری گڑیا آئی ہے تو کھانا لاجواب ہونا چاہیے۔ اگر باہر سے کچھ آرڈر کروانا ہو تو وہ بھی ہو جائے گا۔''

''نہیں بابا جان! باہر سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم گھر میں ہی سارا مینیو تیار کر لیں گے۔'' انابیہ نے فوراً کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے جلدی سے اچھا سا لنچ تیار کرو۔ پوچھو علی بیٹے سے، آج ان کی فیورٹ ڈش بناؤ۔'' آغا اکبر خان کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کچھ نہ کر دیں۔

''ارے بابا جان پریشان مت ہوں پلیز۔'' علی شاہ کو شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

''ارے بچے پریشانی، کیسی تم داماد ہو ہمارے، اس گھر کی بیٹی سونپی ہے ہم نے تمہیں۔ جتنی عزت جتنا پیار ہم بازغہ سے کرتے ہیں اس سے کم تمہیں بھی نہیں سمجھتے۔'' آغا اکبر خان نے ملائمت سے علی شاہ کو دیکھا اور نرمی سے کہتے ہوئے علی شاہ کو سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔

''اور عزت دینا اور لینا ہمارے خون میں شامل ہے۔'' سبریز خان کا سرد لہجے میں کہا گیا یہ جملہ علی شاہ کو چونکا گیا۔ جملہ تو بہت عام سا تھا مگر جو انداز اور جو لہجہ تھا وہ کچھ عجیب سا تھا جس میں ناراضگی اور خفگی کی ہلکی سی رمق بھی تھی۔

''بالکل درست کہا سبریز لالہ آپ نے، علی! ہم اپنے گھر آئے مہمانوں کو بہت عزت دیتے ہیں۔ ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔'' دائم خان نے سبریز خان کی بات کی تائید کرتے ہوئے علی شاہ کا چہرہ دیکھا۔

''صرف مہمانوں کو ہی نہیں گھر میں بسنے والوں کو بھی عزت دیتے ہیں۔ ان کو بھی انسان سمجھتے ہیں۔'' سرد و سپاٹ لب و لہجے میں کہی گئی اس بات نے علی شاہ کو ایک بار پھر چونکا ہی نہیں دیا بلکہ کچھ کچھ الجھا بھی دیا تھا۔

دائم خان چپ رہا۔ وہ سمجھ گیا تھا سبریز خان کا اشارہ سالار شاہ اور اربش کی جانب تھا۔

''اچھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ مجھے بتا دیں بازار سے اگر کچھ لانا ہو تو میں لے آتا ہوں۔'' دائم خان نے بات بدل دی تھی اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا، وہ علی شاہ کا الجھا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

''نہیں دائم زیادہ کچھ تو نہیں آئے گا، کیونکہ دو دن پہلے بابا جان گوشت، چکن، فش اور پرانز لے آئے تھے۔ میں نے کل بہت سارے شامی کباب بنا کے رکھ دیے تھے۔'' کشمالہ نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

''تو پھر کشمالہ بھابی ایسا کریں پرانز کی بریانی بنا لیں آج۔'' دائم خان نے مشورہ دیا۔

''علی، کشمالہ بھابی پرانز کی بریانی بہت مزے کی بناتی ہیں۔'' ساتھ تعریف بھی کی دائم خان نے۔

''میرا اتفاق تو کبھی نہیں ہوا کشمالہ آپی کے ہاتھ کی پرانز بریانی کھانے کا تو چلیں آج کھاتے ہیں۔'' علی شاہ کھانے پینے کا زیادہ شوقین نہیں تھا جو ملتا کھا لیتا تھا، کبھی کوئی نخرے نہیں کیے بس مرچیں کم ہونا لازمی تھیں۔

''بالکل بیٹا! اور پرانز بریانی ہی کیا ہماری دونوں بہویں تو ہر چیز بہت مزیدار اور لذیذ بناتی ہیں کہ بندہ اپنی انگلیاں ہی چاٹتا رہ جائے۔'' آغا اکبر خان نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے شفقت سے ان لوگوں کو دیکھا۔

''مگر بابا جان آپ یہ بھی تو بتائیے کہ ہم شاگرد کس کے ہیں۔'' انابیہ نے اپنے پاس کھڑی بازغہ کے شانے پر اپنا ہاتھ پھیلایا اور مسکراتی نظروں سے آغا اکبر خان کو دیکھنے لگی۔

''نو ڈاؤٹ کہ آپ لوگ بازغہ کی شاگرد ہیں۔'' آغا اکبر خان نے بازغہ کو جانچتی نگاہوں سے دیکھا۔ آج وہ بہت مطمئن اور پرسکون محسوس کر رہے تھے خود کو، انہیں بازغہ کے چہرے پر کوئی اداسی نظر نہیں آئی تھی جس کا مطلب علی شاہ نے اس کو سنبھال لیا، سمیٹ لیا ہے..... وہ اب گلناز بیگم کے سامنے سرخرو رہیں گے، روز محشر ان کی نگاہیں اور ان کا سر گلناز بیگم کے آگے بلند رہے گا۔

کشمالہ نے سبریز خان کو مزید کچھ سامان کی لسٹ تھما دی۔

وہ تینوں کچن میں موجود تھیں۔ پرانز کی بریانی تیار تھی۔ بس دم پر تھی انابیہ نے فنگر فش فرائی کر لی تھی اور ساتھ چکن بروسٹ اور ملائی بوٹی بھی تیار کر لی تھی۔ سلاد، رائتہ، میٹھا سب کچھ ریڈی تھا بس آخر میں کباب تلنے رہتے تھے جو کشمالہ برنر کے پاس کھڑی تل رہی تھی ساتھ بازغہ بھی کھڑی تھی۔ انابیہ ملازمہ سے ٹیبل پر برتن سیٹ کروا رہی تھی۔

''بازغہ آج تم رکو گی نا؟'' کشمالہ تلے ہوئے کباب ایک پلیٹ میں رکھتی جا رہی تھی اور بازغہ ٹشو پیپر سے

آئل کو جذب کر رہی تھی، جبھی پیچھے سے یکدم ہی علی شاہ آیا اور ایک کباب اٹھا کے کھانے لگا۔
اس کی اس حرکت پر کشمالہ اسے مسکرا کے دیکھنے لگی اور بازغہ ناگواری سے گھور کے دیکھنے لگی بلکہ تھوڑا پیچھے کھسکی تھی کیونکہ جب اس نے ہاتھ بڑھا کے کباب اٹھایا تھا تو اس کے چوڑے سینے سے اس کا شانہ ٹچ ہوا تھا..... جس کی وجہ سے وہ سلگ کر ہی رہ گئی تھی مگر علی شاہ کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے شریر نگاہوں سے بازغہ کو دیکھا اور مزا لیا پھر کباب سے بھرپور انصاف کرنے لگا۔
بازغہ کو شدت سے تبریز خان یاد آیا۔ علی شاہ ـــ کی بہت سی عادتیں تبریز خان سے ملتی جلتی تھیں۔ بازغہ کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ درد کی ایک لہر چہرے اور آنکھوں میں ایک خط کھینچ گئی تھی۔
''لاجواب کشمالہ آپی۔'' علی شاہ تعریف کیے بنا نہیں رہ سکا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا کباب بھی اٹھا لیا۔
بازغہ سب چھوڑ چھاڑ کچن سے باہر ـــــ نکل گئی۔ کشمالہ، بازغہ کی یہ کیفیت سمجھ گئی تھی، وہ سمجھ گئی تھی اس کو تبریز خان کی یاد بہت شدت سے آئی ہے۔ کشمالہ نے علی شاہ کو دیکھا جو جاتی ہوئی بازغہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔
''لو ایک اور چکھو۔'' کشمالہ نے ایک اور گرم کباب پلیٹ میں رکھا۔
ٹیبل پر سب جمع ہو گئے تھے۔ دائم خان نے خود علی شاہ کو پلیٹ میں بریانی نکال کر دی تھی اور خود ہر شے اس کے آگے آگے پیش کر رہا تھا۔ سلاد، رائتہ اور فنگر فش..... علی شاہ کو اس قدر آؤ بھگت پر شرمندگی سی ہونے لگی تھی۔
''یار! کھاؤ بہت مزیدار سی لگ رہی ہے دیکھنے میں سچی مجھے تو صبر کرنا مشکل ہو رہا ہے۔'' دائم خان نے یہ تبصرہ بریانی پر کیا تھا۔
''اوکے۔'' علی شاہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ اس نے بریانی کا چمچ بھر کے منہ میں ڈالا اور چٹ پٹی پرانز بریانی کا ایک بائٹ اس کے حلق تک جیسے آگ ہی تو لگا گیا تھا، نہ ختم ہونے والی کھانسی کا پھندا سب کو ہی پریشان کر گیا۔ سب نے اپنا کھانا کھانا چھوڑ دیا تھا، سبھی کو علی شاہ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔
علی شاہ کی حالت واقعی خراب ہو گئی تھی۔ ان سبز آنکھوں سے تیزی سے پانی بہنے لگا تھا۔ بازغہ کو یاد آیا کہ علی شاہ تیز مرچوں سے سخت الرجک ہے..... وہاں حویلی میں زبیدہ جہاں سے پتا چلا تھا کہ علی شاہ مرچوں سے پرہیز کرتا ہے اس لیے صرف اس کے لیے بہت کم مرچوں والا کھانا الگ سے بنوایا جاتا تھا، وہ سالار شاہ کی طرح چٹ پٹے کھانوں کا عادی نہیں تھا۔
بازغہ جانتی تھی کہ اس کا کیا علاج ہے کیونکہ اکثر یہ تبریز خان کے ساتھ ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی تو تبریز خان صرف اس کو ستانے کے لیے ایسا کرتا تھا مگر جو وہ کرتی تبریز خان اپنی اس حرکت سے باز آ جاتا بلکہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا..... وہ نہایت ہی کوئی کڑوی جڑی بوٹی کو گرم پانی میں ملا کے آدھا گلاس پانی اس کو پلا دیتی۔
اور پھر تبریز خان کی شکل دیکھنے والی ہوتی۔ دائم خان تو خوب ریکارڈ لگاتا بلکہ چھیڑتا کہ اور ''کھالے'' جس پر تبریز خان سوائے گھورنے کے اور کچھ نہیں کرتا تھا۔
یہ ہی حال علی شاہ کا تھا، اس کی شکل دیکھنے والی تھی۔ دائم خان نے اس کڑوی جڑی بوٹی کو نیم گرم پانی میں ملا کے وہ آدھا گلاس اس کو پلا دیا تھا۔

علی شاہ کی کھانسی رک چکی تھی مگر اس آدھے گلاس پانی نے اس کے اندر تک کڑواہٹ سی گھول دی تھی۔
''بیٹا کیسی طبیعت ہے اب۔'' آغا اکبر خان کو بہت فکر ہوگئی تھی، سبھی اپنا اپنا کھانا چھوڑ کے علی شاہ کو دیکھنے لگے تھے۔
''بابا جان ٹھیک ہوں اب، ایکچوئلی میں مرچوں سے پرہیز کرتا ہوں۔'' علی شاہ نے بریانی کی پلیٹ آگے کھسکا دی۔
اب شرمندگی کی باری آغا اکبر خان کی تھی کیونکہ انہوں نے اس پرانز بریانی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے تھے۔
''بیٹا بازغہ! آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا کہ علی بیٹے مرچوں والے کھانوں سے پرہیز کرتے ہیں۔'' آغا اکبر خان نے وہیں کھڑی بازغہ کو دیکھا۔
''آئی ایم سوری بابا جان میرے ذہن میں نہیں رہا۔''
شرمندگی تو اس کو خود بھی ہو رہی تھی کہ وہ پہلی بار اس کے گھر شادی کے بعد بطور مہمان آیا ہے اور کسی مہمان کی ایسی مہمان نوازی سبھی کے لیے شرمندگی کا باعث تھی۔
''اٹس اوکے۔'' سبریز خان نے مزید شرمندگی سے بازغہ کو باہر نکالا تھا حالانکہ اس کو بھی اچھا نہیں لگا تھا کہ ان کی کھانے کی ٹیبل پر کسی مہمان کے ساتھ ایسا ہو، مگر اب کیا کیا جا سکتا تھا۔
''دائم.....'' سبریز خان نے دائم خان کو ہلکے سے پکارا۔
''جی سبریز لالہ۔''
''علی کو کچھ اور سرو کرو ورنہ بازار سے جلدی سے کچھ آرڈر کرو۔''
''ارے نہیں، میرا ابھی کچھ دل نہیں چاہ رہا کھانے کو، آپ لوگ پلیز پریشان مت ہوں۔ میں تھوڑی دیر میں کچھ کھا لوں گا۔'' علی شاہ نے جلدی سے منع کر دیا تھا۔ کیونکہ اس جڑی بوٹی والے پانی کے بعد تو اس کا دل کھانے سے ویسے ہی خراب ہو چکا تھا۔
پوری کی پوری تبریز خان کی حرکتیں تھیں اس کی..... سبھی کو تبریز خان کی شدت سے یاد آئی تھی، مگر وہ تبریز خان تھا جس کو بازغہ اماں جان اور بابا جان کے ساتھ مل کر کھانا کھلانی تھی اور یہ علی شاہ ہے جو اس کے لیے ناقابل نفرت کے ساتھ ساتھ ناقابل برداشت بھی ہے۔ بازغہ نے نفرت سے منہ پھیرنا ہی چاہا تھا کہ نظر بابا جان پر جا ٹھہری۔
ان کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش تھے کس قدر چہک رہے تھے جیسے کھوئی ہوئی زندگی مل گئی ہو۔ جیسے آب حیات مل گیا ہو..... ان کی آنکھوں اور چہرے پر جو خوشی کی رمق تھی تو وجہ یہ ہی تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے وہ علی شاہ کے ساتھ بہت خوش ہے اس نے یہ زندگی قبول کر لی ہے اس کا ساتھ قبول کر لیا ہے مگر اصل حقیقت تو کچھ اور ہی تھی جو صرف وہ ہی جانتی تھی..... تو کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے رویہ اپنے برتاؤ سے یہ ظاہر کرے کہ وہ نہ تو علی شاہ کو دل سے قبول کر پائی ہے نہ ہی اس کا ساتھ..... وہ علی شاہ سے نفرت کے سوا کچھ نہیں کر سکتی.....
''آپ ایسا کریں کچھ میٹھا کھا لیں۔ منہ کا ذائقہ کچھ بہتر ہو جائے گا۔'' بازغہ نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا صرف اپنے گھر والوں کے خیال سے اس کو یہ سب کرنا پڑ رہا تھا۔
اس نے فروٹ ٹرائفل نکال کر پیالی اس کے آگے رکھی..... علی شاہ نے بہت چونک کر بازغہ کو دیکھا

تھا.....اس کے چہرے اور آنکھوں میں جو سختی اور برہمی تھی وہ صرف علی شاہ ہی دیکھ سکتا تھا.....مگر اس کے لیے یہ بھی ایک خوش آئند بات تھی کہ بازغہ کو اس کی فکر ہے اس کی پرواہ ہوئی ہے۔

علی شاہ نے فروٹ ٹرائفل کھالیا تھا مگر کھانا کھانے کو فی الحال منع کر دیا تھا۔

''بیٹا بازغہ! آپ کو دھیان دینا چاہیے تھا مجھے آپ سے ایسی لاپروائی کی امید نہیں تھی۔'' آغا اکبر خان کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ سب کھا رہے ہیں کھانا اور علی شاہ نے کچھ بھی نہیں کھایا۔

''اٹس اوکے بابا جان میں کچھ دیر میں کھالوں گا۔'' علی شاہ نے دھیرے سے کہا۔

''علی بھائی آپ یہ ٹرائی کریں فنگر فش اس میں بالکل مرچی نہیں ہے۔'' انابیہ نے فرائی فش کی ٹرے اٹھا کے علی شاہ کی سمت بڑھائی تھی۔

''ہاں علی یہ کھالو۔'' کشمالہ نے کہا، اس کو خود بھی بہت شرمندگی ہو رہی تھی، علی شاہ اس کا خالہ زاد چھوٹا بھائی تھا اور اس کو خبر نہیں تھی کہ وہ مرچیں بہت کم کھاتا ہے۔

علی شاہ کو ان لوگوں کے اصرار پر ندامت ہونے لگی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔

''اوکے لائیں۔'' علی شاہ نے مسکراتے ہوئے انابیہ سے فرائی فنگر فش کی ڈش لے لی اور دوسری پلیٹ میں اس کے چند پیس نکال لیے۔ آغا اکبر خان کے چہرے پر سکون سا آ گیا۔ علی شاہ ان کے گھر کا آج اسپیشل مہمان تھا اور مہمان کو تکلیف ہو بھلا یہ کہاں برداشت تھا ان سے، یہ ان کے لیے باعث شرمندگی تھا۔

''ہونہہ، بس نخرے دکھانے ہیں، اپنی اہمیت جتانے کا شوق ہے۔'' بازغہ نے بڑبڑاتے ہوئے نہایت تپ کر اس کو دیکھا تھا، اس کی یہ بڑبڑاہٹ یہ دھیمی سی سرگوشی علی شاہ کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی جہاں علی شاہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی وہیں انابیہ نے نہایت چونک کر بازغہ کو دیکھا تھا۔ بازغہ کا انداز اس کا لب ولہجہ.....تو کیا بازغہ ابھی تک علی شاہ کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو سکی تھی۔

لنچ بہت اچھے ماحول میں کیا گیا تھا، مگر انابیہ نے بازغہ کے چہرے اور آنکھوں میں علی شاہ کے لیے بے زاری اور کوفت ضرور نوٹ کی تھی۔

سبریز خان کے پاس آفس سے فون آیا تھا وہ چلا گیا تھا دائم خان، علی شاہ اور آغا اکبر خان تینوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے بزنس اپ ڈیٹ کو ڈسکس کر رہے تھے۔

☆.....☆

اربش اپنی سوچوں میں منہمک بیڈ پر بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے رحمت اس کو زبردستی دوپہر کا کھانا کھلا کے گئی تھی۔ ضویا کو تھوڑی دیر گود میں لیا تھا اس کا چہرہ دیکھتی رہی مگر نہ تو وہ ضویا سے باتیں کرتی تھی نہ کھیلتی نہ ہنستی اس کے ٹکر ٹکر دیکھنے پر.....بس ہلکے سے اس کے ہاتھوں کا یا کبھی اس کی چہرے کا بوسہ لیتی آنکھوں میں نمی لیے وہ بس اس معصوم کی قسمت کو سوچتی.....رحمت اس کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

انشراح اندر آئی تو اس کو بالکل ساکت وجامد یک ٹک کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے پایا، وہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

''اربش.....'' انشراح نے ہلکے سے پکارتے ہوئے گود میں رکھے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔ اربش ہلکے سے چونک کر رہ گئی۔ وہ یقینی، بے یقینی سے انشراح کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''انشی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' ان سیاہ نینوں میں ڈر تھا خوف تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ خود کو کسی شے سے چھپانا چاہتی ہے، بچانا چاہتی ہے...... اس شے سے بہت دور، بہت دور بھاگ جانا چاہتی ہے اور انشراح اچھی طرح جانتی تھی وہ شے کون ہے وہ شے کوئی اور نہیں سالار شاہ ہے...... جس کے نام نے جس کی پرچھائیں نے اس کو بہت زیادہ خوف زدہ کر دیا تھا۔

''انشی وہ آ رہے ہیں...... وہ مجھے لے جانے کے لیے آ رہے ہیں۔'' ٹپ ٹپ کر کے ان سیاہ نینوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے، لب کانپ رہے تھے بولتے ہوئے۔ انشراح سمجھ گئی تھی وہ کس کی بات کر رہی ہے۔

''نہیں اربش وہ یہاں نہیں آئیں گے، رائب نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ یہاں نہیں آ سکتے تو تمہیں لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' انشراح تھوڑا مزید آگے کھسکی اور اس کے بہتے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔

''مگر ان کا رات میں فون آیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے خود کہا ہے کہ وہ یہاں آئیں گے اور مجھے لے جائیں گے۔ گڑیا کو لے کر جائیں گے۔'' اس کا رواں رواں کپکپا رہا تھا، نسوں میں لہو کی جگہ خوف دوڑ رہا تھا۔ سالار شاہ نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا اب اس میں مزید برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

''رات میں فون آیا تھا؟ مگر کب؟ میں تو کتنی دیر تک تمہارے پاس ہی تھی۔'' انشراح نے الجھتی مگر سوالیہ نگاہوں سے اربش کا زرد چہرہ دیکھا۔

''جب تم چلی گئی تھیں انہوں نے رحمت بوا کو فون کیا تھا۔''

اس کے لہجے میں گزرے دنوں کا درد چیخ رہا تھا۔ انشراح نے تاسف بھری نظروں سے اس کو دیکھا۔ مگر اس کو رائب ملک پر بھی پورا پورا بھروسا اور یقین تھا کہ وہ اس کی بہن کے ساتھ اب کچھ غلط نہیں ہونے دے گا۔

''اچھا چپ ہو جاؤ میں رائب سے بات کرتی ہوں۔ وہ بات کریں گے سالار سائیں سے۔''

اس نے اربش کو گلے سے لگا کر اس کے بالوں میں بوسہ دیا۔ اربش کو ہلکی سی امید تو ہوئی تھی مگر دل میں یہ وہم بھی تھا کہ کیا وہ رائب ملک کی بات سنیں گے۔ سالار شاہ کی طاقت، اس کے اثر و رسوخ کو اگر وہ نہیں جانتی تو اندر تک مطمئن ہو جاتی۔

☆......☆

کشمالہ آپی ایک بات پوچھوں۔'' علی شاہ کچن میں کشمالہ سے بات کرنے ہی آیا تھا جو شام کی چائے اور اسنیکس کا انتظام کر رہی تھی۔ آغا اکبر خان عصر کی نماز پڑھنے مسجد چلے گئے تھے۔ دائم خان کی کوئی ضروری کال آ گئی تھی تو علی شاہ یہاں کچن میں کشمالہ کے پاس چلا آیا۔ بازغہ اور رانا بیہ روم میں تھیں۔

''ہاں علی پوچھو۔'' وہ کچھ کٹلس فرائی کر رہی تھی۔ ساتھ پلیٹوں میں چپس اور نمکو اور بسکٹ بھی نکال لیے تھے۔ انداز کافی مصروف تھا۔ پہلے سوچا کیا اس کو کشمالہ سے پوچھنی چاہیے یہ بات یا نہیں۔ کشمالہ نے خاموش کھڑے کچھ سوچتے علی شاہ کو دیکھا۔

''علی۔'' اس نے علی شاہ کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔

''جی۔'' وہ چونک کر رہ گیا۔

pakistanipoint

''پوچھونا، کیا سوچنے لگے۔''

''کشمالہ آپی! سبریز لالہ کو ہم سے کوئی شکایت ہے کیا۔''

اب چونکنے کی باری کشمالہ کی تھی۔ اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے علی شاہ کو دیکھا جس پر علی شاہ کا شک یقین میں بدل گیا کہ یقیناً کوئی بات ہے، اب تو وہ جان کے رہے گا۔

''بتایئے نا کشمالہ آپی کیا بات ہے ایسی، سبریز لالہ کا مزاج اتنا سرد کیوں تھا۔ ان کی نگاہوں میں ایک خفگی ناراضگی سی دیکھی ہے میں..... یا میرا وہم ہے یا پھر ان کا انداز ہی مستقل ایسا ہے۔''

اب جب علی شاہ نے یہ سب نوٹ کر ہی لیا تھا تو چھپانا کیا.....

''اصل میں سبریز کو تم سے نہیں سالار لالہ سے شکایت ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سالار لالہ سے.....'' اس نے ناسمجھی سے ــــ کشمالہ کو دیکھا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ سبریز خان کو سالار شاہ سے کیا اور کیوں شکایت ہے۔

''مگر ان کو سالار لالہ سے کیا شکایت ہے کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے سالار لالہ اور سبریز لالہ کی کبھی نہ تفصیلی بات ہوئی ہے اور نہ ہی کبھی تفصیلی ملاقات ہوئی ہوگی۔'' وہ وجہ جاننا چاہتا تھا۔

''سبریز کو اربش کے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا ہے جو بھی سالار لالہ نے اربش کے ساتھ کیا۔''

کشمالہ کے چہرے پر جو بھی تھا اس نے علی شاہ کو بھی بہت شرمندہ کیا تھا۔

''مگر کشمالہ آپی وہ سب تو غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا تھا نا۔''

''مگر اس غلطی کا خمیازہ بھی تو اربش نے بہت بھاری بھگتا ہے۔''

لہجہ تو بہت عام تھا مگر بات دل کو لگی تھی..... یہ غلطی ہی تھی جس کا خمیازہ اربش نے ہی بھگتا تھا۔ قصور نہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار قرار دے دی گئی تھی جس کی سزا اس کو بہت بھیانک ملی تھی..... سالار شاہ کی سختی اور زیادتی کانوں سے سنتا تو شاید یقین نہ کرتا مگر سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس نے.....

''بازغہ جانتی ہے اربش کے بارے میں۔'' اس نے جانچتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہلکے سے پوچھا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے سرسری سا ہی جانتی ہے..... مگر آپ فکر مت کریں اور سبریز لالہ کو بھی کہیے گا کہ حویلی میں بازغہ کے ساتھ معمولی سی بھی ناانصافی نہیں ہوگی۔ کوئی تکلیف کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ اس کی خوشیوں کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں..... رہا سوال سالار لالہ اور اربش بھابھی کا وہ سب سالار لالہ خود دیکھ لیں گے اور مجھے پوری امید ہے ان شاء اللہ بہت جلد اربش بھابھی حویلی میں آئیں گی، سالار لالہ خود جا کر ان کو اور گڑیا کو لے کر آئیں گے.....'' مضبوط لہجے میں جتاتے ہوئے کہا۔

''ان شاء اللہ۔'' کشمالہ نے بھی دل سے کہا۔

''چلو میں چائے نکالوں تم چل کر ہال میں بیٹھو۔'' علی شاہ کی باتوں سے کچھ سکون ملا تھا اس کے دل کو۔ یقین بھری اور مسکراتی نظروں سے اس نے علی شاہ کو دیکھا تھا۔

''انابیہ بھابھی میں اگر کوشش بھی کرنا چاہوں تو بھی علی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتی..... مجھے علی سے نفرت ہے۔ میرے اور ان کے بیچ نفرت کا رشتہ ہے بس، اس کے علاوہ میں اور کوئی رشتہ ان سے رکھنا بھی نہیں چاہتی۔''

بازغہ کی بادامی آنکھوں میں علی شاہ کے لیے موجود نفرت نے انابیہ کو چونکا ہی تو دیا تھا..... وہ ڈر گئی تھی کہ بازغہ کی یہ شدید نفرت کوئی نقصان نہ پہنچا دے کسی کو۔

''مگر کیوں بازغہ..... علی بھائی بہت نائس ہیں۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھیں گے تم ایک بار ان کی طرف بڑھو تو۔ ان کے دل میں جھانکو۔''

''نہیں انابیہ بھابی! میں نے صرف تبریز سے پیار کیا ہے، ان کا ہاتھ تھاما ہے اور ان کے ہی دل میں جھانکا ہے۔ اس کے علاوہ میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تبریز سے میں بھولے سے بھی بے وفائی کروں۔''

''نہیں بازغہ، تمہارا علی بھائی کی طرف بڑھنا تبریز بھائی سے بے وفائی نہیں ہے، بلکہ وہ تو خوش ہوں گے ان کی روح کو سکون ملے گا کہ تم اپنی زندگی میں آگے بڑھ رہی ہو اور.....''

''نہیں..... نہیں انابیہ بھابھی میرا دل مائل نہیں ہوگا، اور نہ ہی علی کے لیے نرم پڑ سکتا ہے..... ہمارا یہ رشتہ صرف کاغذی رشتہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں..... صرف بابا جان کی وجہ سے میں نے یہ زہریلا گھونٹ حلق میں اتارا ہے..... ورنہ عدت کے بعد یہ ہی سوچا تھا کہ کوئی جاب کرلی اسکول میں، اور بس یہ ہی مقصد رہتا میری زندگی کا مگر علی نے میری زندگی میں جو کنکر مار کر ارتعاش پیدا کیا ہے وہاں سوائے نفرتوں کے سوا انہیں کچھ نہیں ملے گا۔''

بدگمانی اور غلط فہمی نے پوری طرح سے دل و دماغ کو جکڑا ہوا تھا، آنکھوں پر نفرت کا پردہ ڈلا ہوا تھا کہ وہ کچھ دیکھ ہی نہیں پا رہی تھی..... نہ ہی علی شاہ کی محبت کو محسوس کر پا رہی تھی..... اور شاید یہ سودا زبردستی کا تھا۔ کسی کہ کہنے یا سمجھانے سے بازغہ کبھی وہ نہیں دیکھ پائے گی جو اس کو خود سے سمجھنا ہوگا۔

انابیہ کو یہ ہی لگا کہ وہ صرف وقت ضائع کرے گی، اس لیے کچھ ٹائم گزرنے دو شاید بازغہ علی شاہ کی محبت و چاہت کو سمجھ سکے۔

ملازمہ نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہو کر کشمالہ کا پیغام دیا۔ بازغہ کا تو پورا پورا ارادہ تھا یہاں رکنے کا اور کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا مگر ذہن میں زبیدہ جہاں کا خیال آیا تو رکنے کا ارادہ کینسل کر دیا اور رات کے کھانے کے بعد رخت سفر باندھا۔

بابا جان نے اس کو خوب سارے تحائف و دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

☆.....☆

دوپہر کے تین بجے کے قریب اس خوب صورت سے بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں سالار شاہ اپنے مخصوص انداز میں فوم کے سنگل صوفے پر براجمان تھا۔ اسکائی بلیو کے کاٹن کے کلف لگے سوٹ میں گرے کلر کی شال کندھے پر ڈالے اس کی نگاہیں سامنے بڑے سے وال گلاس کے اس پار اس وجود پر ٹھہری ہوئی تھیں، جو خود میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی۔ جس کی ہر سوچ ایک دوسرے سے الجھی ہوئی تھی۔ وہ اس سوئمنگ پول کے پاس کھڑی ضرور تھی مگر اس کا دھیان کسی پرانی یاد میں کھویا ہوا تھا۔ وہ نگاہیں اس سوئمنگ پول میں بھرے صاف و شفاف پانی پر ٹکی ہوئی تھیں جو سورج کی کرنوں سے جھلملا رہا تھا مگر اس جھلملاتے پانی پر کوئی تحریر رقم تھی کوئی منظر چسپاں تھا..... جو صرف اربش کی سہمی نگاہیں دیکھ سکتی تھیں۔

''سنو.....''

اربش نے پلٹ کر دیکھا تھا، عاکفہ کے دونوں بچے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں اور لبوں پر شریر

مسکراہٹ تھی مگر اربش کو ان کا حکم ماننے کا بھی حکم تھا۔

''جی.....'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''چلو آؤ ہمارے ساتھ آنکھ مچولی کھیلو'' عجیب نرالی فرمائش تھی.....مگر وہ بچے اس سے اجازت نہیں مانگ رہے تھے۔ اس کو آڈر دے رہے تھے جو اس کو ہر صورت ہر حال میں ماننا تھا، وہ بے چارگی سے ان شریر بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

''چلو آؤ'' عاکفہ کی بیٹی آگے بڑھی اور جو اس کے ہاتھ میں ایک کالے کلر کا کپڑا تھا وہ اس نے جلدی سے اربش کی آنکھوں پر باندھ دیا اور پیچھے سے ہلکا سا دھکا دیا۔

''یہاں۔''

دونوں بچے نہ صرف زور زور سے ہنس رہے تھے بلکہ تالیاں بجا بجا کر اس کو اپنی جانب متوجہ بھی کر رہے تھے۔

''ارے ادھر کہاں جا رہی ہو ادھر آؤ۔''

''وہاں مت جاؤ گر جاؤ گی۔'' وہ دونوں فل فارم میں تھے اور وہ بچاری اندر ہی اندر سہمی ڈری جا رہی تھی بس دل سے اپنے رب کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

ایک بچہ آگے بڑھتا اور اس کی کمر پر ہلکے سے مارتا اور پیچھے بھاگ جاتا.....دونوں نے مل کر اس کا اچھا خاصا مذاق بنا کر رکھ دیا تھا.....وہ ادھر سے ادھر جاتی بے حال ہو گئی تھی.....اس کا سانس پھولنے لگا تھا مگر خود کی پرواہ کیے بنا وہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھ آگے بڑھائے ان کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جبھی اچانک سے کسی نے اس کی آنکھوں سے وہ کالے کلر کا کپڑا اتارا اور دور اچھال دیا تھا آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا ہوا تھا، اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی دو مضبوط بازوؤں نے جھک کر اس کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا تھا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

اربش کا دماغ جب پوری طرح کام کرنے لگا تو سالار شاہ نے اسے لان میں بنے اس سوئمنگ پول میں اچھال دیا۔

''آہ.....''

اربش کا تو جیسے سانس ہی رک گیا تھا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی جیسے اس کی جان نکال گیا تھا.....اس کو تیرنا ہی کب آتا تھا۔ خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے پانی پر چھپ چھپ ہاتھ مارنے لگی تھی۔ نگاہوں کا آخری منظر یہ ہی تھا کہ سوئمنگ پول کے پاس کھڑا سالار شاہ نہایت دلچسپی سے یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں انتقامی چمک تھی، فاتحانہ چمک تھی۔

اور وہ سانسیں شاید اس کی آخری سانسیں تھیں۔ وہ پانی میں ڈوبنے لگی تھی تب ہی سالار شاہ نے ہاتھ بڑھا کر پھر سے اس کو اذیت بھری دردبھری زندگی کی طرف گھسیٹ لیا تھا۔

☆.....☆

اربش کا رنگ یکدم سفید پڑ گیا تھا۔ وہ اس سوئمنگ پول کے سامنے سے تیزی سے پیچھے ہٹی اور اپنے دھڑکتے دل پر بے ساختہ ہاتھ رکھا۔ ان آنکھوں میں اس چہرے پر بلا کا خوف تھا۔ اس کی سانسوں کی بے ربط کیفیت اس کے جسم کی ہلکی ہلکی کپکپاہٹ.....کچھ بھی تو ان گرے کانچ سے مخفی نہیں رہا تھا۔ ان سیاہ نینوں

میں جو بھی داستان رقم تھی سالار شاہ اتنی دور سے بہ آسانی پڑھ سکتا تھا۔

''میں کوئی تمہید نہیں باندھوں گا، نہ ہی معافی مانگ سکتا ہوں۔''

سالار شاہ کی گھمبیر اور بھاری آواز نے صرف لمحے بھر کو رائب ملک کو حیران کیا تھا۔ اس نے غصے سے اس کو دیکھنے کے بعد بی بی جان کو دیکھا۔ بی بی جان نے آنکھوں کے اشارے سے رائب ملک کو خاموش رہنے کا کہا۔ ورنہ سالار شاہ کی یہ بات تو ان کو بھی پسند نہیں آئی تھی مگر وہ چاہتی تھیں کہ پہلے سالار شاہ کی سنی جائے۔

کیونکہ میں جانتا ہوں معافی، شرمندگی اور ندامت جیسے لفظ ان سب کے آگے بہت چھوٹے ہیں جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا، میں اپنے عمل سے ہی یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ اربش آگے کی زندگی میں مجھ پر فخر کرے گی۔''

سالار شاہ کی یہ عادت تھی یا فطرت کہہ لیں کہ نہ تو وہ بات کو طول دیتا تھا اور نہ ہی کسی بحث میں پڑتا تھا۔ دو ٹوک بات کرتا تھا۔

مگر اس کی اس بات کا مطلب رائب ملک اور بی بی جان اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ وہ کیا چاہتا تھا، وہ جان گئے تھے مگر ضروری نہیں تھا کہ رائب ملک اس کی بات سے اتفاق کرتا۔ اس کا ارادہ تو تھا کہ وہ سالار شاہ کو کھری کھری سنائے۔ یعنی اس کی نظر میں نہ تو انسانیت کوئی چیز تھی اور نہ ہی انسانی جذبات..... سالار شاہ وڈیرہ ہوگا تو اپنے گاؤں کا اس کے ایک اشارے پر لبیک کہنے والے اس کے گاؤں میں ہوں گے مگر یہ اس کی بھول ہے کہ یہاں اس کا سکہ چل جائے گا۔ کیونکہ رائب ملک ایسا کچھ ہونے نہیں دے گا۔

رائب ملک کی آنکھوں اور چہرے کی برہمی اور بگڑے تیور کو رافعہ ملک کے ساتھ ساتھ بی بی جان بھی بھانپ چکی تھیں مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ رائب ملک ایک گرم خون ہے۔ وہ غصے میں شاید سالار شاہ سے ٹکرا بھی جاتا لیکن فائدہ کیا ہوتا، کچھ نہیں..... نقصان پھر بھی اس معصوم سی بے ضرر سی اربش کا ہی ہونا تھا۔

''اس کا مطلب آپ ابھی بھی اپنے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اربش کی رائے اس کی سوچ آپ کی نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' رائب ملک کا سرد انداز اور سرد لب و لہجہ سالار شاہ کو بہت محسوس ہوا تھا۔ اس نے سنجیدگی سے رائب ملک کو دیکھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ اربش میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اربش میری بیوی ہی نہیں میری بیٹی کی ماں بھی ہے۔ ٹھیک ہے ماضی میں نادانستگی اور انجانے میں بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں مگر میں اس کا ازالہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔'' سالار شاہ نے بہت نرمی سے اس کو جواب دیا۔ ''اپنے غرور اور گھمنڈ میں، میں نے بہت کچھ گنوا دیا ہے رائب صاحب مگر اربش کو کھونا میرے لیے ممکن نہیں۔''

سالار شاہ کے لہجے میں ضو یا شاہ کو کھونے کا دکھ بول رہا تھا، ان گرے کانچ اور چہرے پر درد بلکورے لے رہا تھا۔ رائب ملک نے جو کچھ دیر پہلے سالار شاہ کے لیے رائے قائم کی تھی وہ اس کو بدلنی پڑی۔

وہ سنجیدگی سے اربش کے لیے سوچنے لگا تھا شاید..... مگر ضروری تو نہیں جو سالار شاہ چاہتا ہے ویسا ہی کچھ اربش بھی چاہے۔ ''یہ زندگی ایک حقیقت ہے جس میں کچھ تلخی اور شیرینی ہے۔ اب یا تو زبردستی یا پھر خوشی سے..... مگر ہم کو اسی میں جینا ہے..... اربش تمہاری بیوی ہے تمہارے نکاح میں ہے اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور تم حق بجانب ہو اسے اپنے ساتھ لے جانے میں اپنے ساتھ رکھنے میں..... یہ جانے یہ سوچے بغیر کہ اربش کا دل کیا کہتا ہے۔ وہ کیا سوچتی ہے کیا چاہتی ہے۔'' بی بی جان نے سالار شاہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھو بیٹا! عورت بہت نازک سی ہستی ہوتی ہے۔ محبت کے جذبات سے گندھی ہوئی ہوتی ہے، وہ زیادہ کی خواہش نہیں کرتی وہ بس اپنے شوہر سے عزت و محبت چاہتی ہے اور عورت کی اعلیٰ ظرفی تم یہاں بھی دیکھ سکتے ہو کہ اس کا شوہر اس پر ظلم کی انتہا کر دے، نفرتوں کے تلخیوں کے پہاڑ توڑ دے مگر شوہر کی ایک محبت کی نگاہ سے پگھل جاتی ہے، اس کے چند محبت بھرے بول سے اس کا دیا ہر درد ہر زخم بھلا دیتی ہے۔''

بی بی جان جو اس کو سمجھانا چاہ رہی تھیں وہ نہیں سمجھتی تھیں کہ سالار شاہ ان کی بات کو سمجھ نہیں سکا ہوگا۔

''میں اربش کو منالوں گا بی بی جان۔'' سالار شاہ نے مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے ایک بار پھر وال گلاس کے اس پار دیکھا مگر اب وہ جگہ خالی تھی، وہ ہلکا سا بے چین ہو گیا۔

''مجھے یقین ہے تم اس کو منالوں گے، مگر اس یقین سے پہلے اربش کے یقین کا پختہ ہونا ضروری ہے کہ وہ جس خوف میں جس ڈر اور جس اذیت بھری زندگی میں جی رہی تھی وہ اب ان سب آزاد ہے۔''

بی بی جان کے شائستہ لہجے میں کہی گئی اس ذو معنی بات نے سالار شاہ کو شرمندہ کر دیا تھا۔ اربش کو اس حالت تک لانے کا ذمے دار بھی تو وہی تھا، بی بی جان کی زیرک نگاہوں سے سالار شاہ کے چہرے اور جھکی نگاہوں کی شرمندگی چھپ نہیں سکی تھی۔

''میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا بیٹا..... میرا مطلب بس یہی تھا کہ اس وقت اربش کی ذہنی حالت ایسی ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرے..... خاص کر آپ کا..... زور زبردستی کرنے سے کوئی بھی شے ٹوٹ سکتی ہے..... اس لیے ہم یہی چاہتے ہیں کہ ابھی اربش کو کچھ وقت دو اتنا کہ وہ یہ تسلیم کر لے کہ اس کا اب جو کچھ ہے صرف سالار ہے۔''

رائب ملک بولنا تو بہت کچھ چاہتا تھا مگر بی بی جان کے یوں نرمی سے سمجھانے پر وہ چپ ہو گیا۔ کہتا تو وہ بھی یہی سب کچھ مگر اسکا طریقہ اور انداز ذرا مختلف ہوتا۔ صحیح معنوں میں کہا جائے تو بہت سرد بہت سخت..... سالار شاہ خاموش بیٹھا رہا..... بی بی جان اس کی بڑی ہیں وہ اگر یہ سب بول رہی ہیں تو کچھ غلط بھی نہیں ہے۔

سالار شاہ، اربش کو اپنے سامنے ضرور دیکھنا چاہتا ہے مگر اس بار اس کی آنکھوں میں، چہرے پر کوئی ڈر و خوف نہیں بلکہ ان سیاہ نینوں میں اس کے لیے کائنات کا پورا پیار دیکھنا چاہتا ہے۔

''السلام علیکم!'' ہلکی سی کانپتی آواز کی سمت سالار شاہ نے نگاہیں اوپر کو اٹھائیں جہاں انشراح اپنی گود میں کسی معصوم سی بچی کو لیے کھڑی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' سالار شاہ نے دھیرے سے جواب دیتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں اس گلابی بستر میں اس معصوم سی بچی کو دیکھا جو اس کی بیٹی تھی۔ سالار شاہ کا خون جوش مارنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے محبت کی کرنیں پھوٹنے لگی تھیں۔ رائب ملک جو انشراح کے ساتھ ہی کھڑا تھا اس نے انشراح کے ہاتھ سے گڑیا کو آہستگی سے لیا اور سالار شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

مرد چاہے کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو مگر اپنی اولاد کے معاملے میں جو چمک جو رنگ اس کے چہرے اور آنکھوں سے پھوٹتے ہیں وہ ہی سارے رنگ رائب ملک اس وقت سالار شاہ کے چہرے پر دیکھ رہا تھا۔

سالار شاہ نے بہت احتیاط سے اپنی گڑیا کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا، جیسے اس پوری کائنات کی خوشی اس کی بانہوں میں سمٹ آئی ہو۔

بی بی جان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ یہ پیار ہوتا ہی ایسا ہے پاک اور مقدس۔

☆.....☆

وہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوگئی تھی۔ زبیدہ جہاں کو بھی دوپہر کی دوائی دے کر ان سے کچھ باتیں اِدھر اُدھر کی کیں، کچھ ہی دیر میں وہ جب سو گئیں تو وہ بھی آرام کی غرض سے اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔ ارادہ تو یہی تھا کہ سو جائے وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے مگر نیند ہی نہیں آئی اس لیے سوچا کہ وارڈروب کی صفائی ہی کر لے، حالانکہ سب صاف ستھرا تھا مگر ٹائم گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی تھی، خود کو پوری طرح گھر کے کاموں میں مصروف کرلیا تھا سوائے علی شاہ کے، وہ مکمل طور پر اس سے لاتعلق رہتی تھی اس کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ بس یہ احساس ضرور کرتی کہ ملازمہ کو کہہ دیتی کہ علی شاہ کے کپڑے اچھی طرح دھو کر استری کر کے ہینگر کر دو یا جب اس کو ضرورت ہو وہ ملازمہ سے کہہ دیتی کہ چائے بھجوا دو یا اس کا کچھ کھانے کا دل ہو اور وہ اشاروں میں زبیدہ جہاں سے کہہ رہا ہوتا تو وہ ملازمہ سے کہہ دیتی مگر خود کبھی اس کا کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ سب جان گئے تھے کہ بازغہ بہت مزے مزے کے کھانے بناتی ہے۔

عاکفہ کبھی یہاں آتی تو اس کے بچے فرمائش کر کے کبھی اس سے پزا تو کبھی چکن کی کوئی نہ کوئی ڈش بنوا کے کھاتے اور وہ بناتی بھی۔ اس کے چہرے پر معمولی سی بھی شکن نہیں آتی بلکہ وہ بچوں سے خوش ہوتی تھی، ان سے باتیں کرتی تھی ان کی ایکٹی ویٹی کے بارے میں پوچھتی..... جس پر علی شاہ کبھی کبھی دلفریبی سے چھیڑتا، یا اللہ مجھے بھی اولاد کی نعمت سے نواز دے۔

اس کا یہ بے باک جملہ بازغہ کو سرتاپا سلگا دیتا اور وہ ان بچوں کے سامنے سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی یا پھر علی شاہ کے جملے مزید بڑھتے تو وہ گھور کے وہاں سے چلی ہی جاتی۔ پیچھے علی شاہ کی دلچسپ نگاہیں اور پرشوق مسکراہٹ اس کو محسوس ہوتی۔

اس وقت بھی اس کو وہی سب باتیں یاد آرہی تھیں۔ علی شاہ دو گھنٹے پہلے ہی ڈیرے پر کسی کام سے گیا تھا اس کی غیر موجودگی میں بھی بازغہ کو محسوس ہوتا جیسے وہ اس کی سوچوں پر قابض ہو رہا ہو..... اس کی مسکراہٹ اس کے شریر جملے.....

''اف.....!'' بازغہ بری طرح جھنجھلا کے رہ گئی۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ میں علی شاہ کو کیوں سوچ رہی ہوں جب کہ میں تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی..... مجھے نفرت ہے شدید نفرت ہے۔''

''شدید نفرت کی حد جہاں ختم ہوتی ہے تمہاری، وہاں سے میری محبت میری دیوانگی اور عشق کی شروعات ہوتی ہے۔''

سبز کانچ میں جہاں بھر کا پیار لیے وہ بغور ان بادامی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس وقت بھی بازغہ نے سوائے نفرت سے دیکھنے کے اور کچھ نہیں کیا تھا۔

وہ ان ساری باتوں کو جھٹلاتی وارڈروب کی جانب بڑھی۔ ساری دراز کو صاف کرلیا تھا مگر ایک کونے والی دراز جس میں علی شاہ کا کچھ ضروری سامان رکھا ہوا تھا۔ جسے وہ کبھی ہاتھ نہیں لگاتی تھی اور یہ بات علی شاہ اچھی طرح جانتا تھا اس لیے تو کبھی اس کو لاکڈ نہیں کیا تھا۔

بازغہ کا ہاتھ بے ساختہ ہی آج اس کے خانے کی طرف بڑھا تھا اور وارڈروب کا وہ دروازہ کھول لیا تھا،

وہاں اس کے پریس شدہ کپڑے ہینگر تھے۔ وہاں ایک دراز بھی تھی۔

بازغہ نے وہ دراز بھی کھول لی، حالانکہ یہ بھی تو ایک غیر اخلاقی حرکت اس کی نظر میں، مگر جب کوئی کام کرنے کو تھا نہیں اور نیند بھی نہیں آ رہی تھی اور سب سے بڑھ کر علی شاہ بھی نہیں تھا تو یہ ہی فضول کام کر لیا جائے..... اس نے ہاتھ بڑھا کے دراز کھول لی، اور نظر سب سے پہلے جس شے پر پڑی بازغہ کو لگا یا تو وہ پتھر کی ہو گئی ہے، یا پھر کوئی قیامت ہے جو اس پر ٹوٹ گئی ہے۔

بازغہ نے وہ آکسیجن پمپ اٹھایا۔ وہ آنکھ بند کر کے بھی بتا سکتی تھی کہ یہ آکسیجن پمپ اور ساتھ رکھا یہ فون تبریز خان کا ہے..... مگر یہ علی شاہ کے پاس کیا کر رہا ہے..... کتنے ہی لاتعداد الجھے سوالات اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا رہے تھے، اس کی آنکھوں اور چہرے پر بھی الجھن تھی..... سب سے پہلا سوال یہ ہی اٹھتا کہ آخر یہ دونوں چیزیں علی شاہ کے پاس کیا کر رہی تھیں..... اور یہ آکسیجن پمپ یہ تو تبریز خان کی زندگی، اس کی سانسیں اسی سے ہی چلتی تھیں..... اور اگر یہ نہ ہو بروقت اس کا اکھڑتا سانس اس کی مدد سے بحال نہ کیا جائے تو تبریز خان کی زندگی مشکل میں پڑ سکتی ہے..... یا وہ اپنی زندگی سے ہاتھ بھی دھو سکتا ہے.....

اس کا مطلب کیا ہے..... وہ کیا سمجھے..... آخر یہ علی شاہ کے پاس کیوں ہے۔'' وہ نم آنکھوں سے اس آکسیجن پمپ کو دیکھ رہی تھی اور جو طوفان جو آندھی کے جھکڑ اس کے اندر چل رہے تھے، محسوس تو یہ ہی ہو رہا تھا شاید اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے..... اس کا مطلب علی شاہ جانتا تھا کہ یہ آکسیجن پمپ تبریز خان کے لیے کس قدر ضروری ہے، وہ جانتا تھا کہ یہ آکسیجن پمپ تبریز خان کی زندگی ہے..... یعنی..... علی شاہ نے تبریز خان کو مارا ہے..... علی شاہ تبریز خان کا قاتل ہے..... اس نے میرے تبریز خان کی جان لی ہے۔''

بازغہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ بدگمانیوں اور غلط فہمیوں نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا تھا، اس کی نفرت میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا تھا، وہ ایک قاتل کے ساتھ ایک چھت تلے اتنے عرصے تک سانس لیتی رہی..... ''نہیں'' وہ یہاں اب ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رکے گی۔ وہ ابھی بابا جان کے پاس جائے گی..... وہ ان کو بتائے گی..... وہ کسی صورت علی کو معاف نہیں کرے گی..... وہ اس کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا کے رہے گی۔ اور پھر وہ جس حلیے میں تھی اسی میں وہ دونوں چیزیں لیے باہر آئی۔ کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد حویلی کے ڈرائیور نے بازغہ کو اس کے گھر چھوڑا تھا اور خود واپس حویلی کی جانب چلا گیا تھا۔

''بابا جان..... بابا جان!'' زار و قطار روتی بلکتی وہ زور زور سے آغا اکبر خان کو پکار رہی تھی۔

''بازغہ! بیٹا کیا ہوا..... یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔'' سبریز خان جو بازغہ کے آنے سے دو منٹ پہلے ہی آفس سے آ کر بس بیڈ روم میں ہی گیا تھا بازغہ کی روتی چیختی آواز پر وہ واپس الٹے قدموں باہر آیا تھا، اور جو بازغہ کی ایسی بکھری اجڑی حالت کو دیکھا تو دل جیسے دھک سے رہ گیا، جو ڈر و وسوسے ان کے دل و دماغ میں ڈیرا ڈال کے بیٹھے ہوئے تھے وہ کہیں سچ تو نہیں ہو گئے۔

''سبریز لالہ! وہ بھاگتی ہوئی سبریز خان کے سینے سے لگی تھی اور جس طرح وہ بلک بلک کر رو رہی تھی تڑپ رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے آج ہی تبریز خان فوت ہوا ہے..... انابیہ اور کشمالہ جو کچن میں ڈنر کی تیاریاں کر رہی تھیں بازغہ کے چیخنے اور رونے کی آواز پر باہر آ گئیں..... کشمالہ تو جیسے لمحہ بھر کو چکرا کے رہ گئی..... سبریز خان کے سرد رویہ سے ویسے ہی وہ آج کل سہمی ہوئی تھی اور پھر بازغہ کی ایسی حالت.....

''یا اللہ رحم۔'' وہ بس یہ ہی کہہ سکی تھی۔

''بولو میرے بچے ہوا کیا ہے..... بتاؤ مجھے..... کیا کیا ہے علی شاہ نے..... میں حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اگر میری بہن کے ساتھ معمولی سی بھی ناانصافی کی ہوتو۔'' سبریز خان کا غصہ اس کا جلال اپنے عروج پر تھا۔

''یہ دیکھیں۔''

بازغہ نے ہاتھ میں پکڑا فون اور آکسیجن پمپ اس کے سامنے کیا..... اسی اثنا میں دائم خان بھی آفس سے آچکا تھا، سامنے اس منظر نے اس کو بھی چونکا دیا تھا، بلکہ بازغہ کو اس طرح روتے دیکھ کر وہ خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔ انابیہ کی نظر دائم خان پر پڑی تو وہ اس کی طرف بڑھی اس کے ہاتھ سے بریف کیس لیا اور نا سمجھی سے اس کو دیکھا۔ دائم خان نے انابیہ سے کچھ بھی کہے بغیر سبریز خان اور بازغہ کی جانب قدم بڑھائے۔

''بازغہ.....'' دائم خان نے فکرمندی سے اس کو پکارا..... دائم خان کو دیکھتے ہی وہ تڑپ کے اس کی طرف بڑھی تھی، دائم خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور نگاہ سبریز خان پر تھی..... وہ بازغہ کے اس طرح بکھرنے اور اجڑے حلیے کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

''دائم لالہ! تبریز کو..... علی شاہ نے مارا ہے۔'' لڑکھڑاتی اور کانپتی آواز میں جو اس نے کہا تھا وہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا، جیسے ساتوں آسمان ان کے سروں پر آگرے ہوں..... زمین پیروں تلے سے کھسک گئی ہو۔

پیچھے کھڑی کشمالہ تو اپنا دل تھام کر رہ گئی اور یہ ہی حالت خود انابیہ کی بھی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو بازغہ۔'' دائم خان نے اس کو دونوں بازوؤں سے تھام کر اپنے مقابل کیا۔ اس نے بے یقین نظروں سے بازغہ کا بھیگا چہرہ دیکھا تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں..... یہ دیکھیں..... یہ علی کے قاتل ہونے کا ثبوت ہے۔'' اس نے وہ دونوں چیزیں دائم خان کے آگے کیں۔ بازغہ کی ہتھیلی پر رکھا وہ آکسیجن پمپ اور وہ موبائل فون تو تبریز خان کا ہی تھا۔

دائم خان نے وہ دونوں چیزیں اٹھا کے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر سبریز خان کو دیکھا جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، جس کے چہرے پر غیظ و غضب کے رنگ واضح تھے۔

''یہ اچھا نہیں کیا علی شاہ نے..... تبریز خان میرا بھائی تھا..... اور میں اپنے بھائی کے قاتل کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

سبریز خان کی آنکھوں میں ہی نہیں سر پر بھی خون سوار ہو گیا تھا، وہ اگر اس وقت سامنے ہوتا تو یقیناً اس کو شوٹ کر دیتا، مگر اس کی بہ نسبت دائم خان سوچوں میں گھر ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ علی شاہ سے اس کی بہت اچھی واقفیت ہو گئی تھی، علی شاہ ایک سلجھا ہوا انسان ہے سمجھدار اور عقلمند..... مگر جو سامنے کھلی آنکھوں اور کھلے کانوں سے وہ دیکھ اور سن رہا ہے یہ سب کیا ہے..... وہ کس بات پر یقین کرے..... کس چیز پر شک کرے۔ بازغہ جس طرح ہچکیوں سے زاروقطار رو رہی تھی اس کو چپ کرائے یا سبریز خان جو طیش اور اشتعال میں ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا اس کو سنبھالے..... مگر سوچنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ آخر علی شاہ کے پاس یہ دونوں چیزیں کیا کر رہی تھیں۔

''دائم!'' سبریز خان نے دائم خان کو پکارا، دائم خان جو سوچوں میں الجھا ہوا تھا سبریز خان کی سخت اور کرخت آواز پر اس کو دیکھا۔

''جی لالہ!''

''بلاؤ علی شاہ کو یہاں۔'' سبریز خان کی آنکھوں کے دہکتے بھڑکتے شعلوں نے تو جیسے پیچھے کھڑی خوف زدہ سی کشمالہ کو پورے وجود سمیت جھلسا کے رکھ دیا تھا۔

علی شاہ شام کے کوئی چھ بجے کے قریب گھر آیا تھا۔ ہر کام معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ حویلی کی ملازمہ کچن میں ڈنر کی تیاریاں کر رہی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ باز غہ بھی کچن میں ہی ہوتی ہے اس وقت..... اس لیے قدم خود بخود کچن کی جانب بڑھنے لگے مگر حیرت انگیز بات کہ وہ وہاں نہیں تھی اور دوسری چونکا دینے والی بات یہ بھی تھی کہ آج زبیدہ جہاں بھی ہال میں موجود نہیں تھیں۔ جانے کیوں اس کے دماغ میں کسی انہونی ہونے کی گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں..... مگر وہ اپنی سوچوں کو جھٹکتا زبیدہ جہاں کے روم کی جانب بڑھا..... آہستگی سے دروازہ کھولا..... بیڈ روم میں مدہم سی روشنی جل رہی تھی۔ گھمبیر سی خاموشی تھی..... ایک بار پھر وہ چونکا تھا۔ اس وقت تو اس نے کبھی زبیدہ جہاں کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا وہ آرام سے اندر داخل ہوا اور دبیز کارپٹ پر مضبوط قدم دھرتا بیڈ کی جانب بڑھا۔ دل و دماغ میں وسوسے بڑھنے لگے کہ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....

زبیدہ جہاں بیڈ پر بلینکٹ سر تک اوڑھے بے خبر سو رہی تھیں۔ علی شاہ نے آہستگی سے بلینکٹ ان کے سر سے ہٹایا اور ان ہی کے پاس بیٹھ گیا۔

''بے بے!'' علی شاہ نے نرمی سے زبیدہ جہاں کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ زبیدہ جہاں کی نیند پوری ہو گئی یا شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھیں..... جو اچانک سے ان کی آنکھ کھلی تھی۔

''ضویا.....''

''بے بے!'' علی شاہ نے دھیرے سے ان کے بالوں کو سہلایا تھا، زبیدہ جہاں نے بغور دیکھا تو ہلکے سے اندھیرے میں ان کو علی شاہ کا چہرہ نظر آیا۔

''ارے علی پتر تم کب آئے۔'' وہ کہتے ہی سیدھی ہو کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں تو علی شاہ نے ہی ان کو سہارا دے کر بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر بٹھایا۔

''پہلے مجھے یہ بتایئے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا، اس وقت آپ سوتی تو نہیں ہیں۔'' علی شاہ نے تشویش سے زبیدہ جہاں کو دیکھا۔

''ہاں ٹھیک ہے..... مجھے بھی حیرت ہو رہی ہے آج کافی ٹائم تک سوتی رہی یا شاید ضویا کے ساتھ تھی جبھی آنکھ نہیں کھلی۔''

ان کے چہرے اور آنکھوں میں ایک سکون بھری چمک تھی..... یقیناً جو خواب تھا ضویا کے ساتھ وہ اچھا ہی ہوگا۔

''خیر ان باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ سالار کب تک آجائے گا حویلی۔'' ان کے لہجے میں اب سالار شاہ کے لیے فکر بول رہی تھی۔

''آج میری بات ہوئی تھی سالار لالہ سے..... وہ تو چاہتے ہیں کہ ابھی آجائیں..... مگر۔''

''مگر کیا؟'' اس کے ادھورے جملے پر انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مسئلہ اربش بھابھی کا آرہا ہے..... اس قدر خوف زدہ اور ڈری ہوئی ہیں کہ سالار لالہ کا نام سن کر ہی

ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے...... سب کا کہنا ہے کہ وہ ابھی کومے سے باہر آئی ہیں...... تو...... کہیں ایسا نہ ہو سالار لالہ کو سامنے دیکھ کر انہیں پھر کچھ ہو جائے۔'' علی شاہ نے تفصیلاً ساری بات ان کے گوش گزار کی، زبیدہ جہاں خاموش رہیں ان کو وہ ساری زیادتی، ظلم ایک بار پھر سے یاد آنے لگے جو انہوں نے اربش پر کیے تھے۔ اپنے گھمنڈ اور تکبر میں وہ اس قدر آگے نکل گئیں یہاں تک یہ بھی بھول بیٹھیں کہ انصاف کرنے والا ہمارا رب ہماری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

''آپ فریش ہو جائیں میں چائے اور کچھ کھانے کے لیے ہال میں رکھنے کا کہتا ہوں۔''

زبیدہ جہاں کو شرمندہ اور نادم وہ کیسے دیکھ سکتا تھا یہ ان کا اور رب کے بیچ کا معاملہ تھا...... بے شک وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا اور چاہنے والا ہے...... عاجزی اور انکساری سے رو کے گڑگڑا کے اس پروردگار سے معافی مانگی جائے تو وہ پہاڑ سے بڑے گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے...... اور اس نے تو اکثر اپنی ماں کو رات کی تاریکی میں سناٹے میں تہجد کی نماز میں تڑپ تڑپ کے روتے اور معافی مانگتے دیکھا تھا۔

علی شاہ اپنے روم میں آیا۔ وہاں اس کو عجیب سا سناٹا سا کچھ ویرانی اور تنہائی سی محسوس ہوئی، یعنی اس دشمن جاں کے نہ ہونے سے اتنا فرق پڑتا ہے اس کے خیال سے ہی اس چہرے اور سبز کانچ میں مسکراہٹ سی پھیلنے لگی، مگر اب ٹائم زیادہ ہو گیا تھا۔ آدھے گھنٹے سے اوپر اور اس جان جاناں کا دیدار نہیں ہوا تھا، اب تو اس کو بے چینی سی لگ گئی تھی، دل میں بے تابی اور بے قراری سی بڑھنے لگی۔ وہ اس دوران شاور بھی لے چکا تھا اور وائٹ کلر کا ململ کا کرتا کاٹن کی شلوار میں ملبوس قد آور آئینے کے سامنے کھڑا بال میں برش پھیر رہا تھا، اسی وقت اس کا فون بجنے لگا۔ علی شاہ نے چمکتی اسکرین پر نام دیکھا جہاں ''دائم کالنگ'' جھلملا رہا تھا...... اس نے ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور فون اٹھا کے ریسیو کر لیا، بنا سلام کے سرد آواز ابھری۔

''جتنی جلدی ہو سکے یہاں آؤ، بازغہ نہیں ہے۔''

دائم خان کا سرد اور کاٹ دار لہجہ دوسرا بازغہ کی وہاں موجودگی...... علی شاہ کو شدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

☆......☆

''نہیں...... رحمت بوا...... میں سائیں سے نہیں ملوں گی۔'' اربش نے جلدی سے پاس بیٹھی رحمت کا بازو پکڑ لیا اور ان کے قریب ہو گئی۔ اس طرح چپک گئی کہ یہ ہی ڈر تھا سالار شاہ اس کو لے کر ہی نہ چلے جائیں۔

''بیٹا ابھی سائیں صرف تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' رحمت اس کے ڈر کو سمجھتی تھی۔ وہ اگر خوف زدہ ہے تو اس کی بھی وجہ ہے...... اس نے سالار شاہ کے کیے گئے ظلم برداشت کیے ہیں، وہ سالار شاہ جو غرور اور ظلم کا دوسرا نام تھا، وہ سالار شاہ جس نے فرعون کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا، مگر کل کے اور آج کے سالار شاہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کوئی اور کہتا کہ سالار شاہ بدل چکا ہے اس کا غرور گھمنڈ سب مٹی میں مل چکا ہے تو وہ کبھی یقین نہیں کرتی، کیونکہ رحمت جانتی تھی سورج مشرق کے بجائے مغرب سے تو نکل سکتا ہے مگر سالار شاہ کبھی نہیں بدل سکتا، مگر یہ سوچ غلط ثابت ہوئی۔

''سالار شاہ اب وہ نہیں رہا۔'' جب رحمت نے سالار شاہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا تو یقین بھی آ گیا، اور یہ ہی بات کب سے رحمت اربش اور انشراح کو سمجھا رہی تھی مگر وہ کسی صورت ماننے کو راضی نہیں تھی، اس کا خوف اس کا ڈر اس کی آنکھوں اور چہرے سے ہی نہیں اس کے ہر ہر عضو سے ٹپک رہا تھا،

(آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ)

حوریہ سعد

کوئی مل گیا

رات کا پہر تھا۔ تمام کزنز شانزے کی ڈھولکی کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ سفید چاندنیوں پر سرخ پھولوں کی چادر شانزے کی بہنوں نے استقبال کے طور پر بچھائی تھی۔

دور دراز کے رہنے والے رشتے دار سب آ چکے تھے۔ خاص طور پر پنجاب سے آئی ہوئی فاطمہ اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں سب سے الگ نظر آ رہی تھی۔ کوئی اس سے کہہ رہا تھا کہ تم نے تو کشمیری لباس پہنا ہوا ہے۔ کوئی اسے بلوچی گرتہ قرار دے رہا تھا۔

تب ہی بیچ میں نعیم بھیا آ گئے۔

''ہم بتاتے ہیں کہ کیا لگ رہی ہے فاطمہ۔''

''نہ نہ..... ہم بتائیں گے۔'' ہمایوں بول پڑا۔

''تم سب فاطمہ کے پیچھے کیوں لگ گئے ہو۔'' بڑی اماں نے آ کر کہا۔

'بڑی اماں آپ ہی بتائیں نا کہ یہ لمبے لمبے بال، جنہیں بیٹھنے سے پہلے سنبھالنا پڑتا ہے۔ لڑکیوں کو اتنے پسند کیوں ہوتے ہیں؟'' ہمایوں مسخرے انداز میں اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''بال ہیں کہ گھنگور گھٹائیں۔'' نعیم بھائی بھی بول اٹھے۔

''لو یہی تو مشرقی حسن کا راز ہے۔ لمبے گھنے صحت مند بال ایسی آسانی سے حاصل نہیں ہوتے، ان کے لیے سو جتن کرنے پڑتے ہیں۔'' بڑی اماں نے بھی حصہ لیا۔

''بس امی جان ہر وقت تیل لگائے جاتی ہیں۔'' فاطمہ نے کہا۔

''لیکن تمہارے تیل کی بھینی بھینی مہک مجھے تو اچھی لگتی ہے۔''

ہمایوں نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو فاطمہ شرما کر رخ پھیر گئی۔

''بنو میری ہزاروں میں۔'' لڑکیوں نے لہک کر تان لگائی۔ نعیم اور ہمایوں زور زور سے تالیاں بجانے لگے اتنے میں شانزے کا ہاتھ تھامے ہوئے لڑکیاں اسے اپنے گھیرے میں لیے پنڈال میں آئیں۔

''مایوں تو شانزے بیٹھ رہی ہے لیکن شرما رہی فاطمہ ہے۔'' ہمایوں نے پھر چھیڑا۔

سدرہ اور ماہین بڑے غور سے فاطمہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جو بے حد نروس دکھائی دے رہی تھی۔ فاطمہ نے گھبرا کر اپنی چوٹی کو ہاتھ میں لپیٹ لیا۔ شفاف اور اجلے چہرے پر کرلی بال شائن کر رہے تھے۔ سب کی نظروں میں ستائش تھی۔

فاطمہ میں ایسی کوئی خاص بات ضرور تھی جو ہر کوئی اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ نظریں جھکائے گھبرائی گھبرائی سے بیٹھی تھی۔ کیمرے کی روشنی نے اسے اپنے حصار میں لیا تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ مووی میکر نے خاص طور پر اسے ہی فوکس کیا ہوا ہے۔ وہ رخ موڑ کر بیٹھ گئی مگر روشنی مسلسل اسے ہی حصار میں لیے ہوئے تھی۔

☆.....☆

سدرہ کو بیٹھے بیٹھے تکلیف شروع ہو گئی۔ وہ بار بار فاطمہ کو چھیڑے جا رہی تھی۔

''فاطمہ فاطمہ..... تمہارے ایک کان کا بندہ کہاں گیا؟'' فاطمہ نے گھبرا کر کانوں کو چھوا تو دونوں بندے موجود تھے۔

سدرہ اپنی شرارت پر خود ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ سدرہ کی اس حرکت کو ہمایوں نے ناگواری سے دیکھا۔

''سدرہ یہ کیا حرکت ہے؟'' اس نے ناگواری سے سدرہ کو گھورا۔

دوسری جانب نعیم بھائی لہک لہک کر گانے لگے۔

''بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی..... بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا۔''

سارے لڑکوں نے ڈھولک کے تھاپ پر ردھم سے یہ گانا شروع کیا۔

سامنے سے بڑی پھوپھو شاپر سنبھالے آرہی تھیں۔
''کم بختو! پھوپھو کو دیکھ کر گانا گانے لگے۔''
''ہماری پھوپھو سونے کی، ہماری پھوپھو ہیرے کی۔'' کسی منچلے نے آواز لگائی۔
''ہاں کیوں نہیں..... ہے میرے بھیا کی اونچی حویلی، ہے میرے بابا کی اونچی حویلی۔'' پھوپھو ٹھسے سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔
سدرہ فوراً اٹھ کر پھوپھو کے پاس آئی لیکن پھوپھو کی نظریں بھی فاطمہ پر ہی تھیں۔
''میرا خیال ہے یہ..... کس کی بیٹی ہے؟ ارے..... یہ فاطمہ تو نہیں..... اوہ خدا..... کتنی بڑی ہوگئی۔ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ یہاں آؤ فاطمہ میرے پاس۔''
فاطمہ کی ماں کلثوم نے فاطمہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو فاطمہ پھوپھو کی جانب بڑھی۔ انہوں نے اٹھ کر اسے گلے سے لگالیا۔
''چھوٹی سی تھی جب میں نے تجھے دیکھا تھا فاطمہ اور یہ بال تو دیکھو..... پتا نہیں کلثوم کیا ٹوٹکے استعمال کرتی ہے اس کے بالوں پر ماشاء اللہ!'' انہوں نے اس کی چوٹی کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔
''بالوں کی حفاظت کیا کرو۔'' پھوپھو نے اس کے بالوں کو دیکھ کر پھر سے کہا۔
''ارے آپا..... میں بہت کیئر کرتی ہوں اس کے بالوں کی..... میں روزانہ ڈابر آملہ ہیئر آئل کی اس کے بالوں میں مالش کرتی ہوں۔ فیشن اپنی جگہ..... مگر روایت تو روایت ہے۔ یاد ہے آپا..... کلثوم نے بات بڑھائی۔ ''میری شادی کیسے طے ہوئی تھی..... کچھ یاد آیا۔''
''ہاں ہاں..... کیوں نہیں یاد..... خالد بھائی تمہارے بالوں پر عاشق ہوگئے تھے۔'' ہمایوں کی ماں فاطمہ کی ماں سے بولی تو کلثوم جھینپ گئی۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

نعیم بھائی کھلکھلا کر بولے تو ان کے انداز پر سب ہی کو ہنسی آگئی۔
''اور بتائیں اور بتائیں امی..... خالد انکل نے خالہ کو کیسے پسند کیا تھا۔'' ہمایوں بھلا کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔
''تمہارے خالو کلثوم کے بالوں پر عاشق تھے۔''
''ہیں خالہ..... امی سچ کہہ رہی ہیں۔'' ہمایوں نے اشتیاق سے پوچھا تو فاطمہ کی امی شرما گئیں۔
اب تو سبھی ان کے سر ہوگئے کہ وہ ان لمبے بالوں کا راز ضرور بتائیں۔
''بولیں..... بولیں..... خالہ بولیں نا..... چپ کیوں ہیں۔'' نعیم بھائی نے چھیڑا۔
خالہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔ ''ارے بھائی یہ تو بہت پرانا راز ہے، بلکہ ہمارا خاندانی راز ہے۔ آملہ تو تم جانتے ہوناں۔'' خالہ نے نعیم بھائی کو دیکھا۔
''یہ آملہ کیا ہوتا ہے۔'' ہمایوں نے حیرت سے پوچھا۔
''کرلو گل.....'' نعیم بھائی ماتھا پیٹ کر بولے۔
''آپ پلیز چپ رہیں۔'' سدرہ بولی۔ ''ہمیں خالہ کی باتیں سننے دیں۔''
''ہماری امی اپنے زمانے میں دوسری جڑی بوٹیوں کے ساتھ آملہ سر پر لگایا کرتی تھیں۔ ہماری نانی بھی بالوں کی مضبوطی کے لیے آملہ استعمال کرتی تھیں۔''
''یا اللہ..... یہ اتنا پرانا خاندانی نسخہ ہے۔'' ہمایوں حیرت سے بولا۔
''جی۔'' پھپھو بولیں۔ ''آج کلثوم کے بالوں کا راز کھلنے والا ہے۔'' ساری لڑکیاں ہمہ تن گوش ہو گئیں۔ خاص طور پر سدرہ بغور سن رہی تھی۔ نعیم بھائی نے مسکرا کر ہمایوں کو آنکھ ماری۔
''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ہماری نانیاں دادیاں پہلے آملے کو بالوں پر لگاتی تھیں پھر زمانہ ترقی کرتا گیا

اب آملہ ہیئر آئل کی شکل میں دستیاب ہے تو میں نے ڈابر آملہ ہیئر آئل لگانا شروع کر دیا۔ میں تو فاطمہ کے بالوں میں بھی ڈابر آملہ لگا کر چمپی کرتی ہوں۔ عورتوں کی تو اصل خوبصورتی صحت مند بال ہی ہیں۔ ایک بار تم لوگ بھی آزما کر دیکھو۔'' انہوں نے بچیوں کو انگلی سے اشارہ کیا۔

''تو پھر میں بھی نعیم بھائی کی چمپی کر دوں؟'' ہمایوں نے شرارت سے نعیم بھائی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ سب لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ نعیم بھائی لاجواب ہو گئے۔

''کیا ہوا، کوئی کمنٹ نہیں آیا۔'' سدرہ نے چوٹ کی۔

''میرا بھائی تو ایسے بھی خوب صورت لگتا ہے۔'' فاطمہ بولی۔ سدرہ نے رخ پھیر لیا۔ ہمایوں کی شوخ نظریں فاطمہ کے گھنے چمکدار بالوں پر ایک بار پھر اٹک گئیں۔

''کہیں پہ نگاہیں..... کہیں پہ نشانہ۔'' نعیم بھائی نے پھر چھیڑا۔ قہقہے ایک بار پھر پھوٹ پڑے۔

رات گئے تک یہ ہی ہلہ گلہ ہوتا رہا۔ سارے کزنز مل کر چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ سب نے مل کر خوب انجوائے کیا۔ لڑکیوں کے بیچ میں بیٹھے نعیم بھائی اور ہمایوں ڈھولک پیٹنے لگے۔ پیٹ کیا رہے تھے ٹھیک ٹھاک بجا رہے تھے نعیم بھائی۔ بیٹھے ہوئے لوگ خوب انجوائے کر رہے تھے۔ شانزے کی سہیلیاں بھی خوب ساتھ دے رہی تھیں۔ ڈھولک کی تھاپ پر سدرہ ڈانس کر رہی تھی۔ ماہین اور شنو کب پیچھے رہنے والی تھیں انہوں نے نعیم بھائی کے اشارے پر فاطمہ کو ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

''آج فاطمہ تمہیں ساتھ دینا پڑے گا۔''

ہمایوں تو گھبرا کر تھوڑی دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا کہ یہ سب کیا کر رہی ہیں۔ فاطمہ نے نظریں اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا کہ امی کیا کہتی ہیں۔ امی نے دھیرے سے اشارہ کیا۔ پھر کیا تھا۔ فاطمہ کھڑی ہو گئی۔

''واؤ..... واؤ.....''

''ارے فاطمہ یہ کہاں سے سیکھا۔ تم تو بڑی چھپی رستم نکلیں۔'' پھپھو بولیں۔

''یہ خاندانی چیز ہے اس کے باپ کو شوق تھا اثر تو آئے گا بچوں میں۔'' خالہ کلثوم بولیں۔

گانے کے بولوں پر فاطمہ کے قدم اٹھ رہے تھے اور ہمایوں کا دل ڈول رہا تھا۔

گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار
بال بال موتی چمکائے روم روم مہکار
مانگ سیندور کی سندرتا
چمکے چندن ہار
جوڑے میں جوہی کی بینی
بانہہ میں ہار سنگھار
گوری کرت سنگھار..... گوری کرت سنگھار

اس کے چمکدار بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ہر شخص اس کے بالوں کی تعریف کر رہا تھا۔ نعیم بھائی مسکراتے جا رہے تھے اور ہمایوں والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ کا چہرہ بلش کر رہا تھا۔ اس نے ہمایوں کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا۔ ہمایوں کی نظروں کی تپش اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

''زبردست..... زبردست۔'' ہمایوں کی آواز ڈھولک کی تھاپ میں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ساری خواتین بہت انجوائے کر رہی تھیں۔ کلثوم خالہ نے محسوس کیا کہ ہمایوں بار بار فاطمہ کو ہی دیکھے جا رہا ہے اور خود فاطمہ کو بھی احساس تھا کہ اسے ہمایوں دیکھ رہا ہے۔

''مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے ہیں۔''

''خوب صورت حادثے اسی طرح ہوتے ہیں۔'' نعیم بھائی پھر بول اٹھے۔ سب ہی ہنسنے لگے۔

''کیا خوب کہا نعیم بھائی..... لے گئے بھئی ہمایوں بازی لے گئے۔ یہ تو گئے کام سے۔'' منیر ہنستے

ہوئے بولا۔
''ارے نہیں سدرہ آپی! یہ ہی تو فاطمہ آپی کا اصل فن ہے۔''
''بکواس..... اتنے لمبے لمبے بال رکھ لو پھر اسے فن کا راز بتاؤ۔'' سدرہ بڑبڑائی۔
''ارے نہیں بھئی..... بڑی محنت سے تو خالہ نے ان کے بالوں کی حفاظت کی ہے۔ ڈابر آملہ ہیئر آئل اکایا ہے روز۔'' ماہین بولی۔
اب یہی خاندانی نسخہ میں نعیم بھائی کے سر پر استعمال کرنے والا ہوں۔'' ہمایوں نے سنجیدگی سے کہا۔ کیوں کہ نعیم بھائی گرتے بالوں کی وجہ سے واقعی پریشان تھے۔

☆.....☆

ولیمے کے بعد آج چوتھی کی رسم تھی۔ کئی خواتین آپس میں کھسر پھسر رہی تھیں، سب نے خالہ کلثوم کو گھیر رکھا تھا۔
''نہیں خالہ آپ جانے سے پہلے ہاں کر کے جائیں گی۔'' ہمایوں شرما کر باہر جانے لگا۔ تو اسے لڑکیوں نے روک لیا۔
''ہمایوں بھائی ہاں تو سن کر جائیں۔'' ماہین بولی۔
''بولیں خالہ بولیں، ہاں بولیں خالہ!'' شنو اور نعیم پیچھے لگ گئے۔
''چلو جیسے تم سب کی مرضی..... اگر تم سب کو فاطمہ اتنی پیاری ہے تو ٹھیک ہے۔''
''مجھے ریشم کی ڈور سے باندھ لیا ہے تیرے ظلم و ستم سر آنکھوں پر۔'' نعیم نے پھر لہک کر تان اٹھائی۔ لڑکیاں بھی ساتھ دینے لگیں۔
ہمایوں شرما کر ہنسنے لگا۔
''مجھے ریشم کی ڈور نے نہیں ان گھٹاؤں جیسے بالوں نے باندھا ہے۔''
فاطمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے بالوں کی وجہ سے اتنا حسین اور خیال رکھنے والا ہمایوں اس کا جیون ساتھی بننے جا رہا ہے۔
فاطمہ کے ریشم جیسے بال محفل کی جان بن گئے۔ خالہ کلثوم اپنے تجربات کی بنیاد پر بتا رہی تھیں کہ ڈابر آملہ آئل ہی لگائیں۔ آملہ کا استعمال ہماری تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ آج جو فاطمہ کا نصیب جاگا ہے اس میں ہماری وہ محنت ہے جو میں نے اس کے بالوں میں کی ہے۔ ہر روز تیل لگاؤ پھر دیکھو اس کا کمال۔ سوکھے بال جڑوں کو کمزور کر دیتے ہیں جب کہ آملہ بنیادی طور پر بالوں کو نہ صرف چمکدار رکھتا ہے بلکہ دماغ کو قوت بھی دیتا ہے اور یہ تو فخر کی بات ہے کہ ہم اپنی تہذیب سے جڑ کر رہیں۔'' تب ہی نعیم بھائی اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خالہ کے سامنے آ گئے۔
''خالہ ایک بار ہماری بھی چمپی کر دیں۔''
سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔
لیکن لڑکیوں کے گانے کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔

گوری کرت سنگھار..... گوری کرت سنگھار
بال بال موتی چمکائے روم روم مہکار
مانگ سیندور کی سندرتا
چمکے چندن ہار
جوڑے میں جوہی کی بنی
بانہہ میں ہار سنگھار
گوری کرت سنگھار..... گوری کرت سنگھار

''بس بس بہت ہو گیا۔ بند کرو۔''
لیکن رات گئے تک شوشرابا جاری رہا۔ سارے کزنز نے مل کر نعیم بھائی کا ریکارڈ لگایا۔
''نعیم بھائی اب آپ کی باری ہے۔'' ملی جلی آوازیں آئیں۔
''سدرہ..... سدرہ۔''
سدرہ غصے سے اندر چلی گئی۔ ہمایوں نے ہنس کر فاطمہ کی جانب دیکھا تو وہ اپنا رخ پھیر گئی۔

.....☆.....

سیدہ عروج فاطمہ

دل ہی تو ہے

ہم لوگ دل توڑنے میں ماہر ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں شخص بے روزگار ہے پھر بھی جان بوجھ کر پوچھ لیتے ہیں کہ آج کل کیا ہو رہا ہے؟ جس عورت کی اولاد نہ ہو سب کہتے ہیں کوئی خوش خبری ہی سنا دو جیسے یہ سب انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس بھری دنیا میں یہ دل ہی تو ہے جو اپنا ہے۔ صرف ایک بار دغا دے گا اور پھر ہماری کہانی ختم ہو جائے گی۔ پھر کوئی اور ہماری جگہ آ جائے گا۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ آنے والے وقت میں بہت سی تبدیلیاں آئیں گی لیکن دل ٹوٹتے رہیں گے اور تکلیف دہ سوالات پوچھنے والی یہ ریت برقرار رہے گی۔

☆.....☆

ولیمے کے فنکشن کے بعد تمام مہمان چلے گئے تھے۔ تھکن کے باعث آسیہ کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ اس نے جلدی جلدی ناشتا بنایا اور دروازے پر دستک دینے کے بعد ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

''السلام علیکم بھابی، کیسی ہیں؟''

''وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک ہوں اور کل سے تم ناشتہ نہیں بناؤ گی۔''

''کیا ہوا بھابی! مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا؟'' آسیہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''کل سے میں ناشتہ بناؤں گی۔'' تبسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ مجھے لگا شاید آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے۔'' آسیہ نے تبسم کے سامنے ٹرے رکھنے کے بعد سکون کا سانس لیا۔

''تمہارے امتحانات قریب ہیں۔ اب گھر داری کی فکریں مجھے دے دو۔'' تبسم نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی جواد واش روم سے باہر آیا۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' جواد نے چائے کا کپ ہاتھ میں تھامتے ہوئے پوچھا۔

''بھابی کہہ رہی ہیں کل سے گھر کے کام وہ کریں گی۔''

''یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ تبسم! تم نئی نویلی دلہن ہو۔ ابھی سے گھر کے کام کرتی ہوئی اچھی تو نہیں لگو گی۔'' جواد کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''یوں بیڈ پر بیٹھی ہوئی بھی تو اچھی نہیں لگوں گی۔ یہ میرا بھی تو گھر ہے اور ویسے بھی آسیہ کے امتحانات ہونے والے ہیں۔ تعلیم سے زیادہ اہم اور کچھ نہیں۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ خدا نے مجھے آسیہ کے روپ میں اتنی پیاری بہن دے دی ہے۔ آج سے میں اس کی بھابی نہیں بڑی بہن ہوں اور میں اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھوں گی۔''

''تبسم! تم نے تو مجھے لاجواب کر دیا ہے۔ سوری آسیہ! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔'' جواد نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''کوئی بات نہیں بھیا! خدا کو نجانے ہماری کون سی نیکی پسند آ گئی جو ہمیں اتنی اچھی بھابی

دے دی۔'' آسیہ اپنی بھابی کے گلے لگ گئی۔

''تبسم جی، تھوڑی سی مہربانی ہم پر بھی کردیں۔'' جواد کی اس بات پر آسیہ اور تبسم نے قہقہہ لگایا۔

☆.....☆

''فواد! پلیز امی سے بات کرو۔ میں شادی والے دن سرخ نہیں سفید رنگ کا لہنگا پہنوں گی۔'' فروا نے سوپ پینے کے دوران کہا۔

''میں نے تو کبھی سفید رنگ کے لہنگے میں کوئی دلہن نہیں دیکھی۔''

''اس کا مطلب ہے تم میرا ساتھ نہیں دو گے۔'' فروا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ارے یار اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر رویا نہ کرو۔ میں نے کیا کبھی تمہیں تنہا چھوڑا ہے؟ فرض کرو اگر ہمیں بچھڑنا پڑ گیا تو پھر تم کیا کرو گی؟'' فواد نے ٹشو پیپر سے فروا کے آنسو پونچھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں مر جاؤں گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں فواد، میں مر جاؤں گی۔''

''ایسے مت کہو۔ رخصتی کے وقت سفید چادر اوڑھ لینا۔ سفید رنگ پہننے کا شوق پورا ہو جائے گا۔'' فواد نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

''بہت برے ہو تم۔''

''جیسا بھی ہوں تمہارا ہوں۔'' فواد نے فروا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جن میں صرف اور صرف محبت تھی۔

☆.....☆

تبسم کو کبھی احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ سسرال میں رہ رہی ہے۔ ساس اور سسر سمیت سب ہی حد سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ مسرت کی اس چھاؤں تلے سات ماہ گزر گئے۔ تبسم کو اب بچے کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ لوگوں نے بھی پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ جواد کی پھوپھو ثریا بیگم سے ملنے کے لیے جب تبسم ڈرائنگ روم میں گئی تو سلام دعا کے بعد طنزیہ گفتگو کا آغاز ہو گیا۔

''دبلی پتلی لڑکیوں کے ہاں تو بچے بڑی آسانی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ شاید تمہارا ہی دل نہیں چاہتا ہے کہ تم ماں بنو۔'' جواد کی پھوپھو نے چائے میں بسکٹ ڈبوتے ہوئے کہا۔

''بہن! بچے بھی ہو جائیں گے۔ یہ سب تو اللہ کے کام ہیں، ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' فروا کی ساس نوشین بیگم نے اتنا کہنے کے بعد شامی کباب کی پلیٹ ثریا بیگم کے آگے رکھ دی۔ تبسم اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ان کی بات سن کر تبسم کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے زمانے بھر کی کڑواہٹ حلق میں اکٹھی ہو گئی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آنے کے بعد اتنا روئی کہ آنکھیں سوج گئیں۔

☆.....☆

جواد کا چھوٹا بھائی فواد نوکری کے چھوٹ جانے کی وجہ سے افسردہ تھا۔ آج کافی دنوں کے بعد وہ گھر سے باہر نکلا۔ راستے میں خالو صادق صاحب مل گئے۔ دو چار باتوں کے بعد وہی بات پوچھی جو دکھ میں مبتلا کر دیتی تھی۔

''تم کوئی نوکری کیوں نہیں کرتے؟'' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ بہت جگہوں پر سی وی دی ہوئی ہے لیکن ہر بار بے روزگاری کا احساس دلانا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

فواد کو بہت کوششوں کے باوجود نوکری نہ ملی تو ایک ماہ بعد صادق صاحب نے رشتے سے انکار کر دیا اور جلد ہی اپنے دوست کے بیٹے سے فروا کی منگنی بھی کر دی تھی۔ اس دوران فواد نے فروا کی کوئی کال ریسیو نہیں کی۔ خاموشی سے مزید ایک ماہ گزر گیا اور بالآخر فروا کی شادی کا دن قریب آ گیا۔

''کل ہمارے گھر مت آنا اور اگر آؤ تو پلیز میرے سامنے مت آنا۔'' فواد نے فروا کے نمبر سے آنے والے اس میسج کو نم آنکھوں سے پڑھا۔

فروا کو دلہن بنانے کے بعد جب لڑکیاں سیڑھیوں کی جانب لے کر آئیں تو صحن میں فواد کھڑا ہوا تھا۔

''فواد، پلیز امی سے بات کرو۔ میں شادی والے دن سرخ نہیں سفید رنگ کا لہنگا پہنوں گی۔''

فواد کو فروا کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ اس سے مزید ایک لمحہ وہاں رکا نہیں گیا اسی لیے واپس جانے کے لیے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فروا مسلسل اسے ہی تک رہی تھی تو بے دھیانی میں پاؤں مڑ گیا اور وہ سیڑھیوں سے گر گئی۔

فروا کا خون میں لت پت وجود دیکھ کر فواد کی روح کانپ گئی تھی۔ اس نے لپک کر فروا کو بانہوں میں بھرا اور باہر کی جانب دوڑا۔ فروا کے بھائی بھی ساتھ تھے۔ وہ سب اسے فوراً اسپتال لے کر پہنچے۔

بے ہوش فروا آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

''رخصتی کے وقت سفید چادر اوڑھ لینا۔ سفید رنگ پہننے کا شوق پورا ہو جائے گا۔'' اپنی کہی ہوئی بات فواد کی سماعت سے ٹکرائی۔

''واپس آجاؤ فروا تمہارے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔'' فواد کے گال آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔

اگلے دن فروا کو ہوش آیا۔ سب نے سکھ کا سانس لیا۔ ملاقات کا وقت ختم ہونے کو تھا۔ ایک ایک کر کے گھر کے تمام افراد کمرے سے باہر چلے گئے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا۔ فواد کو دیکھتے ہی فروا نے منہ پھیر لیا۔

''یہاں سے چلے جاؤ فواد..... میں نے پہلے بھی پیغام بھیجا تھا کہ میرے سامنے مت آنا۔''

''میرے بغیر رہ لو گی؟'' فواد نے فروا کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے جب سے مجھے چھوڑا ہے تمہارے بغیر ہی تو رہ رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ تم مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر گئے تھے؟ بس ایک بار اتنا ہی کہہ دیتے کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو شاید مجھے صبر آجاتا لیکن تم تو یوں خاموش ہو گئے جیسے میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔'' فروا جو باتیں خود سے کرتی تھی وہ آج فواد کے سامنے کہہ ڈالی تھیں۔

''نوکری ختم ہو جانے کی وجہ سے میں کرب سے گزر رہا تھا۔ خالو نے منگنی ختم کی تو یہ سوچ کر خاموش ہو گیا تھا کہ اب تمہیں خوشیاں نہیں دے سکوں گا۔''

''بہت برے ہو تم۔''

''جیسا بھی ہوں تمہارا ہوں۔'' فواد مسکراتے ہوئے بولا۔

بیماری کے باعث ــــ شادی ٹل گئی تھی اور شاید برے حالات کا وقت بھی ختم ہو گیا تھا۔ فواد کو بہت اچھی جاب مل گئی تو خالو نے بھی فیصلہ بدل لیا اور پھر سے فواد سے رشتہ جوڑ لیا۔

نوکری ملنے کے بعد مایوسی غائب ہو گئی اور بچپن کی منگنی کی جگہ نکاح نے لے لی تھی۔ تبسم کو اللہ نے چاند سا بیٹا دیا تھا لیکن دل توڑنے کی رسم دنیا والے اب بھی نبھا رہے تھے۔ اکثر خواتین کہتی تھیں کہ تمہارا بیٹا اکیلا پن محسوس کرتا ہو گا اس کے بھائی یا بہن کے متعلق کچھ سوچو جب کہ ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکے گی۔

.....☆.....

عائشہ ذوالفقار

تیری محبتوں میں رہنا

''ایک چیز کے چھن جانے سے باقی سب کچھ ختم نہیں ہو جاتا، جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، تمہارے بغیر نہ میں مکمل ہوں نہ یہ اسپتال۔ سمجھیں۔'' اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے ایک بار پھر حال دل سنایا۔

کچھ دیر وہ اس کی باتوں کو سوچتی رہی پھر زخمی دل اور شکستہ وجود کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ میڈیکل اسٹور کا

چکر لگا کر جنرل وارڈ میں آ گئی، ابھی کلینک والے ایک آدھ مریض ہی موجود تھے۔ سرسری سا جائزہ لیتے ہوئے وہ ایک بیڈ کے پاس رک گئی۔ سائیڈ ٹیبل پر سائرہ کا ویڈنگ کارڈ رکھا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے اسے اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔

''Dr saira malik weds to Dr zukhruf malik'' اس کی نگاہیں یکدم ''زخرف ملک'' پر ساکت ہوئی تھیں۔ یکدم ہر منظر اس کی نظروں کے آگے دھندلا گیا۔ زخرف اس لڑکی کا نصیب تھا جسے وہ اپنی سب سے بہترین دوست کہتی تھی اور وہ اسی دوست کے حق پر ڈاکا ڈال رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کی دھڑکن کم ہو رہی ہے۔

''تو وہ سائرہ کا نصیب ہے، میرا نہیں اور اگر سائرہ کو پتا چل گیا تو.....!!'' احساس شرمندگی نے

مکمل ناول

اسے گھیر لیا۔

''زخرف! کیا سوچتا ہوگا کہ میں اپنی دوست کے نصیب کی خوشیاں چھین رہی تھی۔'' اسے ندامت محسوس ہوئی۔

''سائرہ نے بھی بتایا ہی نہیں اور شایان کو پتا چل گیا تو وہ کیا سوچے گا کہ میں اس کی بہن کے ساتھ مخلص نہیں تھی۔'' اسے ڈر لگا۔

''اگر زخرف نے اسے سب بتا دیا تو.....'' یہ سب سوچیں ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہوئیں اور سب سے مضبوط حسد کا احساس تھا۔

''ایسا کیا تھا سائرہ میں جو مجھ میں نہیں تھا۔'' اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا، دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ نیچے کو بیٹھتی چلی گئی۔

''ڈاکٹر ماریہ! کیا ہوا؟'' وارڈ بوائے اور نرس تیزی سے اس کی طرف آئے۔

''ڈاکٹر ماریہ! آنکھیں کھولیں، جلدی جاؤ ڈاکٹر شایان کو بلاؤ، انہیں کہو ڈاکٹر ماریہ بے ہوش ہوگئی ہیں۔'' دو نرسوں نے بمشکل اس کے بے جان وجود کو اٹھا کر بیڈ پر ڈالا، چند سیکنڈ بعد شایان بھاگتا ہوا آیا۔

''کیا ہوا ہے انہیں؟'' وہ تیزی سے اس کی نبض چیک کرتے ہوئے نرس سے بولا۔

''پتا نہیں سر! بس ایک دم بے ہوش ہوگئیں۔'' نرس نے اسے بی پی آپریٹس دیتے ہوئے کہا۔ اس کا بی پی بہت کم تھا، اسے فوری ٹریٹمنٹ دینے کے بعد شایان نے سب سے پہلے اسے پرائیوٹ روم میں شفٹ کیا۔ اس کی رنگت زرد ہوگئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اسے ذرا سا ہوش آیا تو شایان نے زبردستی اسے جوس پلایا اور پھر دوائیں دیں۔ ذرا سی دیر میں وہ پھر سو گئی۔

''آخر ایسا کیا ہوگیا ایک دم.....؟'' سوچتے سوچتے وہ اپنے آفس میں واپس آیا۔ اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔

''یہ کہاں بے ہوش ہوئی تھیں۔'' جنرل وارڈ میں آ کر اس نے نرس سے پوچھا۔

''اسی بیڈ کے قریب۔'' نرس نے بتایا۔

''ڈاکٹر صاحبہ یہ کارڈ دیکھ رہی تھیں۔'' ساتھ والے بیڈ کی مریضہ نے زمین پر پڑے ویڈنگ کارڈ کی طرف اشارہ کیا۔ شایان نے لپک کے اسے اٹھایا۔ ایک دم اس کے ذہن میں ماریہ کی باتیں گونجنے لگیں۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے؟'' ماریہ کی بھیگی ہوئی آواز اس کے ذہن میں گونجی۔ کاش جیسا وہ سوچ رہا ہے ویسا نہ ہو۔

''اگر وہ بچھڑ جائے تو کیسا لگے گا؟'' اپنی ہر سوچ کا گلا دباتا ہوا وہ اپنے آفس میں آیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک ساتھی ڈاکٹر کو ماریہ کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور خود سیدھا اس کے گھر آیا۔ نائلہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

''اب یہاں کیا ہوا؟ ماریہ تو ٹھیک ہے؟''

''جی آنٹی! وہ ٹھیک ہے۔ آج مریض ذرا زیادہ ہیں تو رات اسپتال میں ہی رکے گی۔ اس کا ایک سوٹ اور دوائیں وغیرہ لینے آیا تھا۔'' بمشکل نائلہ کو مطمئن کرتے ہوئے وہ ان کے پیچھے پیچھے ماریہ کے کمرے تک آیا، جب تک انہوں نے کپڑے پیک کیے وہ یوں ہی اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

''یہ لو اور ٹھہرو ذرا، میں اس کے لیے کھانا بھی باندھ دیتی ہوں۔ ورنہ صرف چائے پر گزارا کرے گی۔'' شاپر اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔ وہ یوں ہی دیکھتے ہوئے الماری کی طرف آ گیا۔ کتابیں اور

نوٹس اوپر نیچے کرتے ہوئے اچانک کاغذوں کا ایک پلندا نیچے گرا۔ شایان انہیں اٹھانے کے لیے جھکا تو کئی لمحے سیدھا نہ ہو سکا۔ اس کا شک درست تھا، ہر کاغذ پر صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا، بمشکل انہیں واپس رکھتے ہوئے اس کی نظر سفید رنگ کی ڈائری پر پڑی۔

''میں نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر میں ایک شخص کے لیے اس قدر پاگل ہو جاؤں گی۔'' ڈائری کے پہلے صفحے پر لکھے وہ الفاظ ماریہ کی لکھائی میں ہی تھے۔

24 فروری 2017ء۔

''میں نے آج پہلی بار اس کا نام سنا، مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ بس وہ نام ہی ذہن سے نہیں نکل رہا۔''

14 اپریل 2017ء۔

''جب میرے سامنے کوئی اس کا نام لیتا ہے تو میری دھڑکنیں جیسے گنگنانے لگتی ہیں، مجھے لگتا ہے جیسے ہر طرف تتلیاں اڑ رہی ہوں۔''

20 مئی 2017ء۔

''اگر میں نے اپنی زندگی میں کوئی بہترین کام کیا ہے تو وہ اس وقت..... جب اپنا دل تمہیں دے دیا ''زخرف ملک۔''

7 جون 2017ء۔

''آج میں نے اسے پہلی بار دیکھا، سورج کی کرنیں بھی اتنی روشن نہیں ہوتیں، شام کا منظر بھی اتنا سنہرا نہیں ہوتا، چودھویں کا چاند بھی اتنا خوب صورت نہیں ہوتا، اماوس کی رات کا سمندر بھی اتنا پرسکون نہیں ہوتا، جتنا روشن، جتنا سنہرا، جتنا حسین اور جتنا پرسکون وہ تھا۔''

11 جولائی 2017ء۔

''میرے دل میں رہتا ہے وہ بڑے حق سے، بڑے غرور سے اور میں..... منع بھی نہیں کر پاتی۔''

12 اگست 2017ء۔

''میں جب بھی اپنے اوپر نچھاور خدا کی رحمتیں گنتی ہوں تو اسے دو دفعہ گنتی ہوں..... پھر دس دفعہ، پھر سو دفعہ پھر ہزار دفعہ اور پھر بھی مجھے لگتا ہے کہ کم ہے۔''

8 اکتوبر 2017ء۔

''آج میں پہلی بار اس سے ملی، اس کا ہر لفظ میرے دل میں اتر رہا تھا۔ اس سے مل کے واپس آئی تو دل پہلو میں نہیں تھا۔ ڈاکٹر زخرف ملک کی کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی آستینوں میں ہی رہ گیا تھا۔ جھکی نظروں کے ساتھ دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں ہی رہ گیا تھا۔ گرے شرٹ کے کھڑے ہوئے کالر میں ہی رہ گیا تھا۔

20 نومبر 2018ء۔

جنہیں ہم کہہ نہیں سکتے، جنہیں تم سن نہیں سکتے
وہی باتیں ہیں کہنے کی، وہی باتیں ہیں سننے کی
کاش میں تم سے کبھی تو کہہ سکوں۔
کہ تمہارے بغیر ادھوری ہوں

10 جنوری 2019ء۔

''آج کہہ دیا اس سے حال دل، اٹکتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے، بکھرتے ہوئے، سمٹتے ہوئے، لرزتی پلکوں اور کانپتے لبوں سے التجا بھی کر دی۔

''آپ کے برابر میں چلنا چاہتی ہوں؟ ساری عمر۔'' اور اس نے کیا کہا تھا بھلا۔ (ناممکن.....)

12 مارچ 2019ء۔

''وہ کسی اور سے پیار کرتا ہے۔ اس کی فیملی، برادری سے باہر شادیاں نہیں کرتی، وہ مجھ سے چھ سال بڑا ہے، یہ سب اس کی مجبوریاں ہیں لیکن..... کوئی مجھے بتائے کہ میں کیا کروں؟ میں کیسے جیوں؟''

20 مئی 2019ء۔

''ایک دن میں نے خود کو بنا کسی وجہ کے مسکراتے ہوئے پکڑ لیا۔ غور کرنے پر پتا چلا، میں تب زخرف کے بارے میں سوچ رہی تھی، وہ میرے ہنسنے کی ایک وجہ ہے جب کوئی وجہ نہیں ہوتی۔''

11 جون 2019ء۔

''نہیں صبر ہو رہا مجھ سے آج پھر اصرار کیا ہے اس سے بہت منتیں کیں، بہت واسطے دیے لیکن..... وہ مسکراتا نہیں ہے مگر اپناتا بھی نہیں ہے، بہت عزت کرتا ہے لیکن عزت بناتا نہیں ہے۔''

21 اگست 2019ء۔

''میں صرف تم سے محبت کروں گی زخرف! تب تک جب تک آسمان ستاروں سے خالی نہیں ہو جاتا اور سمندر اپنی گہرائیوں میں خشک نہیں ہو جاتا، دوسرے لفظوں میں جب تک میں مر نہیں جاتی۔''

10 جولائی 2019ء۔

''آج پھر عدعا بیان کیا ہے، گزارش کی ہے لیکن وہ جیت گیا ہے، ہر بار کی طرح آج بھی خالی ہاتھ چھوڑ گیا ہے۔''

2 ستمبر 2019ء۔

''سب کہتے ہیں میں بہت مضبوط ہوں۔ تکلیفوں اور پریشانیوں کا بہت ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہوں لیکن..... کبھی کبھی کسی لمحے میرا شدت سے دل کرتا ہے کہ وہ میرا ہاتھ تھام کر ہولے سے کہے۔ ''پریشان نہیں ہونا..... میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

9 اکتوبر 2019ء۔

''میری سب سے بڑی غلطی تھی اس سے پیار کرنا اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ سمجھ لینا کہ وہ بھی مجھ سے پیار کرے گا، دونوں ہی نہیں سدھر سکتیں۔''

18 دسمبر 2019ء۔

''میں نے یہ زندگی نہیں چنی، میں نے زخرف کو چنا ہے زندگی تو بس اس ڈیل کا ایک حصہ ہے۔''

4 جنوری 2020ء۔

''ایک اور سال گزر گیا۔ اس کی چاہتوں میں اس کی مسکراہٹوں میں، اس کے پیار میں پاگل ہوتے، اس کی یاد میں نہال ہوتے، اس کے خوابوں میں زندہ رہتے..... اور ایک اور سال آ گیا اس سے التجائیں کرنے کے لیے، اسے منانے کے لیے اب اس کے بنا جینا ہی نہیں ہے۔ اب اس کے بنا رہنا ہی نہیں ہے۔''

6 فروری 2020ء۔

''لوگ کہتے ہیں کہ پیار صرف ایک بار ہوتا ہے، غلط کہتے ہیں میں اسے جتنی بار دیکھوں اتنی بار ہی پیار ہوتا ہے۔''
3 فروری 2020ء۔

''نہ جانے کس امید پر آج پھر پوچھا ہے اس سے کہ اس کی زندگی میں ذرا سی جگہ مل سکتی ہے، بہت محبت سے اس نے ''نہیں'' کہہ دیا ہے۔''

اس سے آگے ڈائری کے صفحے خالی تھے۔ آج 14 فروری تھی۔ زخرف سے اس کی آخری بات کل شام ہوئی تھی۔ آج رات اس کی برأت تھی۔

''یہ لو بیٹے! یہ بھی لے جاؤ اور اسے کہنا یاد سے پہلے کھانا کھالے۔ صبح بھی چائے کا صرف ایک کپ پی کر نکل گئی تھی۔'' نائلہ کی آواز پر اس نے فوراً ڈائری بند کردی۔

غائب دماغی سے اس نے نائلہ کے ہاتھ سے شاپر پکڑا اور باہر آ گیا۔ صدمے سے زیادہ پریشان ہوتے ذہن اور شل ہوتے اعصاب کے ساتھ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

''یہ تم کیا کر بیٹھیں ماریہ! کس رستے پر چل پڑیں۔ ایک بار مجھ سے کہتیں تو سہی، ایک دفعہ بتاتی تو سہی کہ کیا کرنے جا رہی ہو، پھر چاہے تمہیں رلانا ہی پڑتا لیکن میں تمہیں آغاز میں ہی روک لیتا۔''

بڑی مشکل سے اس نے گاڑی کنٹرول میں کی ہوئی تھی۔ اس کا اپنا دل خون ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں اس رستے پر چلنے ہی نہ دیتا۔ کاش تم نے مجھے بتایا ہوتا۔'' شایان کا دکھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ماریہ کی ڈائری سے صاف ظاہر تھا کہ اسے سائرہ اور زخرف کے رشتے کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا اور یہ بھی کہ اسے نہ تو سائرہ نے کچھ بتایا تھا اور نہ ہی زخرف نے۔ اسے زخرف پر شدید غصہ آیا۔ اسے ماریہ کو آغاز میں ہی اپنے اور سائرہ کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا۔

''سراب کے پیچھے تھیں تم ماریہ! کسی طور نہیں مل سکتا تھا وہ تمہیں، اس لیے نہیں کہ وہ میری بہن کا نصیب ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے اپنی دعاؤں اور کوششوں سے سائرہ کو اپنا نصیب بنایا ہے پھر تمہاری دعائیں کیسے قبول ہو جاتیں۔'' اسے رہ رہ کے ماریہ کی حد سے زیادہ نازک حالت پر دکھ ہو رہا تھا۔

''یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، یہ بالکل بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ یہ ہی سوچ رہا تھا جب اس کا سیل بجا، اسپتال سے فون تھا، اس نے فوراً کان سے لگایا۔

''سر پلیز آپ جلدی اسپتال آئیں۔ ڈاکٹر ماریہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔'' نرس کی پریشان آواز نے اس کے ہوش اڑا دیے۔

''کہاں چلی گئیں وہ؟'' اس نے پریشانی اور غصے سے پوچھا۔

''سر! میں آدھے گھنٹے پہلے انہیں دیکھنے گئی تو وہ اپنے کمرے میں ہی تھیں لیکن اب جب میں اور ڈاکٹر وسیم انہیں دیکھنے کے لیے گئے تو ان کا بستر خالی تھا۔ پورا اسپتال چھان مارا ہے، وہ کہیں نہیں ہیں۔'' نرس بتا رہی تھی اور اس کے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔

''اگر اسے کچھ ہو گیا تو؟'' اس سے آگے اس کی سوچ ختم تھی۔ رش ڈرائیونگ کرتے وہ اسپتال آیا۔

''میں کہہ کے بھی گیا تھا کہ اس کا خیال رکھنا۔'' وہ بری طرح وسیم پر برس پڑا۔

''سوری شایان! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حالت میں کہیں چلی جائیں گی۔'' وسیم شرمندگی سے بولا۔

''چوکیدار کو پتا نہیں ہے کہ وہ باہر نکلی ہیں یا نہیں، مریضوں کے آنے جانے کی وجہ سے اسے پتا نہیں چل

سکا۔'' نرس نے اور اس کی پریشانی میں اضافہ کیا۔
''کہاں جاسکتی ہے؟'' سوچ سوچ کے اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ آخری دفعہ اس نے کارڈ دیکھا تھا، یعنی اسے کارڈ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ زخرف اور سائرہ کمیٹڈ تھے۔
''کہیں سائرہ سے ملنے تو نہیں گئی؟'' یہ سوچتے ہوئے اس نے سائرہ کا نمبر ملایا۔ رات کے دس بجنے والے تھے۔
''آپ کہاں ہیں ابھی تک جناب عالی! ایسے ہوتے ہیں بھائی؟'' کال ریسیو کرتے ہی وہ اس پر چڑھ دوڑی۔
''میں بس آرہا ہوں، برأت تو نہیں آئی نا ابھی؟'' اس نے حتی الامکان لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔
''نہیں بس آنے ہی والی ہے، جلدی آئیں آپ اور وہ بدتمیز، بے وفا ڈاکٹرنی بھی نہیں آئی ابھی تک۔ اسپتال میں تو نہیں بیٹھی ہوئی؟'' اس کے پوچھنے سے پہلے ہی سائرہ بول پڑی۔
''اچھا ماریہ آئی نہیں ابھی تک۔'' اس نے مزید کنفرم کیا۔
''نہیں جی، وہ محترمہ دوستی کے نام پر دھبہ ہیں اور کچھ نہیں، کئی دفعہ کال کر چکی ہوں لیکن اٹھا ہی نہیں رہی۔'' سائرہ کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ماریہ اس کی طرف نہیں گئی۔ اس کا سیل بھی اسپتال میں ہی پڑا تھا۔ سائرہ کو آنے کی مکمل یقین دہانی کرواتے ہوئے اس نے کال ڈس کنیکٹ کی اور باہر کی طرف دوڑا۔ ایک ہی جگہ باقی بچی تھی جہاں وہ جاسکتی تھی۔

☆.....☆

''زخرف بھائی کہاں ہیں؟'' کنزیٰ کے چھوٹے بھائی نے آکر ناعمہ کا زور سے کندھا ہلایا۔
''مجھے نہیں پتا شاید اوپر ہو۔ کیوں تم نے کیا کہنا ہے اس سے؟'' ناعمہ خود کئی کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔
''ان سے کوئی محترمہ ملنے آئی ہیں۔'' وہ یہ کہتا اوپر بھاگ گیا۔ ناعمہ حیرانی سے اسے اوپر جاتا دیکھتا کر رہ گئی۔ شعیب ملک اور بہت سارے رشتہ داروں کے نرغے میں وہ اسے نظر آہی گیا۔
''زخرف بھائی! آپ سے ملنے کوئی لڑکی آئی ہے۔ نیچے صائمہ آپی کے کمرے میں بیٹھی ہیں۔'' وہ اسے اطلاع دے کر چلا گیا۔ زخرف معذرت کرتا ہوا تیزی سے نیچے آیا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ وہی تھی۔ ملگجا سا حلیہ، پیلی زرد رنگت، لرزتے ہوئے لب، کانپتی ہوئی انگلیاں، کندھوں اور سر سے چادر لپٹے وہ وہی تھی۔ اس کی مریضہ، اس کی دیوانی۔
''میں اب آپ کو کیا کہوں؟'' وہ بے بسی سے کہتا ہوا اس کے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے دروازہ احتیاطاً اندر سے بند کر دیا۔
''میں آج آپ سے ضد کرنے نہیں آئی، آپ کو اپنی اذیتوں کا حال سنانے بھی نہیں آئی۔ آپ کو تنگ کرنے یا آپ کی مشکلات میں مزید اضافہ کرنے بھی نہیں آئی۔ میں صرف آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں حالانکہ یہ معافی مجھے آپ کی ہونے والی بیوی سے مانگنی چاہیے۔''
زخرف نے حیران ہوتے ہوئے اس کے گیلے ہوتے چہرے کو دیکھا۔
''لیکن میں بہت بزدل ہوں۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس مخلص اور شفاف لڑکی سے جا کر کہوں کہ میں کئی سالوں سے تمہارے پیار پر اپنا حق جتائے جانے کی مجرم ہوں۔ تمہارے پیار کو چھین لینے کی بھرپور کوششیں کی ہیں میں نے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اس کے سامنے جا کر کہنے کی ہمت نہیں ہے اسی لیے

آپ کے پاس آئی ہوں پلیز مجھے معاف کردیں حالانکہ..... مجھے پتا ہی نہیں تھا۔'' اس نے اپنے لرزتے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔

زخرف دنگ رہ گیا۔

''مجھے آپ کی قسم ہے زخرف! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ اس کے ہیں، نہ اس نے مجھے بتایا، نہ آپ نے۔ کاش آپ مجھے شروع میں ہی روک دیتے۔ جب پہلی بار حالِ دل سنایا تھا، تبھی بتا دیتے کہ آپ میری بہترین دوست کا نصیب ہیں۔ خدا کی قسم میں اپنے عشق میں مرجاتی لیکن آپ سے اس کے بعد کچھ نہ کہتی۔'' وہ زار و زار رو رہی تھی اور زخرف اس وفا کی دیوی کو تکے جا رہا تھا جو کسی جرم کے نہ کرنے کے باوجود خود کو مجرم گردان رہی تھی۔

''خدا کی قسم میں نہیں جانتی تھی کہ سائرہ آپ سے پیار کرتی ہے۔ آپ سے محبت کرتے ہوئے، آپ کے خواب دیکھتے ہوئے، آپ کو یاد کرتے ہوئے، آپ کے لیے روتے ہوئے، آپ کو مانگنے کی دعائیں کرتے ہوئے مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اس کے حق پر ڈاکا ڈال رہی ہوں۔ مجھے تب بھی نہیں پتا تھا جب آپ سے عشق ہوا، اس کے بعد کسی موقع پر بھی نہیں پتا چلا اس وقت بھی نہیں کہ جب آپ سے بار بار اصرار کیا۔ مجھے کل رات بھی نہیں پتا تھا زخرف کہ آپ اس کے ہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے اس کے پاس نیچے فرش پر آ بیٹھی۔ دوپٹا سر سے اتر کے کندھوں پر ڈھلک گیا تھا۔ بکھرے بال اور بہتے آنسو، جڑے ہاتھوں سے دوستی اور محبت دونوں کو سرخرو کرنے کی درخواست کر رہی تھی۔

میں نے چند گھنٹے پہلے دیکھا ہے ویڈنگ کارڈ، خدا کی قسم مجھے کچھ دیر پہلے ہی پتا چلا کہ آپ میرے کیوں نہیں ہو سکے، کیونکہ آپ اس کے تھے جو مجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔''

زخرف نے ہولے سے اس کے جڑے ہاتھوں کے گرد اپنے دونوں ہاتھوں کا ہالہ بنایا۔

''مجھے میری بے کراں چاہت کی قسم، آج کے بعد آپ میرا نام بھی نہیں سنیں گے۔ میں کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی، آپ کو نہ چاہنا میرے دل کے اختیار میں نہیں ہے، آپ کو نہ دیکھنا میری آنکھوں کے اختیار میں نہیں ہے، میرے ذہن کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ کو نہ سوچے، میری نیندوں اور خوابوں کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ کو نہ دیکھیں لیکن..... پھر بھی زخرف میں پوری کوشش کروں گی کہ جو میرے اختیار میں ہے وہ ضرور کروں۔'' ہچکیوں سے اس کا پورا وجود ڈول رہا تھا۔ لبوں سے نکلنے والے الفاظ ٹوٹنے لگے تھے۔

''پروردگار کے آگے ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے وقت آپ کو نہ مانگنا میرے اختیار میں نہیں ہوگا لیکن میں پھر بھی چاہوں گی کہ میری وہ دعا قبول نہ ہو، اپنے خوابوں میں آپ کے سنگت نہ چلنا میرے اختیار میں نہیں ہوگا لیکن میں پھر بھی چاہوں گی کہ میرے وہ خواب بھی پورے نہ ہوں۔'' زخرف نے بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے اس کے شکستہ وجود کو اپنے سینے کا سہارا دیا۔ اس کے نازک کندھوں کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھا۔ ماریہ کی لگاتار برستی آنکھیں لمحوں میں اس کی شرٹ بھگو گئیں۔

''مجھے آپ کی محبت میں پاگل ہوتے ایک ایک لمحے کی قسم ہے زخرف کہ میری طرح آپ کو بھی کوئی نہیں چاہے گا لیکن میں پھر بھی چاہوں گی کہ سائرہ آپ کو مجھ سے زیادہ محبت دے۔ میں اپنے وجود کے لاکھوں، کروڑوں ٹکڑے بھی کردوں تو بھی آپ کو بھلا نہیں پاؤں گی لیکن.....!!'' اس کی آنکھیں بند ہوئیں۔ ''میں نے آج سے آپ کو بھلا دیا زخرف۔''

''میں نے کبھی نہیں چاہا ڈاکٹر ماریہ کہ میری زندگی میں کبھی ''کاش'' کا لفظ آئے لیکن..... کاش تم مجھے پہلے ملی ہوتیں یا کاش تم مجھے نہ ملی ہوتیں۔ کاش میں تمہیں کبھی بھلا سکوں۔''

بڑی ہمت کر کے وہ اس سے دور ہوئی تھی۔ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے تک آئی، دوپٹہ سر سے لپیٹا اور باہر نکل گئی۔ ناعمہ نے اسے بڑی حیرانی سے دیکھا۔ تیزی سے چلتی ہوئی وہ باہر آ گئی۔

ہر چیز کنٹرول سے باہر ہو رہی تھی۔

محبت، درد، دکھ، ندامت، ہر چیز۔ اور دل بے چارہ کہاں تک سہے، بیرونی دروازے سے ذرا دور آتے آتے دل کی برداشت جواب دے گئی اور وہ شایان کی گاڑی کے عین سامنے سڑک پر گر گئی۔

''ماریہ میری جان! یہ کیا کر دیا تم نے۔'' تڑپ کے اس نے ماریہ کے بے جان وجود کو گاڑی میں ڈالا۔

''شایان.....! مجھے معاف کر دینا۔'' کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

شایان دیوانہ وار گاڑی چلاتے ہوئے اسے لے کر اسپتال کی طرف بھاگا۔

☆.....☆

وہ اسپتال کے سبھی ڈاکٹرز کو جانتا تھا۔ ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر عاصم کے ہمراہ اسے آئی سی یو میں لے گیا۔

ماریہ مسلسل تکلیف کے عالم میں اپنے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

''شایان بہتر ہوگا تم ڈاکٹر ولید سے مل لو۔ ان کی حالت بہت نازک ہے، ہو سکتا ہے میں غلطی پر ہوں لیکن..... علامات ہارٹ اٹیک کی ہیں۔ میں ابھی انہی کے پاس سے آیا ہوں، وہ زخرف کی طرف جانے لگے تھے۔'' عاصم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

انتہائی پریشانی کے عالم میں وہ ڈاکٹر ولید کے آفس کی طرف بھاگا لیکن وہ اسے راستے میں ہی مل گئے۔

''کیا بات ہے شایان! کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ اتنی پریشانی میں کسے ڈھونڈ رہے ہو؟'' انہوں نے ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں تو بے ساختہ کہا۔

''آپ کو ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ ڈاکٹر ماریہ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے شاید۔ وہ ایمرجنسی روم میں ہیں۔'' اس سے پہلے کہ ڈاکٹر ولید کچھ کہتے، ایمرجنسی وارڈ کی نرس دوڑتی ہوئی آئی۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ کو ڈاکٹر عاصم بلا رہے ہیں۔ ان کی مریضہ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' وہ اور ڈاکٹر ولید بھاگتے ہوئے ایمرجنسی وارڈ میں آئے۔

''بہت سیریس حالت ہے۔'' ڈاکٹر عاصم اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر ولید فوراً اس کی طرف آئے، شایان باہر ہی رک گیا۔ نائلہ کو اطلاع دینے کے غرض سے اس نے ان کا نمبر ملایا۔

''آنٹی آپ کہاں ہیں اس وقت؟'' ان کے پیچھے کافی شور تھا۔

''بیٹا! میں گاؤں آئی ہوئی ہوں۔ شام سے بچوں نے ضد لگا رکھی تھی کہ گاؤں جانا ہے۔ کل اتوار تھا اس لیے آ گئی، خیریت تو ہے؟''

ان کی بات سن کے اس کا دل عجیب سا ہو گیا۔ اتوار کا پورا دن ماریہ بے چاری گھر میں اکیلی کیا کرے گی؟ انہوں نے ذرا نہ سوچا۔

''جی آنٹی! خیریت ہے، ماریہ کو گھر آنا تھا اس لیے پوچھا۔ اس کا سیل بند ہو گیا تھا۔'' بے دلی سے کہتے

ہوئے اس نے کال ڈس کنیکٹ کی۔ تھوڑی دیر بعد حفصہ کی کال آ گئی، انہیں بمشکل سمجھا بجھا کے راضی کیا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد ڈاکٹر ولید باہر آئے۔

''ہارٹ اٹیک ہی ہے۔'' وہ خود بھی پریشان تھے۔ ''ڈپریشن اتنا شدید تھا کہ برین ہیمرج بھی ہو سکتا تھا۔ ہوا کیا تھا آخر؟'' انہوں نے پوچھا۔ اب وہ کیا بتاتا کہ کیا نہیں ہوا۔

''پتا نہیں، شاید تھکن اور بے آرامی سے۔'' اس کی بات پر وہ سر ہلا گئے۔

''اب خطرے سے تو باہر ہیں، تھوڑی دیر تک ہوش آ جائے گا۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

شایان صبح پانچ بجے تک وہیں رکا رہا۔ سائرہ کی رخصتی میں بھی شامل نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر ولید تھوڑی دیر کے لیے زخرف کی برأت میں شامل ہوئے پھر واپس آ گئے۔ صبح تقریباً ساڑھے چھ بجے اسے ہوش آیا۔

☆.....☆

آخر کار آج وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا تھا۔ باپ نے گلے سے لگایا، ماں نے محبت سے ماتھا چوما، بہنوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ پھپھو نے بھی معاف کر دیا تھا اور تو اور آج صرف اس کی وجہ سے اتنے عرصے بعد دونوں بھائی گلے لگے تھے۔ شعیب ملک نے ان کے آنسوؤں سے پگھل کر انہیں معاف کر ہی دیا تھا۔ اسماء ملک پورے خلوص اور محبت سے سائرہ کو بہو بنا کر لے گئی تھیں۔ سرخ گلابوں کے نرغے میں قید سائرہ ملک کے سامنے آ کر بیٹھا تو وہ بہت پرسکون تھا۔ رشتے بھی سرخرو ہو گئے تھے اور محبت بھی۔ کیا واقعی تم نے محبت بھی سرخرو کر دی؟ دل کے کسی کونے سے آواز آئی تھی جسے اس نے سختی سے دبا دیا۔

''اب تو اجازت ہے ناں؟'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

''اجازتیں ہی لینی تھیں تو شادی کیوں کی۔'' سائرہ کی مسکراتی آواز پر اس نے پورے حق سے اسے گلے لگا لیا۔

''کوشش کروں گا کہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں۔ میری وجہ سے تمہاری آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آئیں۔'' وہ اس کے خوب صورت چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میری وفاؤں میں کبھی کوئی کمی نہیں دیکھو گے تم۔ ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔'' اپنے بازوؤں کو اس کے گلے کا ہار بناتے ہوئے اس نے وعدہ کیا۔ بس پھر وہ تھی اور زخرف کی بے کراں چاہتیں جو وہ اس پر لٹاتا چلا گیا۔ دل کے کسی کونے میں ماریہ خان کی روتی بلکتی محبت بالکل ہی دم توڑ گئی۔

☆.....☆

تقریباً آٹھ بجے کے قریب ڈاکٹر ولید، ڈاکٹر عاصم اور دو نرسوں کے ہمراہ اسے دوبارہ دیکھنے آئے تھے۔ وہ اس وقت پوری طرح ہوش و حواس میں تھی۔

''اب کیسا محسوس کر رہی ہو ینگ لیڈی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''زندہ ہوں، بس یہ ہی احساس کافی ہے۔'' اس نے ہولے سے کہا۔ ڈاکٹر ولید اس کی اتنی گہری بات پر کئی لمحے بول نہ سکے۔

''مجھے کب تک یہاں رہنا پڑے گا؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''کیوں.....؟ میرا پچیس سالوں کی انتھک محنت سے تیار کیا گیا اتنا شاندار اسپتال 'رائزنگ اسٹار' (ابھرتا ستارہ) کو ایک دن بھی رکنے کے قابل نہیں سمجھتیں؟'' ڈاکٹر ولید کی بات پر شایان کھل کے ہنسا۔

''فرض کریں آپ میری جگہ ہوتے تو کسے ترجیح دیتے؟ کسی اور کے شاندار اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کے انتہائی پرسکون آئی سی یو کو یا اپنے چند دن پہلے کے بنائے ایک عام سے اسپتال کے جنرل وارڈ کو۔''

''اپنے عام سے اسپتال کے جنرل وارڈ کو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شام تک رک جائیں پھر ڈسچارج کردیں گے لیکن انہیں یہاں سے سیدھا ان کے اسپتال ہی لے کر جانا..... گھر نہ لے جانا۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں ہفتے سے پہلے نہ جانے دیتا۔'' وہ شایان کو ہدایات دیتے ہوئے بولے۔ ماریہ انہیں دیکھتی رہ گئی، بتا نہ سکی کہ میں آپ کا ہی خون ہوں۔

''امی کو تو نہیں بتایا۔'' ان کے جانے کے بعد اس نے شایان سے پوچھا۔

''نہیں، میں نے سوچا زیادہ پریشان ہوجائیں گی۔'' وہ بولا۔

''اچھا کیا نہیں بتایا، میری بیماری کا سن کر وہ خود بیمار ہوجاتی ہیں۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

شایان چپ رہا۔

''شایان.....!'' کچھ دیر بعد اس نے ہولے سے پکارا۔

''بولو.....!'' وہ اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''شکریہ، میری جان بچانے کے لیے۔''

''اس قسم کی بکواس کے جواب میں اب کیا کہوں میں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''اگر کچھ پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ لیں۔'' اس نے دوبارہ کہا۔

''نہیں، کچھ نہیں پوچھنا، ہاں کہنا ضرور ہے۔'' شایان غور سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کہا کہنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ پھر کبھی دوبارہ میں تمہیں اپنی گاڑی میں ڈال کر یہاں لاؤں پلیز۔'' شایان کی بات پر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ دل خاموش تھا، بالکل خاموش۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی طوفان آکر گزر گیا ہے۔

''اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوجاؤ، مجھے میری ڈاکٹر ماریہ خان واپس چاہیے۔''

ماریہ کی آنکھیں بھیگ ہوگئیں۔

''بہت کچھ ہوتا ہے زندگی میں جو حاصل نہیں ہو پاتا، جو آسانی سے نہیں ملتا لیکن المیہ ہی یہ ہے کہ وہی چاہیے ہوتا ہے جو آسانی سے نہیں ملتا، کوششوں کے باوجود بھی.....!!! اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب بھلا دیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی خاطر باقی سب کچھ بھول جائیں، آخر کو وہ ہماری زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے جو یوں ہی نہیں بھلایا جاتا تو پھر؟ پھر کیا کیا جائے۔ پھر سب سے بہتر یہ ہوتا ہے اس تکلیف دہ ماضی کو اپنی ٹیبل کی سب سے نیچے والی دراز میں رکھ کر لاک لگا دیا جائے اور اسے حاصل کرنے کی کوششیں کی جائیں جو تمہارے نصیب میں ہو، جو محبت کرنے پر اور دعا مانگنے پر آسانی سے مل جائے۔'' وہ اسے دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا۔

''میں آج تک تمہارے بغیر کچھ نہیں کر پایا ماریہ! آئندہ بھی نہیں کر پاؤں گا، مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔'' وہ بھرپور سچائی سے کہہ رہا تھا۔

ماریہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ شام تک وہ اس کے ساتھ وہیں رکا رہا کہ مبادا وہ پھر کہیں خود چلی جائے۔ اسپتال سے ڈسچارج کروا کے وہ اسے سیدھا گھر لے آیا۔

''دیکھو! اب میری بات دھیان سے سنو، میڈیسن لے کر چپ چاپ اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ، خبردار جو

اِدھر اُدھر کی فضول باتیں سوچنے کی کوشش کی تو.....!! اور ہاں پلیز میری التجا ہے تم سے کہ یہیں رہنا، کہیں مت جانا، میں تین چار گھنٹوں تک آجاؤں گا۔'' وہ اسے دوائیں کھلاتا ہوا نصیحتیں کرتا جا رہا تھا۔

حفصہ کا کئی دفعہ فون آچکا تھا۔ اسے ان کے ساتھ ولیمے میں جانا تھا۔ اسے اپنے سامنے بستر میں لٹا کے ایک بار پھر کہیں نہ جانے کی تاکید کر کے وہ باہر نکل آیا۔ پھر اس نے نائلہ کا نمبر ملایا۔ وہ بند تھا۔ اس کا دل عجیب سا ہو گیا، یعنی وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ اس نے چپ چاپ موبائل بند کر دیا۔

''سائرہ ڈیئر! مجھے معاف کر دینا یار، تمہاری خوشیوں اور مسکراہٹوں پر نہ پہلے میرا کوئی حق تھا اور نہ ہی آئندہ آنے والی زندگی میں بھی ہوگا۔ تم اپنی خوشیوں میں ہمیشہ بہت خوش رہو۔''

''زخرف ملک..... مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ کی خوشیوں پر بھی میرا کوئی حق نہیں ہے، وعدہ کرتی ہوں آئندہ کبھی اپنا بے جا حق نہیں جتاؤں گی۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔''

''شایان..... مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہیں بہت پریشان کرتی ہوں۔ آئندہ نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔''

''ڈاکٹر ولید خان..... بابا! آپ جیسا بننا ہے اور ضرور بننا ہے اس کے بعد ہی آپ سے ملنا ہے۔ ان شاء اللہ۔''

''امی! جب مجھے آپ کی ضرورت ہوتی ہے آپ میرے پاس نہیں ہوتیں۔'' کروٹ لیے، آنکھیں موندے وہ خود سے عہد کرتی جا رہی تھی۔ دعائیں کرتی جا رہی تھی۔ معافیاں مانگتی جا رہی تھی۔ پرانے صفحے بند کرتی جا رہی تھی اور نئے صفحے لکھنے کی تیاری کرتی جا رہی تھی۔

☆.....☆

اسے دیکھتے ہی سائرہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''اب کیوں آئے ہیں آپ؟ اب بھی نہ آتے۔'' وہ بے چارہ صفائیاں دیتے دیتے ہار گیا۔

''اچھا بس کرو، اب آ تو گیا ہے۔'' حفصہ نے بمشکل اس کی جان چھڑوائی، وہ آنکھوں میں پانی بھرتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

''ہمیشہ بہت خوش رہو۔'' اس نے بہت محبت سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اور پھر اس کے برابر میں بیٹھے زخرف کی طرف مڑ گیا۔

''بہت مبارک ہو۔'' وہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولا۔

اس کا اور زخرف کا رشتہ ہمیشہ سے ہی بہت عجیب رہا تھا، وہ دونوں بہت اچھے دوست کبھی بھی نہیں رہے تھے، دشمن بھی نہیں تھے۔ بظاہر دنیا کی نظروں میں وہ دونوں فرسٹ کزنز تھے لیکن اس رشتے کو شاید دونوں ہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ شروع سے ہی دونوں کے درمیان ایک فاصلہ تھا۔ زخرف ہمیشہ اس سے ایک قدم آگے رہتا تھا۔ اس کی وجہ شایان کی ہمیشہ ایک قدم پیچھے رہنے والی عادت تھی۔ زخرف کی ذہانت نہیں، مقابلے کی عادت اس میں شروع سے ہی نہیں تھی۔ خود بخود پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ اب بھی اگر ماریہ اس کے ساتھ نہ ہوتی تو وہ اپنا کلینک ہی چلا رہا ہوتا۔

لیکن جو بھی تھا، زخرف اگر ہمیشہ اس سے ہنس کے ملتا تھا تو وہ بھی جواباً اسے جھک کر گلے لگاتا تھا۔

''دیکھ لیں، ماریہ نہیں آئی، اپنی ضد کی پکی ہے یہ لڑکی۔'' سائرہ نے لگے ہاتھوں ماریہ کا شکوہ بھی کر دیا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ابھی بھی اسپتال میں ہے۔'' اس نے حتی الامکان زخرف کے چہرے کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' سائرہ ایک دم پریشان ہوگئی۔

''کچھ نہیں بس تھکن سے بیمار ہوگئی ہے، ریسٹ کرے گی تو ٹھیک ہوجائے گی۔'' اس نے ماریہ کے ہارٹ اٹیک کے بارے میں نہ بتانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ کچھ دیر سائرہ کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر اٹھ گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکے وہ سیدھا اسپتال آیا۔ ماریہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک ہفتے میں اس کی طبیعت کافی بہتر ہوگئی۔ نائلہ کی متوقع پریشانی کے زیر نظر اس نے انہیں اپنے ہارٹ اٹیک کے متعلق کچھ نہ بتایا۔ اس کی مکمل صحت یابی تک اس نے باقی ماندہ کام خود مکمل کیے اور چند ماہ بعد اپنے اسپتال کا افتتاح کردیا۔

شروعات میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت مشکل ہوتا ہے ایک نئے ڈاکٹر کے لیے لوگوں کا اعتماد جیتنا، ایسے ہی لوگ کسی انجانے ہاتھ میں اپنی جانیں نہیں تھما دیتے، بے شک اسے شایان کے ساتھ کلینک چلاتے دو سال ہوگئے تھے لیکن ابھی بھی لوگوں کے لبوں پر بس دو ہی نام ہوتے تھے۔ ڈاکٹر ولید خان اور ڈاکٹر زخرف۔

بہت محنت کرنا پڑی، دن رات ایک کردیا۔ صدف کو بھی صدیاں لگ جاتی ہیں گھر بنتے بنتے، بیچ کو بھی سالوں لگ جاتے ہیں بار آور درخت بنتے بنتے، دریا ایک بار رخ موڑ جائے تو زمانے گزر جاتے ہیں اس زمین کو زرخیز ہونے میں۔ اسے بھی پانچ سال لگ گئے ڈاکٹر ماریہ خان بننے میں، لیکن بن گئی۔ آئے دن اس کے مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ شایان اکثر اس سے کہتا۔ ''سب سے آسان کام دانت نکالنا ہوتا ہے۔ اس میں کم از کم جان جانے کا تو خدشہ نہیں ہوتا۔''

وہ خود ایک بہت قابل ڈینٹسٹ تھا۔ اس نے اور ماریہ نے صحیح معنوں میں مل کر طوفان مچا دیا۔ شادی کے تقریباً ایک سال بعد سائرہ نے دوبارہ جوائن کرلیا تو ان کا اسپتال ہر طرح سے مکمل ہوگیا۔ پانچ سالوں میں اس اسپتال کی عمارت نہ صرف رقبے میں پھیل گئی بلکہ فرنشڈ بھی ہوتی چلی گئی۔ رفتہ رفتہ ڈاکٹر ماریہ خان کے بینرز اور پوسٹرز کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

زخرف کی بے تحاشا محبت کو دل کے سب سے آخری کونے میں بڑی مہارت سے چھپا کر وہ بظاہر پتھر ہوگئی۔ ایک اچھا ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جس کے لہجے کی شائستگی سے ہی مریض کی آدھی بیماری دور ہوجائے۔ جس کے اعصاب اتنے مضبوط ہوں کہ وہ بنا روئے ایک ماں کو اس کے بیٹے کی موت کی خبر سنا سکے۔ جو مایوسی کی تہہ میں اترے مریض کو جینا سکھا سکے۔ جس کے لیے لوگوں کے دلوں سے ہمیشہ دعائیں نکلیں اور وہ بالکل ایسی ہی بن گئی۔ روتے ہوئے لوگوں میں مسکراہٹیں بانٹنے والی، مایوس اور مرتے ہوئے لوگوں کو ایک نئی زندگی کی امید دینے والی۔

آنسو، سسکیاں، دکھ، مسکراہٹیں، شکرانے اور ماتم ان پانچ سالوں میں بہت کچھ دیکھا اس نے۔ زندگی کچھ بھی نہیں، صرف موت سے لڑنے کی جدوجہد ہے اور وہ اپنے ہر مریض کے لیے اس جنگ میں ایک ساتھی کی طرح تھی۔ بہت شفاء رکھی تھی قدرت نے اس کی نرم و نازک انگلیوں میں جسے وہ بانٹتی گئی۔

ان پانچ سالوں نے بہت کچھ دیا اسے، کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر ماریہ خان کو کون نہیں جانتا تھا۔ نہ جانے کون کون سے اعزاز تھے اس کے پاس۔ کورسز اور ٹائیٹلز کی ایک لمبی قطار لگ جاتی تھی اس کے نام کے ساتھ، اس کا کمرا بھرا پڑا تھا سرٹیفکیٹس، ڈگریز، شیلڈز اور میڈلز سے۔

الیف ایم سے لے کر ٹی وی چینلز تک اس کے انٹرویوز آن ایئر ہوتے تھے۔ ہر سیمینار ہر کانفرنس، ہر میٹنگ اور ہر این جی او کا وہ لازمی حصہ تھی۔

ان پانچ سالوں نے اسے پوری طرح نکھار بھی دیا۔ چہرے کی سنجیدگی پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ شخصیت پہلے سے زیادہ پروقار ہوگئی۔ چال میں تمکنت باتوں میں شائستگی آ گئی، سادگی بڑھتی چلی گئی۔ لہجہ دھیما ہوتا چلا گیا، عاجزی کا حصار بلند سے بلند ہوتا چلا گیا۔

صرف پانچ سالوں میں اس کے پاس وہ سب تھا جس کی دنیا صرف تمنا ہی کر سکتی ہے اور اس قدر شہرت اور عزت کے ساتھ ناممکن تھا کہ اس کا زخرف سے کبھی سامنا نہ ہو۔ وہ دونوں ایک ہی شعبے سے تھے، اکثر ٹکراؤ ہو جاتا تھا۔ حتیٰ الامکان اس کی کوشش ہوتی کہ نظر انداز کر دے، نظر جھکا لیتی، راستہ بدل لیتی اور پھر تکیے میں منہ دے کر رو لیتی۔

پانچ سالوں میں اگر انتھک محنت کی تھی تو انتھک کوشش بھی کی تھی اسے بھلانے کی۔

لیکن ناممکن تھا۔

بالکل ویسے ہی جیسے اس کے سوا کسی اور کا ساتھ ناممکن تھا۔ وہ اب بھی ڈائری لکھتی تھی۔

اب بھی کاغذوں کو صرف اس کے نام سے سیاہ کرتی تھی۔ اب بھی ہر روز اسے یاد کرتی تھی۔ اب بھی اس کے لیپ ٹاپ میں زخرف کا الگ فولڈر تھا بالکل اس کے دل کی طرح۔ جہاں زخرف کی ہر بات، ہر لہجہ، ہر نصیحت آج بھی زندہ تھی۔

بظاہر کسی کمی کے نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ادھوری تھی اور یہ اس کی سب سے بڑی متاع ادھورا پن تھا۔

☆.....☆

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' چائے کے وقفے کے دوران اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سائرہ سے پوچھا جو کافی دیر سے چپ بیٹھی موبائل پر انگلیاں پھیرے جا رہی تھی۔ اب بھی اسے ماریہ کی آواز ہی سنائی نہ دی۔

''ڈاکٹر صاحبہ کہاں گم ہو؟'' ماریہ نے اس کی نظروں کے آگے چٹکی بجائی۔

''بس ایسے ہی۔'' سائرہ نے چپ چاپ اپنا کپ اٹھا لیا۔

''کیا پریشانی ہے؟ بتاؤ شاباش۔'' ماریہ کے نرم لہجے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ماریہ! مجھے تنگ کر کے رکھ دیا ہے ان لوگوں نے، جب پتا ہے کہ کمی مجھ میں ہی ہے اور ہر صورت رہے گی تو پھر چپ چاپ صبر کیوں نہیں کر لیتے یہ سب۔ کبھی اس کے پاس چلی جاؤ، کبھی اس سے مشورہ لے لو، کبھی فلاں سے چیک اپ کروا لو، کبھی فلاں سے ٹیسٹ کروا لو، یہ کر لو وہ کر لو.....! زچ کر دیا ہے مجھے۔''

''یہ لوگ تنگ نہیں کرتے تمہیں پاگل، تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے سب تمہاری فکر کرتے ہیں۔'' ماریہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

''نہ کریں میری فکر۔ ہر وقت کی بے وجہ فکروں سے میں کسی دن پاگل ہو جاؤں گی۔'' سائرہ کھل کے غبار نکال رہی تھی۔

شادی کے پانچ سال بعد بھی وہ اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی اور یہ کمی پانچ سالوں میں اس کی اور زخرف کی ہر ممکن کوشش اور علاج کے باوجود بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

''ہمیشہ سب کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے، ہر ممکن انکل کے دل سے ماما، پاپا کی نفرت ختم کرنے کی کوشش کی، آنٹی کی ہر بات کو ہمیشہ کھلے دل سے تسلیم کیا۔ ان پانچ سالوں میں اپنی زندگی کی جنت بنانے کی کوشش کی لیکن میں بھول گئی کہ جنت زمین پر کسی صورت نہیں بن سکتی۔ ہم زندگی کو کتنا بھی خوب صورت اور پرسکون بنانے

کی کوشش کریں کہیں نہ کہیں کمی رہ ہی جاتی ہے۔''
ماریہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے چپ کروایا۔
''دعا کیا کرو، اللہ سب بہتر کرے گا۔''
ایک گھنٹے بعد اسے ایک سیمینار میں جانا تھا اس لیے جلدی گھر آ گئی۔ ہلکا پھلکا تیار ہو کے وہاں چلی گئی۔ واپسی شام پانچ بجے ہوئی۔ پہلے وہ سیدھی اسپتال آئی، آج اسے رات یہیں رکنا تھا لیکن تھکن کی وجہ سے اس نے ایک جونیئر ڈاکٹر کی ڈیوٹی لگائی، اور رات گیارہ بجے گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیگ کندھے پر ڈال کے جیسے ہی آفس سے باہر نکلی شایان کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔
''جا رہی ہو؟'' وہ اس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔
''جی کافی دیر ہو گئی ہے۔''
شایان نے بڑی فرصت سے نظر بھر کے اسے دیکھا۔ سیاہ رنگ کی گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنے، چوڑے فریم کا چشمہ لگائے، کمر تک آئے بالوں کو ڈھیلے سے ربڑ بینڈ میں مقید کیے وہ اپنی ازلی سادگی اور معصومیت کے ساتھ آج بھی اس کے دل پر قبضہ کیے ہوئے تھی۔ شایان کو نظریں پھیرنے میں صدیاں لگ گئیں۔
''ایک بات کرنا تھی تم سے۔'' وہ اس کے برابر میں چلتے ہوئے بولا۔
''ڈاکٹر عمران نے تمہارے گھر کا ایڈریس لیا ہے۔ شاید آج کل میں اس کے گھر والوں میں سے کوئی آنٹی سے ملنے آئے۔''
اس کی بات سن کر وہ ایک دم رک گئی۔
''میں نے ڈاکٹر عمران کو میسج بھی کیا تھا پھر بھی، پتا نہیں لوگوں کی سمجھ میں ایک بات کیوں نہیں آتی۔'' اس نے غصے سے کہا۔
''آخر منع کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو؟'' شایان نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔ ''تمہاری وجہ سے آنٹی اتنی پریشان رہتی ہیں، آخر ان کی بات کیوں نہیں مان لیتیں تم؟ تو بندے کو اتنے لمبے اور لامحدود انتظار کے بعد کوئی صلہ ملنے کی امید ہو تو بات بھی ہے۔ تمہارے پاس تو یہ بھی نہیں ہے پھر کیوں خود کو تنہائی کی اذیت دیے جا رہی ہو۔'' شایان اس سے یہ سب کہتے ہوئے بھول گیا تھا کہ وہ ڈاکٹر ماریہ خان ہے۔
''پچھلے دنوں مجھ سے بھی کسی نے آپ کے گھر کا ایڈریس مانگا تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے فی الفور منع کر دیا تھا۔ میں نے تو نہیں پوچھا تھا کہ ایسا کیوں کیا؟ آپ کے انکار کرنے کی تو کوئی وجہ بھی نہیں تھی، آپ بھی تو اپنی امی کو پریشان کر رہے ہیں ناں۔ آپ کے پاس ایسی کون سی امید ہے جس کے بل پر انتظار کیے جا رہے ہیں۔''
شایان کچھ بول نہ سکا۔
''جس دن آپ نے فیصلہ کر لیا ناں، میں بھی کر لوں گی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔
''میں نے فیصلہ کر لیا ہے ڈاکٹر ماریہ! آج نہیں پچھلے کئی سالوں سے۔'' وہ اس کی بات پر کافی حیران ہوئی۔
''کیسا فیصلہ؟''
شایان اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرایا پھر صحن کے دائیں طرف رکھے گلاب کے گملے میں سے ایک پھول توڑ لیا۔ اسے ہولے سے پھونک مار کے صاف کیا اور پھر اپنے لبوں سے لگا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہی کہ ہمیشہ اس کے لیے جینا ہے جو میری اجازت کے بغیر میرے دل میں رہ رہی ہے، برسوں سے اور مجھے پھر بھی برا نہیں لگتا۔''

اس کے لیے شایان کی نظروں کا سامنا کرنا دوبھر ہوگیا۔ اس کے انگلیوں کے درمیان اٹکا پھول لیے بغیر وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ شایان وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆.....☆

''ایک چھوٹی سی فیور دوگی پلیز؟'' وہ جنرل وارڈ سے نکلی ہی تھی کہ سائرہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

''ہاں بولو۔'' اس نے چارج شیٹ نرس کو تھماتے ہوئے کہا۔

''گھر جاتے ہوئے مجھے راستے میں شفاء اسپتال تک چھوڑ دوگی پلیز۔''

ماریہ نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔ شرم تو نہیں آرہی تمہیں مجھے پلیز کہتے ہوئے۔'' سائرہ اس کی بات پر مسکرادی۔

''جاؤ بیگ لے کر آؤ اپنا، میں بس جانے لگی ہوں۔'' آفس کی طرف جاتے ہوئے اس نے سائرہ سے کہا۔

سائرہ کوڈراپ کر کے ماریہ آگے بڑھ گئی تھی۔

''ڈاکٹر زخرف کہاں ہوں گے۔'' اندر آتے ہوئے سائرہ نے ایک نرس سے پوچھا۔

''وہ شاید اپنے آفس میں ہوں گے۔'' نرس نے جواب دیا تو وہ اس کے آفس کی طرف آگئی۔ آج اسے مزید ایک دو ٹیسٹ کروانے جانا تھا۔ آفس میں آئی تو زخرف وہاں نہیں تھا۔ اس کے اسسٹنٹ نے بتایا کہ وہ ایک آپریشن میں مصروف ہیں، آدھے گھنٹے تک فارغ ہوں گے۔ بیگ میز پر رکھتے ہوئے وہ بیزاری سے زخرف کی کرسی پر گرگئی۔

''میڈم! آپ کو چائے لادوں؟'' اسسٹنٹ کی آفر اس نے کھلے دل سے قبول کرلی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا چائے لینے چلا گیا، کچھ دیر وہ زخرف کے لیپ ٹاپ میں لگی رہی۔ پھر اس کی انتہائی نفاست سے سجی سجائی درازیں اور الماریاں کھنگالنے لگی۔ نفاست پسندی زخرف میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سب سے نچلی الماری کھولتے ہوئے اس کی نظر ایک چھوٹے سے گفٹ پیک پر پڑی۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے اسے باہر نکال لیا۔ کھولا تو اندر سے ایک چھوٹا سا ٹیڈی بیئر اور کارڈ نکلا۔ وہ یکدم ٹھٹھک گئی، کسی کی محبت کا بہت واضح اظہار تھا۔

''یہ لکھائی تو جانی پہچانی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''یہ زخرف کو کس نے دیا؟ میں نے تو نہیں دیا۔'' کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے وہ ڈبہ چپ چاپ اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ ذہن الجھ گیا تھا۔ ٹیسٹ کروا کے واپس آئی تو رات ہورہی تھی۔ وہ اوپر آئی ہی تھی کہ شعیب ملک کا بلاوا آگیا۔ وہ زخرف کو بلا رہے تھے۔

''خیریت تو ہے؟'' سائرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''خدا جانے۔'' کندھے اچکا کے وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ سائرہ مزید پریشان ہوگئی۔ کافی دنوں سے اسماء اور صائمہ کی حرکتیں بھی کچھ مشکوک سی تھیں۔ اسے دیکھ کے اکثر سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگ جاتیں اور جب وہ قریب جاتی تو چپ ہوجاتیں۔

''خدا خیر کرے۔'' اس کے دل میں وسوسے آنے لگے۔ آدھے گھنٹے بعد زخرف واپس آیا تو ٹہل ٹہل کے

اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔

''ایک کپ چائے پلا دو پلیز۔'' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلاتے ہوئے بولا۔ وہ چپ چاپ نیچے چلی گئی۔ چائے بنا کر واپس آئی تو زخرف دونوں آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔

''چائے!'' اس کے کہنے پر اٹھ کے بیٹھ گیا۔

''کیا کہا انکل نے؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

''سارا دن گھر میں فارغ رہ کر فضول باتیں سوچتے رہتے ہیں۔'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

''پھر بھی؟'' اس نے اصرار کیا۔

''دوسری شادی کا کہہ رہے ہیں۔'' اس کی بات پر سائرہ دم بخود رہ گئی۔ لمحہ لگا تھا اس کی آنکھیں گیلی ہونے میں۔

''پھر.....؟'' لرزتے لبوں سے اس نے پوچھا۔ زخرف نے چائے ختم کر کے کپ سائیڈ پر رکھا۔ اس کے قریب ہوا اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔

''دیکھو سائرہ..... مجھے بار بار ایک ہی بات کہنے یا سننے کی عادت نہیں ہے۔ آج تم سے پہلی اور آخری بار کہہ رہا ہوں۔ مجھے تمہارے علاوہ اور کسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ہونے سے میری زندگی بالکل مکمل ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے یقین دلا رہا تھا۔ سائرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆

''ہاں سائرہ بولو؟'' تیسری بیل پر اس نے سیل کان سے لگایا۔

آج سائرہ کی نائٹ ڈیوٹی تھی اس لیے وہ جلدی گھر آ گئی۔

''ایمرجنسی کے مریضوں کی چارج شیٹ نہیں مل رہی۔ تمہارے پاس تو نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے پاس کہاں سے آئی، وہیں ہوگی دھیان سے دیکھو یا پھر میرے آفس میں دیکھ لو۔'' اسے کہتے ہوئے ماریہ نے یوں ہی اپنا بیگ بھی کھول لیا۔ وہ اس کے بیگ میں رول ہوئی پڑی تھی۔

''اوہ سوری یار! میرے بیگ میں ہی ہے، کل غلطی سے میں نے ہی بیگ میں ڈال لی ہوگی۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''حد ہے لاپروائی کی۔'' سائرہ کو غصہ آ گیا۔

''بس ذہن سے ہی نکل گیا۔ اب کیا کرنا ہے؟'' وہ بولی۔

''مجھے ذرا گھر کا چکر لگانا ہے، واپسی میں لے لیتی ہوں تم سے۔'' سائرہ نے رکھائی سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے سوری یار!'' وہ ہولے سے مسکراتی ہوئی بولی۔

آدھے گھنٹے میں سائرہ اس کے گھر پہنچ گئی، نائلہ نیچے ہی مل گئیں۔

''کیسی ہو بیٹا! اب تو نظر ہی نہیں آتی ہو۔'' وہ اسے محبت سے گلے لگاتے ہوئے بولیں۔

''بس آنٹی سسرال والی جو ہو گئی ہوں۔'' وہ جواباً مسکراتے ہوئے بولی۔

نائلہ کچھ دیر اس سے حال احوال پوچھتی رہیں پھر وہ ماریہ کا پوچھ کے اوپر اس کے کمرے میں دستک دیے بغیر ہی آ گئی۔ ماریہ کمرے میں نہیں تھی۔ شاید واش روم میں تھی۔ چارج شیٹ اس کے بیڈ پر پڑی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے جیسے ہی اسے اٹھانا چاہا یکدم ٹھٹک گئی۔ اس کے تکیے کے نیچے سے ایک چھوٹا سا کارڈ باہر جھانک رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ شیٹ لے کر واپس مڑ جائے لیکن پھر نہ جانے کس احساس کے زیر اثر اس نے

تکیہ اٹھا دیا۔ وہاں صرف کارڈ نہیں تھا، ساتھ ایک خوب صورت سا ٹیڈی بیئر بھی تھا۔ تکیہ اس کے ہاتھ سے دوبارہ چھوٹ گیا۔ ایک جھماکے سے اس کے ذہن میں آیا تھا کہ زخرف کی الماری سے نکلے اس کارڈ پر ہینڈ رائٹنگ کس کی تھی؟ اس سے پہلے کہ ماریہ واش روم سے باہر نکلتی، وہ چارج شیٹ اٹھا کے چپ چاپ اس کے کمرے سے نکل گئی۔ ذہن دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ اس کی شادی میں بھی نہیں آئی تھی۔

''تم نے کسی کو میرے اور اپنے بارے میں بتایا ہے۔'' اسے زخرف کی بات یاد آئی۔

''اپنی بیسٹ فرینڈ کو بھی نہیں بتایا۔'' زخرف نہ جانے کب سے اس سے کیا کچھ چھپائے ہوئے تھا۔

''دیکھ لیں شایان بھائی! ماریہ نہیں آئی۔'' اس کے شکوے کے جواب میں شایان نے کہا تھا۔''

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس کی شادی کے دوران وہ اسپتال میں ہی رہی تھی۔

''کیا وہ جانتی تھی کہ میں اور زخرف کمیٹڈ تھے؟'' اس سوال کا جواب اسے یا تو زخرف دے سکتا تھا..... یا پھر ماریہ۔'' پوری رات غائب دماغی سے ڈیوٹی کرنے کے بعد جب وہ صبح گھر آئی تو سوچ سوچ دماغ شل ہو رہا تھا۔ ناشتے کے بعد اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی زخرف اسپتال چلا گیا۔ وہ سارا دن گم صم ہی رہی۔ ماریہ سے بھی کوئی رابطہ نہ کیا۔ رات کو سونے کے لیے اس کے برابر میں لیٹی تو بہت دیر تک نیند نہ آئی۔

''زخرف!'' اس نے ہولے سے پکارا۔

''ہوں.....''

''ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ بتاؤ گے؟''

اس کی بات پر زخرف نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ ''ہاں پوچھو۔''

سائرہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بیگ سے نکال کر اس کی الماری سے نکالا ہوا کارڈ اور ٹیڈی بیئر اس کے آگے رکھ دیا۔

حیرت کے باعث زخرف سیدھا بھی نہ ہو سکا۔

''تمہیں کس نے دیا؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تمہیں کہاں سے ملا؟'' زخرف نے جواباً اس سے پوچھا۔

''میں یہ ہینڈ رائٹنگ پہچان گئی ہوں زخرف!'' اس نے ہولے سے کہا۔

زخرف ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ ''تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' سائرہ کی آواز بھیگ گئی۔

''کیونکہ میرا نہیں خیال کہ یہ اہم بات تھی۔'' وہ بولا۔

''وہ لڑکی آج تک تمہارے لیے یہ کارڈ اور ٹیڈی بیئر خرید رہی ہے اور تمہارے لیے یہ اہم نہیں ہے۔'' وہ بولی تو آواز اونچی ہو گئی۔

''ہاں..... میرے لیے اہم نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد اس نے مجھے کچھ نہیں بھیجا۔ وہ کیا خریدتی ہے اور کیوں خریدتی ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' زخرف اپنی حیرانی کو پوری طرح چھپاتے ہوئے بولا۔

''وہ تم سے پیار کرتی تھی زخرف بلکہ وہ تم سے اب بھی پیار کرتی ہے۔ وہ آج تک تنہا ہے۔ صرف تمہارے لیے، ہے ناں۔'' سائرہ کے آنسو بہہ نکلے۔

''اس سب میں میرا کیا قصور ہے۔'' زخرف اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔
''میں کیا بتاتا سائرہ! پیار وہ کرتی تھی میں نہیں، میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی، ہمیشہ اسے انکار کیا صاف انکار۔ وہ نہیں جانتی تھی تمہارے اور میرے رشتے کے بارے میں اسی لیے میں نے تب تم سے پوچھا تھا کہ تم نے اسے بتایا کہ نہیں اور جب اسے پتا چلا تب چپ چاپ پیچھے ہٹ گئی۔ پانچ سال ہوگئے ہیں اس بات کو ختم ہوئے۔'' زخرف اسے آہستہ آہستہ سب بتاتا چلا گیا۔
''کاش پانچ سالوں میں یہ بات ختم ہوگئی ہوتی۔'' اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔
''وہ تمہیں آج بھی نہیں بھولی، وہ تمہیں پتا نہیں کب سے چاہ رہی ہے اور کب تک چاہے گی۔'' زخرف چپ رہا۔
''صرف تمہاری خاطر اس نے نہ جانے کتنی ہی بار شایان کو بھی ٹھکرا دیا ہے۔'' سائرہ آج سارے انکشافات کرنے پر تلی ہوئی تھی۔
''ہمارے نکاح والی رات وہ اسپتال میں تھی زخرف۔'' اس کی برداشت ختم ہوگئی۔
''خدا کے واسطے سائرہ بس کرو، میں بہت خوش ہوں اپنی زندگی میں اور شاید وہ بھی۔ چپ چاپ سو جاؤ۔'' وہ دوبارہ لیٹ کر کروٹ لیتے ہوئے بولا۔

☆.....☆

''کل میں نے تمہیں کال کی تھی تم نے ریسیو ہی نہیں کی، کہاں مصروف تھیں تم؟'' ماریہ نے اس کے آگے چائے کا کپ رکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ چپ چاپ بغور اس کے چہرے کو دیکھے گئی۔
''کیا دیکھے جا رہی ہو؟'' ماریہ اس کے یوں غور سے دیکھنے پر پریشان ہوئی۔
''دیکھ رہی ہوں تم کتنی بڑی بڑی باتیں چھپا جاتی ہو۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔
''اب کیا چھپایا ہے میں نے؟'' ماریہ حیران ہوئی۔ سائرہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر وہی کارڈ اور ٹیڈی بیئر نکال کے اس کے سامنے رکھ دیا۔ ماریہ دم بخود رہ گئی۔
''یہ چھپایا ہے تم نے مجھ سے ڈاکٹر ماریہ خان!'' سائرہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
''اور میں اس کے لیے تمہارے شوہر سے کئی مرتبہ معافی مانگ چکی ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ تمہارا نصیب ہے، جب پتا چلا تو چپ چاپ پیچھے ہٹ گئی۔'' وہ بولی۔
''مجھ سے تو نہیں مانگی نا معافی حالانکہ چیٹ تو مجھے کر رہی تھیں تم۔'' سائرہ کی آواز بلند ہوگئی۔
''میں نے تمہیں چیٹ نہیں کیا، پھر بھی تمہیں لگتا ہے میں غلط ہوں تو آئم سوری۔'' اس نے سائرہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ سائرہ اسے بے یقین نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔
''کس مٹی کی بنی ہو تم ماریہ!'' وہ بولی تو ساتھ ہی آنسو بھی نکل آئے۔
''مجھے بتاتیں تو سہی، میں دوست تھی تمہاری۔'' سائرہ دکھ کی انتہاؤں پر تھی۔
''جب اسے دیکھا، نہیں پتا تھا کہ تمہارا ہے، محبت ہوئی تب بھی نہیں پتا تھا، اس کے بعد اس کے ہر دفعہ انکار کے باوجود بھی جب میں پیچھے نہ ہٹی تب بھی نہیں پتا تھا اور جب پتا چلا تب وہ تمہارا ہو چکا تھا۔ مجھے پروردگار کی قسم ہے۔ اس کے بعد کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔'' ماریہ کہتی چلی گئی۔
''تم بہت عزیز ہو مجھے اور تمہاری دوستی اس قابل ہے کہ میں اس کی خاطر اپنی محبت قربان کر دیتی سو میں نے کر دی۔''

''تو پھر آج تک خود تنہا کیوں ہو؟ کیوں شایان بھائی کا انتظار ختم نہیں کر دیتیں۔ کیوں اپنی زندگی کو خوشیوں سے نہیں بھرتی ہو۔'' ماریہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''کیونکہ تم آج بھی زخرف سے پیار کرتی ہو۔'' اس کی بات پر وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''تم آج کے بعد مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرو گی۔'' ذرا سخت لہجے میں بولتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔ سائرہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے شایان کو گھیر لیا، بڑی مشکل سے اس سے اگلوایا۔

''مجھے بھی تمہارے نکاح والی رات پتا چلا تھا کہ وہ زخرف سے پیار کرتی ہے لیکن اس بات کا میں گواہ ہوں کہ اس کے بعد اس نے کبھی زخرف کی زندگی میں پلٹنے کی کوشش نہیں کی۔''

سائرہ کو اس پر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔ اس کا بس چلتا تو لمحہ لگائے بغیر اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دیتی لیکن اس کی محبت اور کوئی نہیں اس کا اپنا شوہر تھا۔ سب کچھ پتا چل جانے کے بعد اسے ماریہ کو دیکھ کے اپنا آپ قصوروار لگنے لگا۔

وہ آج اتنی تنہا اور اداس تھی تو صرف اس کی وجہ سے۔ اس کی خوشیوں کی وجہ سے۔ ماریہ نے اس سے بات کرنا انتہائی کم کر دی تھی۔ سائرہ کو اندازہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سامنے مجرم سمجھ رہی تھی۔ ایک طرف یہ پریشانی اور دوسری طرف گھر کا تناؤ۔ زخرف کی دوسری شادی کی باتیں اب کھلے عام ہونے لگی تھیں۔

آئی لو یو اسے کہتے ہوئے زخرف نے نیکلس پہنا کے بہت محبت سے اسے گلے لگا لیا۔ آج ان دونوں کی شادی کو چھ سال ہو گئے تھے۔

''میری ایک بات مانو گے۔'' وہ اس کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے ہولے سے بولی۔

''ہاں بولو۔'' وہ اس کے صبیح چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے بولا۔

''وعدہ کرو کہ انکار نہیں کرو گے۔'' نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے؟ بولو۔'' وہ محبت سے بولا۔

''ماریہ سے شادی کر لو۔'' زخرف نے ہولے سے اسے خود سے الگ کیا۔

''کرنے والی باتیں کیا کرو، کیوں نہیں چھوڑ دیتیں تم اس بات کو۔'' اسے غصہ آ گیا۔

''کہیں اور بھی تو کرو گے نا ماں باپ کے مجبور کرنے پر، کسی اور کو بھی تو لے کر آؤ گے نا اس گھر میں، تو اسے ہی لے آؤ جو قطرہ قطرہ مر رہی ہے تمہارے لیے۔'' سائرہ نے اس کا بازو پکڑا۔

''میں کسی سے شادی نہیں کر رہا سائرہ!'' وہ جھلا گیا۔

''زخرف! میری بات سنو۔ چھ سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو۔ میں جانتی ہوں کمی مجھ میں ہے اور اس کی سزا تمہیں خواہ مخواہ دے رہی ہوں۔ میری وجہ سے تمہاری نسل ختم ہو جائے گی، یہ سوچ کر مجھے بعض اوقات رات بھر نیند نہیں آتی۔ میں جانتی ہوں زخرف کہ میری خوشی صرف تمہارے لیے معنی رکھتی ہے، تمہارے گھر والوں کے لیے نہیں، وہ لوگ کسی نہ کسی طرح تمہیں مجبور کر دیں گے اور پھر پتا نہیں کون آ جائے تمہاری زندگی میں۔ پتا نہیں کیا سلوک کرے گی میرے ساتھ۔ تو بہتر نہیں ہے کہ اسے لے آؤ جو شاید مجھ سے بھی زیادہ تم سے محبت کرتی ہے۔'' وہ آہستگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''اپنے اور میرے درمیان برداشت کر لو گی اسے؟'' زخرف نے اس کی کمزور رگ کو چھیڑا۔

''وہ میری بہت پرانی دوست ہے زخرف! شاید وہ تو برداشت ہو جائے اور کوئی نہیں ہو گی، میں بہت خود

غرض ہوں، اب بھی صرف اپنا ہی سوچ رہی ہوں اس کا نہیں، ایک طرح سے اس پر یہ احسان ہوگا میرا، جسے چکا نہیں پائے گی وہ۔'' اس کی بات پر وہ ہولے سے ہنسا۔

''تمہیں لگتا ہے وہ مان جائے گی؟ کبھی بھی نہیں۔ جہاں تک میں اسے جانتا ہوں وہ کسی صورت نہیں مانے گی۔ چلو بالفرض وہ مان بھی جائے تو بھی گھر والوں کو کیسے راضی کرو گی؟ ناممکن ہے یہ سائرہ۔'' زخرف اچھی طرح جانتا تھا اپنے گھر والوں کو۔

''میں خود منالوں گی۔'' وہ فوراً بولی۔

''چلو پھر پہلے انہیں منا کر دکھاؤ۔'' اس نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔ اسے پورا یقین تھا کہ گھر والے کسی صورت نہیں مانیں گے۔ نہ ہی ماریہ راضی ہوگی سو کچھ دنوں میں وہ خود ہی تھک کے چپ ہو جائے گی لیکن دوسری جانب بھی سائرہ تھی۔ حفصہ اور زوہیب کا خون۔ اڑیل اور ضدی خون۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر زخرف کی دوسری شادی خاندان میں ہوگئی تو وہ لڑکی ہمیشہ کے لیے اس پر حاوی ہو جائے گی۔ ایک تو خاندانی اوپر سے صاحب اولاد۔ ذرا لحاظ نہیں کرے گی وہ اس کا۔ گھر والے اس کے ساتھ ہوں گے اور زخرف..... وہ کب تک اس کی ڈھال بنا رہے گا۔ ایک نہ ایک دن بیگانہ ہو ہی جائے گا۔ اگر زخرف کی شادی ماریہ سے ہو جائے تو دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ ماریہ ہمیشہ اس کی احسان مند رہے گی۔ ہمیشہ اس سے نیچے ہی رہے گی اور دوسرا یہ کہ گھر والے ماریہ کو کبھی اس کے برابر کا درجہ نہیں دیں گے۔ وہ ہمیشہ بیگانی ہی رہے گی، بالکل اس کی ماں کی طرح۔'' خود غرضی سے سوچتے ہوئے اس نے اپنی مہم شروع کر دی۔ ابھی زخرف پوری طرح اس کے ساتھ تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر وہ کہیں بھی شادی نہ کرتا سو اس نے ایک رات شعیب اور اسماء کے سامنے اپنی شرط رکھ دی۔

''اگر دوسری شادی کرنی ہے تو زخرف سے کہیں کہ ماریہ سے کرے ورنہ کسی اور سے شادی کرنے کی اجازت میں اسے نہیں دوں گی۔''

ڈاکٹر ماریہ خان، ایک غیر برادری کی لڑکی؟

پورا خاندان اس کے خلاف کھڑا ہو گیا اور وہ بالکل اپنے باپ کی طرح ڈٹ گئی، زخرف کی طرح جم گئی۔

''اگر زخرف دوسری شادی کرے گا تو ماریہ سے ورنہ نہیں۔'' اسماء ملک کے سامنے دوٹوک کہہ دیا۔ زخرف نے بالکل ہی کان لپیٹ لیے، اسے یہ جنگ ایک بار ہی لڑ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ جیتنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔

''سائرہ یہ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔'' حفصہ اس کی حرکتوں پر انتہائی پریشان تھیں۔

''اپنا مستقبل بچانے کی کوشش کر رہی ہوں ماما! کرنے دیں۔'' اس نے انہیں واضح الفاظ میں بتایا۔ اڑتی اڑتی خبر شایان تک بھی پہنچ گئی لیکن اس نے بھی زخرف کی طرح چپ ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔

''وہ لڑکی کسی صورت اس گھر میں نہیں آئے گی۔'' شعیب ملک نے صاف کہہ دیا۔

''تو بس پھر زخرف کی نسل کو مٹتے ہوئے دیکھ لیجیے گا۔'' اس کی بات پر اسماء کا کلیجہ حلق میں آ گیا۔ دونوں میاں بیوی نے حتی المقدور زخرف کو گھیرنے کی کوشش کی لیکن وہ سرے سے دوسری شادی سے ہی انکاری تھا۔ حالات عجیب سے عجیب تر ہو گئے۔ سائرہ اپنی ضد پر اڑ گئی۔ زخرف نے گھر والوں کا سامنا کرنا ہی چھوڑ دیا۔ راتوں کو گھر ہی نہ آتا اور اگر کبھی بھولے سے آ جاتا تو سویا رہتا۔ وہ یہ یقین تھا کہ سائرہ ہار جائے گی۔

اور سائرہ ہار جاتی اگر یہ زخرف کی پہلی شادی ہوتی۔ برادری تو تب قائم دائم ہوگی ناں جب نسل برقرار رہے

گی، اگر نسل ہی مٹ جائے تو کیسی برادری، کیسا مقام۔

اسماء ملک بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ زخرف ان کی بات نہیں مانے گا لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اسے دوسری شادی کے لیے صرف سائرہ منا سکتی ہے۔ نسل باپ سے چلتی ہے، زوہیب سے برادری کوئی نہیں چھین پایا تھا۔ وہ آج بھی زوہیب ملک تھا۔ اس کی بیٹی آج بھی سائرہ ملک تھی۔

آٹھ ماہ سائرہ ڈٹ کے لڑتی رہی۔ زخرف نے اس کا ذرا سا بھی ساتھ نہ دیا اور پھر معجزہ ہو ہی گیا۔ سائرہ اپنی خود غرضی سمیت جیت گئی۔ شعیب ملک اپنی نسل مٹتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ اسماء ملک اپنے لختِ جگر کو بے اولاد نہ دیکھ سکیں۔

''اس لڑکی کو بلاؤ، مجھے پہلے خود اس سے بات کرنی ہے۔'' اسماء ملک بات کا زخرف کو یقین نہ آیا۔

دوسرا مرحلہ ماریہ کو راضی کرنا تھا۔ صحیح معنوں میں اس نے سائرہ کو دن میں تارے دکھا دیے۔

''خبردار جو اب دوبارہ یہ بکواس کی تو۔'' ماریہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

''ماریہ! تم پیار کرتی ہو زخرف سے، آج بھی کرتی ہو۔'' اس نے سائرہ کی ہر بات ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دی۔ سائرہ نے نائلہ سے بات کرنے کا بھی سوچا لیکن ان سے بات کرنا تب فائدہ مند ہوتا جب ماریہ راضی ہو جاتی اور ماریہ راضی نہیں ہو رہی تھی۔

''سائرہ! میں کیسے اتنی خود غرض ہو جاؤں؟'' وہ تنگ آ کر بولی۔

''خود غرض تم نہیں ہو رہی ماریہ! خود غرض میں ہو رہی ہوں۔ تم بے شک خود پر ترس نہ کھاؤ، لیکن پلیز میری مجبوری کو سمجھو۔ تم میری دوست ہو ماریہ، ہو سکتا ہے تم کبھی مجھ پر ترس کھا لو، لیکن اگر کوئی اور آ گئی تو وہ قطعاً مجھ پر ترس نہیں کھائے گی۔'' سائرہ نے ماریہ کو منانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

''اس کی ماضی کی محبتیں یاد دلائیں، اسے اس کی زندگی کے سونے پن کا احساس دلایا۔ آنے والی زندگی کی خوشیاں دکھائیں۔ اپنی مدد کے لیے ایموشنل بلیک میل کیا، اپنی مجبوریوں کی فہرستیں گنوائیں لیکن ہر حربہ ناکام رہا۔

''کیا یہ ہی پیار ہے تمہارا زخرف سے؟ آج اسے تمہاری ضرورت ہے تو منع کیے جا رہی ہو، بدلہ لے رہی ہو نا؟''

''بدلہ.....! زخرف سے بدلہ.....نہیں کبھی بھی نہیں۔''

''یہ موقع نہیں ہے ماریہ! یہ معجزہ ہے جو اس کے گھر والے مان گئے ہیں پلیز تم بھی مان جاؤ۔'' سائرہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

☆.....☆

ایک زمانہ تھا جب بہت ٹوٹ کر چاہا تھا اسے، نتیجے کی پرواہ کیے بغیر لیکن وہ نہیں ملا تھا۔ کوشش کرنے پر بھی نہیں دعائیں کرنے پر بھی نہیں۔ دور ہو گیا تھا، ہمیشہ کے لیے لیکن وہ نہیں بھلا پائی تھی اور اب۔

وہی زخرف اسے مل رہا تھا جسے بہت ٹوٹ کر چاہا تھا۔

''تو کیا مجھے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لینا چاہیں۔'' کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں بند کیے سوچے جا رہی تھی۔

''آج گھر نہیں جانا۔'' شایان کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں۔

''اوہ! وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔

''ہاں اکثر وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔
''اب کیا کرو گی؟'' اس نے ہولے سے پوچھا۔
''کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔
''دل کیا کہتا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔
''وہی جو چھ سالوں سے کہہ رہا ہے۔''
شایان ہولے سے مسکرایا۔ ''تو بس پھر دل والوں کو تو دل کی ہی سننی چاہیے۔'' اس نے غور سے شایان کو دیکھا۔
''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟''
اس کے پوچھنے پر شایان کچھ دیر چپ رہا پھر دھیرے سے بولا۔ ''میں اپنے دل کی سنتا، ہو جاؤ اس کی کیونکہ کسی اور کی تم ہو نہیں سکو گی۔ میری بھی نہیں۔''
''اسے تمہارے لیے ہی رکھا تھا شاید قدرت نے لیکن ذرا دیر سے، تب بھی تم نے قدرت کے فیصلے کے آگے سر جھکایا تھا اب بھی جھکا دو۔ تب چھوڑ دیا تھا، اب مل رہا ہے تو لے لو، کیونکہ اس کے علاوہ تم کچھ اور نہیں لو گی، مجھے بھی نہیں۔'' وہ کہتا گیا۔
''مجھے اگر اس بات کا ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ تم میری زندگی میں آجاؤ گی تو میں تمہیں کبھی اس کی زندگی میں واپس جانے کا نہیں کہتا، کیونکہ میں اپنی محبت کو اپنی ماں جیسا بنتے نہیں دیکھ سکتا لیکن..... میں پھر بھی کہوں گا کہ تم پلٹ جاؤ اس کی زندگی میں کیونکہ میری زندگی میں تو تم آؤ گی نہیں۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ کئی بار اس کے فیصلے آسان کر جاتا تھا، اب بھی کر گیا۔ تب اس کا نہیں تھا اس لیے نہیں ملا۔ اب اس کا تھا تو مل رہا تھا۔ اسے لے لینا چاہیے تھا۔
''مجھے تمہاری ساس سے ملنے سے پہلے ایک بار زخرف سے بات کرنی ہے۔'' اگلے دن اس نے سائرہ سے کہا۔ سائرہ کے آگے اب آخری مرحلہ زخرف کو راضی کرنا تھا۔
''تم ماریہ سے شادی کر لو۔'' زخرف کے بازوؤں میں پوری طرح ٹوٹتے ہوئے اس نے التجا کی۔
''سائرہ! تم صرف آج کا سوچ رہی ہو، کل کیا ہو گا یہ بھی سوچا ہے؟ وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے، کارڈیالوجسٹ ماریہ خان ہے وہ، دلوں پر حکومت کرنا ہم دونوں سے زیادہ بہتر طریقے سے آتا ہے اسے۔ اس کی منہ زور محبت کے آگے میں کیسے ڈٹا تھا یہ میں ہی جانتا ہوں، اور اب اسے ہی تم میری زندگی میں لا رہی ہو۔ بیوی ہو گی وہ میری، پورا حق ہو گا اس کا مجھ پر..... مجھے اس سے اسی جیسی محبت ہو گئی تو کیا کرو گی؟ تمہاری ہر چیز میں شراکت دار ہو جائے گی وہ، برداشت کر لو گی تم؟ میری توجہ، میرا وقت، میری محبت ہر چیز دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ کیا کرو گی؟'' وہ حرف بہ حرف درست کہہ رہا تھا۔
''بس اتنی کمزور ہے تمہاری اور میری محبت جو اس کے آنے سے ٹوٹ جائے گی زخرف۔'' اس نے پوچھا۔
''کاش تم میری بات سمجھ سکتیں۔'' زخرف نے اسے قید کرتے ہوئے ہولے سے کہا۔
''کاش! تم سمجھ سکتیں کہ اس نے پیار نہیں عشق کیا ہے مجھ سے اندھوں جیسا عشق، نکاح والی رات میں نے دیکھا تھا اسے، تم نے نہیں۔''
ماریہ خان! جو پتا نہیں اس سے اتنی محبت کیوں کرتی تھی، اس کی ستاروں جیسی آنکھیں، بہاروں جیسی باتیں نہ جانے کتنی مشکل سے بھلائی تھیں اس نے۔ نکاح والی رات اس کے بہتے آنسو نہ جانے کیسے خشک کیے تھے۔

ترس تو آتا تھا اس پر، دکھ بھی ہوتا تھا۔ اسے ٹھکرا دینے کا غم بھی تھا۔ پر کہیں نہ کہیں ہلکا سا غرور تو تھا کہ سارے زمانے کو ٹھکرا کے وہ اس سے پیار کرتی ہے۔ آج تک اس کے نام پر زندہ تھی۔ اسی نے تو کہا تھا۔ ''اگر مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ آپ میری ہو سکتی ہیں تو میں آپ کو یوں رونے نہ دیتا۔'' چھ سال سے وہ اس کی محبت میں پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے جب بھی ڈاکٹر ماریہ خان کی آنکھوں میں جھانکا تو خود کو ہی پایا۔

''وہ اس کی ہو گئی تو۔'' اس نے سوچا۔

''کیا وہ خود کو اس سے محبت کرنے سے باز رکھ پائے گا؟'' اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

☆.....☆

شام کے پانچ بج رہے تھے جب اس نے ''فلیورز'' کے آگے گاڑی روکی۔ وہ خود بھی ماریہ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ گاڑی پارک کر کے وہ اندر آیا، اس کے اندازے کے عین مطابق وہ اس سے پہلے وہاں موجود تھی۔

''کیسی ہیں ڈاکٹر ماریہ؟'' اس نے کرسی گھسیٹ کے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل ویسی جیسی چھ سال پہلے تھی۔ پاگل اور تھوڑی بے وقوف۔''

وہ اس کی بات سن کر خاموش سا ہو گیا پھر دھیرے سے بولا۔ ''ماریہ میری حالت آپ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ آپ کی طرح میں بھی سائرہ کے حد درجہ اصرار پر موم ہوا ہوں۔ مجھے آپ سے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں کسی کی گارنٹی نہیں دے سکتا، اپنے گھر والوں میں سے کسی کی نہیں، سائرہ کی بھی نہیں۔ میں صرف آپ کو اپنی گارنٹی دے سکتا ہوں کہ شادی کے بعد آپ کو بھی میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھی میری وجہ سے نہیں آئیں گے۔ خدا کرے میرے گھر والے آپ کو پوری طرح قبول کر لیں لیکن اپنی دعا پر مجھے خود یقین نہیں ہے۔ آپ ایک دفعہ اور سوچ لیں کیونکہ مجھ سے شادی کرنا جہنم میں کودنے کے مترادف ہو گا۔'' وہ ہولے ہولے کہتا چلا گیا۔

''مجھے جو سوچنا تھا سوچ لیا جو فیصلہ کرنا تھا کر لیا۔ اپنے خوابوں کو سچ کرنا ہے مجھے لیکن۔'' وہ ذرا دیر کو رکی۔

''مجھے آپ سے صرف ایک یقین دہانی چاہیے۔'' زخرف نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کے گھر والے کتنا بھی زور لگائیں، آپ کتنا بھی مجبور ہو جائیں، کچھ بھی ہو جائے، میں چاہے کیسی بھی زندگی گزاروں، مجھے چاہے کیسا بھی مقام ملے، میرے ساتھ چاہے جیسا بھی سلوک ہو۔ میں آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں کروں گی لیکن یہ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ زندگی کے کسی بھی مقام پر آپ مجھے چھوڑیں گے نہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے زخرف کی طرف دیکھا۔

''نہیں چھوڑوں گا، وعدہ کرتا ہوں۔'' وہ بھرپور سچائی سے بولا۔

☆.....☆

''کچھ شرائط ہیں ہماری، زخرف کی زندگی میں آنے سے پہلے اور بعد میں تمہیں وہ پوری کرنا ہوں گی۔'' اسماء ملک بڑے غرور سے پُر لہجے میں اس سے مخاطب تھیں۔ وہ سر جھکائے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''جی بولیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''نکاح انتہائی سادگی سے ہو گا۔ ہم لوگ پورے خاندان میں ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہتے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' وہ دھیرے سے سر ہلا کے بولی۔

''شادی کے بعد تم صرف اس گھر کی عزت ہو گی، تمہارے گھر والوں سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں رہے گا۔''

اس نے ہولے سے نگاہیں اٹھائیں۔
''میری زندگی میں صرف میری ماں ہے۔ سدا کی بیمار ماں۔''
''اس سے بھی نہیں، قطعاً نہیں۔'' اسماء ملک دوٹوک بولیں۔
''ٹھیک ہے۔'' وہ اسی سعادت مندی سے بولی۔
''اور سب سے بڑی اور اہم بات تم نے اب تک جو کیا سو کیا۔ آئندہ تمہارا اسپتال سے کوئی رابطہ نہیں رہے گا۔ تمہیں اپنی پروفیشنل لائف ختم کرنا پڑے گی۔''
''لیکن آنٹی.....'' سائرہ اس سے پہلے ہی بول اٹھی۔
''چپ رہو تم، اگر ہم تمہاری بات مان رہے ہیں تو اسے بھی یہ سب ماننا ہوگا۔'' اسماء ملک کو غصہ آ گیا۔
سائرہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے اس کے خوابوں کی تعبیر چھین رہی تھیں۔
''ایک چیز ہوتی ہے نصیب جو بن مانگے مل جاتا ہے اس کے چھن جانے پر اتنا ملال نہیں ہوتا۔ اور ایک چیز ہوتی ہے محنت کا صلہ، جو کئی سالوں کو پانی کر دینے کے بعد ملتا ہے۔ اس کے چھن جانے پر تو انسان زندہ ہی نہیں رہ پاتا۔ ماریہ کا اسپتال اس کی سخت ترین محنتوں کا صلہ تھا۔ اس کا شوق تھا۔ اس کا جنون تھا۔ نہ جانے کتنے سالوں کی خواری اور محنت کے بعد وہ یہاں تک پہنچی تھی۔ ایسے کیسے چھوڑ دیتی سب لیکن ماریہ خان بولی بھی تو کیا؟
''جی ٹھیک ہے چھوڑ دوں گی۔'' وہ اپنے باپ سے زیادہ بہادر تھی، لمحہ لگایا تھا اس نے محبت چننے میں اور شوق چھوڑنے میں۔ آج ثابت کر دیا تھا اس نے کہ زخرف کے سوا اس کے لیے کچھ بھی اہم نہیں۔ اسپتال بھی نہیں، مسیحائی بھی نہیں۔ محبت ایک بار ملتی ہے۔ ٹھکرا دیں تو دوبارہ واپس نہیں آتی۔ اس نے ہر چیز داؤ پر لگا کر محبت چن لی تھی۔ سائرہ دم بخود اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔
وہاں سے واپس آئی تو دل ہوا جیسا ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ کوئی ملال نہیں تھا۔ کوئی دکھ نہیں تھا۔ گھر میں داخل ہوئی تو مسکراتے ہوئے۔ بہت دیر تک چھت پر دونوں بازو پھیلائے گھومتی رہی۔
رات کے کھانے کے بعد اس نے اپنی خواہش نائلہ کے آگے رکھ دی اسماء ملک کی تمام شرائط بھی بتا دیں۔ نائلہ تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔
''چھ سال اس لیے مٹی کیے ہیں تم نے کہ ایک شادی شدہ کی دوسری بیوی بن جاؤ۔'' وہ سخت غصے میں تھیں۔
''ایسے کیسے چھوڑ سکتی ہو سب کچھ؟ ایک نام ہے تمہارا، ابھی تمہارے بہن بھائیوں کی پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی۔ چھوٹی بہنوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ تمہارے ابو کیا کہیں گے آخر؟ خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی میں؟''
ماریہ انہیں تاسف سے دیکھ کر رہ گئی، وہ آج بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھیں۔ انہیں آج بھی اپنی، اپنے شوہر، اپنے بچوں اور اپنے خاندان کی فکر تھی۔
''وہ میرے ابو نہیں ہیں امی! وہ آپ کے شوہر ہیں جنہوں نے آج تک میرے سر پر ہاتھ بھی رکھنا گوارا نہیں کیا۔ آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے بچوں کی پڑھائی اور شادی میں کسی طرح کی کمی نہیں ہونے دوں گی اور آپ کو اپنے خاندان کے سامنے شرمندہ ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زخرف مجھ سے سادگی سے نکاح کرے گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہتی چلی گئی۔

(جاری ہے)

نظیر فاطمہ

نقصان

"سر! کامران صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" نادر لغاری کی سیکریٹری نے انٹر کام پر اطلاع دی۔

"او کے! پندرہ منٹ بعد ان کو اندر بھیج دیں۔" انہوں نے سامنے رکھی فائل کے رہ جانے والے صفحات کی تعداد معلوم کرنے کے لیے انہیں انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر دیکھا۔ دو صفحات باقی تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ کا کام باقی تھا۔

"کامران صاحب! آپ پلیز تشریف رکھیے۔ تھوڑی دیر میں آپ کو سر بلاتے ہیں۔" سیکریٹری نے خوش اخلاقی سے کہا۔ کامران مسکرا کر سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھا۔ ہاتھ میں پکڑی فائل گود میں رکھ کر اسے کھولا اور اس کے نشان زدہ حصوں پر نظر دوڑانے لگا۔

نادر لغاری شہر کی سب سے بڑی کنسٹرکشن کمپنی کے مالک تھے۔ بڑے بڑے سیاست دانوں اور حکمران طبقے سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کو بڑے بڑے تعمیراتی ٹھیکے ملتے تھے۔ وہ ان ٹھیکوں میں جی بھر کر بے ایمانی کرتے اور تجوری بھر منافع کماتے۔ بڑے لوگوں کے آشیر باد اور تعمیرات میں ناقص میٹریل استعمال کرنے کی بدولت ان کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ نادر لغاری جیسے لوگوں کو صرف مال، کمانے سے غرض ہوتی ہے۔ وہ مال کن ذرائع سے کمایا جا رہا ہے اس کے بارے میں وہ سوچنا بھی پسند نہیں کرتے۔

آج کل ان کو لوئر مڈل کلاس کی ایک رہائشی عمارت کا ٹھیکا ملا ہوا تھا۔ کثیر منزلہ فلیٹس کی تعمیر جاری تھی۔ اس کی نگرانی کا کام نیا آنے والا انجینئر کامران کر رہا تھا۔ وہ اسی سلسلے میں کچھ ضروری باتیں کرنے آیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد انہوں نے کامران کو اپنے آفس میں بلایا۔

"السلام علیکم سر!" کامران آفس کا دروازہ کھول

کرا اندر داخل ہوا۔

''وعلیکم السلام، آؤ جوان بیٹھو۔'' نادر لغاری نے خوش دلی سے کہا۔ کامران اگرچہ نیا تھا مگر بہت محنتی اور سمجھ دار تھا۔ لگن سے کام کرتا اور کرواتا تھا۔ نادر لغاری اس کے کام سے بہت خوش تھے۔

''شکریہ سر۔'' کامران نے نشست سنبھالی۔

''کہو، کیسے آنا ہوا؟'' نادر لغاری نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے دیکھا۔

''سر! یہ کچھ اہم پوائنٹس ہیں۔ یہ ڈسکس کرنا تھے۔'' کامران نے فائل کھول کر ان کے سامنے رکھی۔ کامران ہر پوائنٹ کی وضاحت کرتا گیا اور نادر لغاری لاپروائی سے سنتے رہے۔

''سر! یہ دس فٹ گہرائی سے شروع ہونے والے پلرز چھ فٹ سے شروع کروائے جارہے ہیں اور جتنا میٹریل چاہیے اس سے آدھا میٹریل استعمال کیا جارہا ہے۔'' کامران نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ نادر لغاری خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

''یہ دیکھیں سر، یہ فائلوں میں سب اعداد و شمار وغیرہ ٹھیک ہیں لیکن سائٹ پر کام ان کے مطابق نہیں ہورہا۔'' کامران نے فائل کے نشان زدہ حصے پر انگلی رکھ کر دوبارہ بات شروع کی۔

''تم نے ہیڈ انجینئر سے بات کی تھی؟'' انہوں نے سوال پوچھا۔

''جی سر۔''

''پھر۔''

''انہوں نے کوئی سنجیدگی نہیں دکھائی تو مجھے مجبوراً آپ کے پاس آنا پڑا۔''

''انہوں نے سنجیدگی نہیں دکھائی تو تمہیں میرے پاس بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ یہاں ایسے ہی کام ہوتا ہے۔'' نادر لغاری کا انداز اطمینان بھرا تھا۔ کامران کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''کثیر منزلہ رہائشی عمارت ہے اگر اس میں اس طرح کا سب اسٹینڈرڈ میٹریل استعمال کیا گیا تو یہ عمارت بہت جلد گر جائے گی۔'' کامران نے نادر لغاری کے سامنے دبے لفظوں میں احتجاج کر کے انسانیت کا سبق پڑھانے کی کوشش کی۔

''تو؟'' نادر لغاری نے یک لفظی سوال پوچھا۔

''تو یہ کہ عمارت گرنے کی صورت میں کئی لوگوں کی جان چلی جائے گی۔'' کامران نے سیدھے لفظوں میں حقیقت بیان کی۔ ایسے ان کے غیر ذمہ دارانہ رویے پر بہت حیرت ہورہی تھی۔

''تو ہمیں کون سا اس عمارت میں رہنا ہے۔ عمارت گر بھی گئی تو ہمارا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جانی نہ مالی۔'' نادر لغاری کے لہجے میں بے فکری تھی۔

''لیکن سر!'' کامران نے دوبارہ کوشش کرنا چاہی تو نادر لغاری کو اس کا انداز بری طرح کھلا۔

''نوکری کرنی ہے تو آرام سے کرو، میرے ایڈوائزر مت بنو۔ اب تم جاسکتے ہو۔'' انہوں نے ایک جملے میں بات مکمل کی۔ کامران ان فائلز کو اٹھا کر چلا گیا تو نادر لغاری نے تنفر سے سر جھٹکا۔

☆.....☆

''ریان کہاں ہے بھئی، ابھی تک آیا نہیں گھر؟'' نادر لغاری گھر پہنچے تو بیوی سے پہلا سوال اپنے بیٹے کے بارے میں کیا۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ وہ کہتے ہیں نا کہ انسان اصلی اور خالص محبت صرف اپنی اولاد سے کرتا ہے تو نادر لغاری پر بھی یہی بات پوری طرح صادق آتی تھی۔ اپنے اکلوتے بیٹے میں ان کی جان تھی۔

''وہ آج کل اپنے دوست کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کررہا ہے۔ یونیورسٹی سے سیدھا وہیں چلا جاتا ہے۔ بس پہنچنے ہی والا ہے۔'' نادر لغاری کی بیوی نے تفصیلی جواب دیا۔ اتنے میں ریان لاؤنج کا دروازہ

کھول کر اندر داخل ہوا۔
''السلام علیکم پاپا!''
''وعلیکم السلام، ہماری آنکھوں کا تارا کہاں رہتا ہے آج کل۔''
''یہیں ہوتا ہوں پاپا، بس آج کل ذرا مشہود کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کر رہا ہوں۔''
''تمہیں کمبائن اسٹڈی کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ تم کہو تو شہر کا سب سے مہنگا ٹیوٹر گھر آئے تمہیں پڑھانے کے لیے......اور......یہ مشہود کون ہے؟''
نادر لغاری نے بات کے اختتام پر بیٹے کی طرف دیکھا جو ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔
''پاپا! مشہود میرا بہت اچھا دوست ہے۔ ٹاپر ہے ہر سمسٹر کا۔ لوئر مڈل کلاس سے تعلق ہے۔ بہت لائق ہے پاپا وہ اور محنتی بھی۔ فل اسکالرشپ پر پڑھ رہا ہے یونیورسٹی میں۔'' ریان نے تفصیل سے بتایا۔
''ہاں بھئی! ان مڈل کلاسیوں کے پاس اور کوئی آپشن بھی تو نہیں ہوتا پڑھائی کے علاوہ۔'' نادر لغاری نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔
''پاپا! ایسے تو نہ کہیں، وہ واقعی بہت لائق ہے۔ مجھے ایک دو چیزوں میں مسئلہ ہے۔ وہ انہی میں میری مدد کر رہا ہے۔'' ریان نے دوست کا بھرپور دفاع کیا تو نادر لغاری مسکرا دیے۔
''اچھا مان لیا کہ تمہارا دوست واقعی بہت اچھا ہے۔ کھانا لگوائیں بہت بھوک لگ رہی ہے میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' نادر لغاری نے ریان کی بات کا جواب دیا اور ساتھ ہی بیوی کو کھانا لگانے کا کہہ کر کمرے میں چلے گئے۔

☆......☆

اگلے روز نادر لغاری آفس پہنچے تو ان کی میز پر کامران کا استعفیٰ رکھا ہوا تھا۔ اس روز کامران ان کے دفتر سے نکلتے ہوئے یہ فیصلہ کر کے گیا تھا کہ وہ اس گناہ میں شریک نہیں ہوگا۔ آج صبح وہ اپنا استعفیٰ جمع کروا گیا تھا۔
''کیا سمجھ رہا ہے یہ کہ اس کے چلے جانے سے ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا۔ لائن لگی ہوئی ہے بے روزگاروں کی۔ ایک اشتہار دو تو بیسیوں آنے کو تیار۔'' انہوں نے اس کے استعفے کو معمولی چیز کی طرح سائیڈ پر ڈال دیا۔
چند روز بعد ہی کامران کی جگہ نیا انجینئر آ چکا تھا اور بلڈنگ کی تعمیر کام اسی انداز میں جاری و ساری تھا بغیر کسی جرح اور سوال جواب کے۔ کہ سوال جواب کرنا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

☆......☆

دفتر میں نادر لغاری اپنی ٹیم کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھے۔ اس میٹنگ کا مقصد موجودہ تعمیراتی پروجیکٹس میں میٹریل کی زیادہ سے زیادہ بچت تھی۔ اس سلسلے میں گھٹیا ترین اور ایکسپائرڈ میٹریل اٹھانے اور استعمال کرنے کے حوالے سے تجاویز زیر بحث تھیں۔ معاً فون کی گھنٹی بجی۔
''ہیلو!''
''نادر!'' انہیں اپنی بیوی کی روتی ہوئی آواز سنائی دی۔
''کیا ہوا رو کیوں رہی ہو؟''
''چند سال پہلے آپ نے جو رہائشی عمارت بنائی تھی وہ گر گئی ہے۔'' نادر لغاری کی بیوی نے روتے ہوئے کہا۔
''تو تم کیوں رو رہی ہو؟ روئیں وہ جن کا نقصان ہوا ہے۔'' نادر لغاری نے کوفت سے کہا۔
''ہمارا بیٹا اس بلڈنگ میں اپنے دوست مشہود کے گھر میں موجود تھا۔ مرنے والوں کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل ہے۔'' یہ سن کر نادر لغاری لٹے ہوئے راہ گیر کی طرح بیٹھا رہ گیا۔ اسے لگا اس کی زندگی موت سے پہلے موت جیسی ہو گئی ہے۔

......☆......

pakistanipoint

pakistanipoint

ایقان علی

میں مسیحا

مسیحا گر

''درس گاہیں عبادت گاہوں کا درجہ رکھتی ہیں۔'' (سمیرا حمید)

کوئی بھی نیا قصہ کہنے سے پہلے ایک قصیدہ مجھے اپنی درس گاہ کے لیے کہنا ہے۔ وہ درس گاہ جو کسی

عبادت گاہ ایسی ہی محترم ہے۔ وہ عبادت گاہ جو میری مسیحا ہے۔

''ڈیرہ غازی خان میڈیکل کالج، ڈیرہ غازی خان۔''

ہلکے بادامی اور خوبانی رنگ کی یہ عمارت بڑے فخر سے اپنی جگہ ایستادہ آسمان کو تکتی رہتی ہے، آسمان والے نے اس پر بڑا احسان کیا ہے کہ اسے مسیحائی کے علم کے لیے چن لیا ہے۔ اس درس گاہ کی چار دیواری خود پر رشک کرتی ہے کہ ہر آتا جاتا اسے عزت سے دیکھتا ہے۔ اس چار دیواری کے ساتھ ساتھ لگے درخت بڑے فخر سے اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔ وہ آہنی سیاہ گیٹ جھک کر آداب کہتا ہے اور کورنش بجا لاتا ہے۔

اس دروازے سے اندر قدم دھرا اور جیسے ایک نئی دنیا وا ہو گئی۔ سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ اب جو آگے

قسط نمبر 11

ہے وہی کل ہے۔
وہ دنیا کسی پری کتھا جیسی ہے۔ کسی دیو مالائی کہانی کے قصے ایسی۔ سب کچھ بھلا دینے والی، بس اپنا بنا لینے والی۔
وہ پتھریلی روش یہاں وہاں سے آنے والے ان عام انسانوں کو خاص ہوتا دیکھتی ہے۔ طب سے منسلک وہ ان مسیحاؤں کے پاؤں چومتی ہے اور تھکتی نہیں ہے۔ دور تک پھیلے سرسبز میدانوں میں سر اٹھائے کھڑے بوٹے بھی اس مرکزی عمارت کو دیکھتے رہتے ہیں جس پر چاندی ایسے الفاظ میں درس گاہ کا نام جگمگا تا رہتا ہے۔ وہ اونچے اونچے درخت جو وہاں کے باسی ہیں ہمہ وقت اس درس گاہ کے ہمیشہ رہنے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔
یہ مسیحا بہت بڑا جوگی ہے، اس کے پاس بتلانے اور سکھلانے کو بڑے ٹوٹکے ہیں۔ یہ مسیحا گر بہت بڑا فلسفی بھی ہے۔ اس کا فلسفہ زندگی سنوار دیتا ہے۔ اس کی پوٹلی میں جو پہیلیاں ہیں وہ مسیحائی کی ہیں۔ اس مٹھ دھاری کے منتر بڑے کارگر ہیں۔ اس وید کی مٹھی میں دبے راز بڑے کامل ہیں، اس کا درس بہت پاک ہے۔ وہ جو انسانیت کا ہے رونے والے کو ہنسانے پر اکسانے کا ہے، دکھ پر سکھ کا مرہم رکھنے کا ہے۔ زہر کے تریاق کا ہے۔ وہ درس ''وازمرضت وھو یشفین'' کا ہے۔
اس جادو نگری میں، میں نے بڑے جادو دیکھے ہیں۔ اس خوابوں کی دنیا میں، میں نے مجسم خواب دیکھے ہیں، سفید پیراہن میں لپٹے خواب جو تعبیر بنے پھرتے ہیں۔
دنیا بھر کے دلکش رنگوں سے زیادہ دلکش سفید اجلے خواب جو یہاں وہاں گنگناتے، کھلکھلاتے پھرتے ہیں۔ اس طلسم نگری میں، میں نے بڑے جادو کامل ہوتے دیکھے ہیں۔ میں نے وہاں کئی بار معجزے بھی دیکھے ہیں۔
مجھے فخر ہے کہ اس دنیا نے مجھے بھی اپنایا ہے۔ اس دنیا نے مجھے بھی ایک عرصے کے لیے اپنا باسی بنا لیا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اس سنگلاخ روش پر میرے قدموں کے نشان بھی ثبت ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ وہاں فضا میں میری سانسوں کی بھی باس ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اس درس گاہ میں جو خواب مجسم ہوئے ہیں ان میں سے ایک میرا بھی ہے۔ مجھے فخر ہے کہ ایک سفید اجلی تعبیر مجھے بھی عنایت ہوئی ہے۔
مجھے فخر ہے کہ اس مسیحا گر کا چپہ چپہ مجھ سے بھی واقف ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ آہنی گیٹ خوش آمدید کہتا ہے۔ صبح صبح مجھے آتا دیکھ کر وہ پتھریلی روش مسکراتی ہے اور وہ سرسبز بوٹے مجھے صبح بخیر کہتے ہیں۔ روز گارڈن کے گلاب مجھے دیکھ کر کھلکھلاتے ہیں۔ مجھے خود پر رشک آتا ہے جب میں مرکزی عمارت پر چمکتے درس گاہ کے نام کے الفاظ کو اپنے لیے تعظیم سے دیکھتے دیکھوں۔ مجھے خود پر رشک آتا ہے جب وہ چکنے فرش میرے قدموں کا بوسہ لیتے ہیں۔ ڈپارٹمنٹس کے کھلے دروازے بڑے مان سے مجھے دیکھتے ہیں۔ ٹل کھاتی وہ سیڑھیاں میری راہ دیکھتی رہتی ہیں۔
مجھے اپنے لیے فخر محسوس ہوتا ہے کہ اس برگزیدہ عبادت گاہ نے مجھے بھی اپنے عبادت گزاروں میں سے ایک کر لیا ہے۔ مجھے خود پر رشک آتا ہے کہ ہاں میں بھی مسیحا ہوں۔ ہاں تو یہ قصیدہ ہے ہماری داستان کے مسیحا گر کا۔ کبھی دیکھیے گا اس درس گاہ کو، کسی صبح میں۔ جب چڑھتا سورج اپنی زرد کرنوں سے اسے سلام کرتا ہے یا پھر کبھی شام میں جب وہی سورج پگھلتا ہوا اپنی نارنجی روشنیاں اس درس گاہ پر قربان کرتا ہے۔

کسی دن کے وقت جب سفید تتلیاں (اور ہاں بھونرے بھی) یہاں وہاں اڑتے پھرتے ہیں یا کسی رات تاریکی میں جب وہ مسیحا گردو سے جگمگ کرتا نظر آتا ہے۔ کسی دن جب دھند کی چادر نے اسے اپنے آنچل میں لپیٹ رکھا ہو یا کسی جھلسے ہوئے دن جب وہ عمارت پسینے سے شرابور ہو، کسی لمحے جب سیاہ بادل اس پر چھائے ہوں اور موتیوں ایسی بوندیں اس پر لٹا رہے ہوں یا کسی ایسے وقت تیز ہوائیں یہاں وہاں خاک اڑاتی پھر رہی ہوں۔

اور بس دعا ہے، خالص دعا ہے کہ وہ درس گاہ ہمیشہ تک رہے۔ ''علم الابدان'' سکھاتی وہ درس گاہ کبھی تھک کر چُور نہ ہو، وہ درس گاہ اپنی مثال آپ ہو اور اس کا کوئی ثانی نہ ہو، (آمین)۔

☆.....☆

ایک لمبے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر وہ باپ بیٹا اپنی منزل کے سامنے تھے۔ آہنی گیٹ کھل رہا تھا۔ عثمان انصاری نے بغور وہ نیلے رنگ کا بورڈ دیکھا جس پر کالج کا نام کندہ تھا تو یہ منزل تھی۔

یہ وہ راستہ نہیں تھا جس پر وہ چلنا چاہتا تھا لیکن اسے وہی ملا تھا اسے اسی راستے پر کہیں پرانی منزل ملنا تھی۔

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ ابو کے ساتھ باہر نکلا۔ نیا دن پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو چکا تھا۔ پتھریلی روش پر معمول کی گہما گہمی تھی۔ سفید اوور آل پہنے اسٹوڈنٹس (خصوصاً لڑکیاں) آجا رہے تھے۔ کسی کی کلاس تھی، کسی کو وارڈ جانا تھا اور کسی کو کالج کے سامنے کینے سے اٹھتی ناشتے کی خوشبو بلا رہی تھی۔ ایڈمن بلاک سے کالج کے اندر داخل ہوتے ہی ڈھیروں کرسیاں موجود تھیں جن پر نئے آنے والے بچے اپنے والدین کے ساتھ موجود تھے۔

''تم ادھر رکو میں فارم لے کر آتا ہوں۔''

وہ کالج کی عمارت کے بیچوں بیچ بنے سبزہ زار کی ریلنگ کے پاس آ کھڑا ہوا۔ کئی پرندے چہچہا رہے تھے۔ اسٹوڈنٹس کے جتھے کے جتھے سیڑھیاں چڑھتے اور اوپر لیکچر تھیٹرز میں جا رہے تھے۔ گول سبزہ زار کے اردگرد گولائی میں بنے ڈپارٹمنٹس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

''ایسے ہی کہیں آپ بھی ہوں گے بھائی۔ کبھی میں بھی ان دروازوں، ان سیڑھیوں میں آپ سے ملوں گا۔ ہے ناں بھائی۔''

عثمان انصاری جانتا تھا کہ اس کا بھائی وہاں نہیں ہے لیکن اس کا دل یہ بات نہیں مان رہا تھا۔

''وہ یہیں ہے۔'' اس کی دھک دھک کرتی دھڑکن پُریقین تھی۔

یونہی نظریں بھٹکتی ہوئیں پیتھالوجی ڈپارٹمنٹ کے ساتھ دیوار پر لگی قد آدم تصاویر پر جا رکیں۔ وہ مختلف تصاویر تھیں۔ اسپورٹس ویک کے کچھ مناظر کی، کنسرٹ کی، سیمینارز کی..... وہ ایک ایک چہرے میں وہ چہرہ ڈھونڈتا رہا اور تھک گیا۔

☆.....☆

''بڑا کچھ سنا ہے میں نے GKMC (غازی خان میڈیکل کالج) کے بارے میں۔ سچی یار! بڑی گندی ریو ہے کالج کی، ارے بھائی یہاں جو ہوتا ہے، توبہ توبہ۔''

عثمان کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ دو لڑکے تھے جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے باتوں میں

مصروف تھے۔
''یہ معصوم معصوم صورتیں جو آ جا رہی ہیں ناں بھائی! ان کی شکلوں پر مت جائیو۔ یہ ایسی ایسی کریں گے ناں کہ الامان۔'' وہ صاف سی رنگت والا بڑبولا لڑکا مسلسل بول رہا تھا۔
''گورنمنٹ تو بند کر رہی ہے کالج، نہ اِدھر اسٹاف پورا ہے نہ پڑھائی کا کوئی پرسان حال ہے۔ بیسک سبجیکٹ تو پھر بھی جیسے تیسے پورے کروا دیتے ہیں لیکن کلینکل سائیڈ کا تو بھٹہ ہی بیٹھا ہوا ہے۔ سچی بڑی پکی خبریں ہیں مجھے۔''
عثمان خاموشی سے سن رہا تھا۔
''اتنی گندی والی فولنگ ہوتی ہے بھائی کہ اف توبہ! فزیکل کرتے ہیں لڑکے تو۔ فل غنڈا گردی، مار پیٹ، گالم گلوچ..... بندہ، بندہ نہیں رہتا۔''
اب عثمان کی بس ہوگئی۔ بس تو غالباً اس بڑبولے کے دوست کی بھی ہوگئی تھی۔
''ناں کر یار! ڈرا رہا ہے ناں مجھے۔''
''تو بھائی کو ہلکا لے رہا ہے۔ کمال ہے۔''
''سنا تو یار میں نے بھی ہے لیکن مجھے نہیں لگتا اتنی اخیر آئی ہوگی۔''
''اخیر.....! ادھر تو بیٹا جی سونامی آیا ہوا ہے۔'' وہ ذرا رکا۔
''لیکن تیرے بھائی کو ٹینشن نہیں، پوچھ کیوں؟'' بڑبولا دوست کے نزدیک ہوا۔
''راز کی بات ہے۔ اِدھر ایک سینئر سے سیٹنگ ہے میری۔ فورتھ ایئر کا ہے وہ۔ ابو کے دوست کا بیٹا ہے۔ اس نے ابو کو اچھی گارنٹی دی ہے کہ تیرے بھائی کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگانا۔''
''واہ بھائی مجھے بھی اپنے ساتھ رکھیو۔''
''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''
عثمان نے لمبی سانس بھری۔

☆.....☆

وہ خاموشی سے فارم مکمل کر رہا تھا جب دبی دبی سسکیوں کی آواز پر چونکا۔ اس سے ذرا فاصلے پر موجود کرسی پر بیٹھا لڑکا اس آواز کا ماخذ تھا۔ لڑکے کے ساتھ موجود آدمی جو غالباً اس کا باپ تھا جو فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''فارم غلط فِل ہوگیا ابو۔ (ہچکی) نام بولڈ لیٹرز میں لکھنا تھا، میں نے چھوٹا لکھ دیا (ہچکی) اب کیا ہوگا ابو (ہچکی)۔''
''اب یہ ہوگا کہ قیامت آجائے گی۔''
اس کے ابو سے پہلے وہ بولا۔ جی ہاں وہی بڑبولا۔
''اب سمندر خشک ہو جائیں گے۔ زمین دھنس جائے گی، آسمان پھٹ جائے گا۔'' قہقہہ۔
عثمان کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔
''بھائی میرے کیا ہوگیا؟ ریلیکس۔ یہ صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جو ایسے.....'' اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا فارم پکڑا۔ ''ایسے..... ایسے پھٹ بھی جاتا ہے۔''

وہ ہک دک، سوں سوں کرتا لڑکا بھی ششدر رہ گیا۔
''چل دونوں بھائی نیا فارم لے کر آتے ہیں۔''
''میرا نام حسن ہے۔''
سب جان گئے بڑبولے کا اصلی نام۔
''امان نصر اللہ۔'' اس نے ہچکی لی اور چہرہ صاف کیا۔
☆.....☆
''پتر! یہ فیس کدھر جمع ہوگی؟''
ابو ایڈمن بلاک سے باہر کھڑے کسی سے فون پر بات کر رہے تھے اور وہ فیس سلپ لیے پیچھے ہی باہر نکل رہا تھا جب اس دیہاتی سے آدمی نے اسے روکا۔
''انکل جی یہ نزدیک فیس اسپتال ہے DHQ، ادھر بینک میں جمع ہوگی۔''
''اسپتال! وہ کدھر ہے؟''
''انکل مجھے بھی پتا نہیں ہے۔ میں ابو کے ساتھ ہوں انہیں پتا ہو شاید۔''
جب ہی وہ لڑکی ان کی طرف آئی تھی۔ ''چلیں ابو جی میں نے ساری انفارمیشن لے لی ہے فیس کے بارے میں۔ ہم چلتے ہیں اسپتال۔''
عثمان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اپنی چال ڈھال، رکھ رکھاؤ اور بات کرنے کے انداز سے وہ کہیں سے بھی اس دیہاتی آدمی کی بیٹی نہیں لگتی تھی۔
''تجھے کیا پتا اسپتال کدھر ہے۔''
''میں نے ایڈریس پوچھ لیا ہے ابا..... مطلب ابو جی۔'' عثمان آگے بڑھنے کو تھا۔
''لے، پرایا شہر ہے، ہم ایویں گم ہو گئے تو۔ یہ بھی جا رہا ہے ہم اسی کے ساتھ چلتے ہیں۔'' لڑکی جز بز ہو گئی۔
''نہیں ابو ہم چلے جائیں گے۔ تھینک یو۔''
آخری لفظ عثمان سے کہا گیا تھا۔ وہ دیہاتی آدمی ابھی بھی تذبذب کا شکار تھا۔ اتنے میں ابو اندر آ گئے۔
''عثمان بیٹا آ جاؤ۔''
وہ باہر نکلا تو دیہاتی آدمی اور لڑکی بھی باہر آ گئے۔
''ابو! یہ بھی فیس جمع کروانے جا رہے ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے چلیں۔ انکل مجھے کافی پریشان لگ رہے ہیں۔''
ابو رک گئے تھے اور بغور اسے دیکھا۔ سالوں پہلے وہ نعمان کو ایک بار اسکول سے لینے گئے تھے تو وہ آدمی انہیں راستے میں ملا تھا۔ گرمی میں پسینے میں شرابور۔ نعمان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے اسکول کا گارڈ ہے اور گاڑی روکنے کو کہا تھا۔
''ابو! ہم گارڈ انکل کو ان کے گھر ڈراپ کر سکتے ہیں۔ اتنی گرمی میں وہ بیمار ہو جائیں گے۔''
''کیا ہوا ابو؟'' عثمان کی آواز انہیں حال میں کھینچ لائی۔ ایک ثانیے کو انہیں وہ آواز نعمان کی لگی۔

انہیں اس چہرے میں نعمان نظر آیا۔

☆.....☆

وہ تینوں پہلے سے بینک پہنچے ہوئے تھے۔ بڑبولا، اس کا دوست اور وہ مسٹر روندو۔
عثمان فارم، فیس اور سلپ لیے اندر آیا تو اس (بڑبولے.....سوری حسن) نے ایک مسکراہٹ اس پر اچھالی۔ وہ بھی ہولے سے مسکرایا اور ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کیشیئر سست روی سے کام میں مصروف تھا۔
''یہ کالج والے سچ میں ڈاکو ہیں۔ باقی کالجز سے زیادہ فیس لے رہے ہیں۔ نیا بنا ہے تو کیا اب ہم سے ایکسٹرا لے کر پیسا پورا کریں گے۔'' بڑبولے کو اعتراض کا مروڑ اٹھا۔
''نہیں یار کچھ کالجز میں اس سے بھی زیادہ ہے۔''
حسن نے ناک سے مکھی اڑائی (بہت ہو گیا بڑبولا)
''کتنا ست آدمی بٹھا رکھا ہے۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے تیس ہزار ہی نہیں گنے گئے اس سے۔''
عثمان ہنس دیا۔ وہ سالوں پہلے والا عثمان تھا۔ ہو بہو وہ، ہر بات پر معترض، ہر ایک سے بھڑ جانے کو تیار اور زبان.....الامان۔
اللہ اللہ کر کے اس کی باری آئی تھی۔ وہ آگے بڑھنے کو تھا لیکن وہ لڑکی ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ کنفیوژ سی وہ صاحبہ تیسری بار بقایا رقم گن رہی تھیں۔
''ایکسکیوزمی!'' وہ بولا تو وہ چونکی۔
''نی بشریٰ ہٹ جا راستے سے۔''
بشریٰ صاحبہ نقدی گنتی ہوئی ہٹ گئیں۔

☆.....☆

''ابا! خوامخواہ ہر بندے سے احسان لینے کی کیا ضرورت ہے بھلا، ہم آجاتے نا خود ہی لیکن نہیں، تو تو کسی کے کندھے کی تلاش میں رہتا ہے۔'' لڑکی اپنے دیہاتی باپ پر برس رہی تھی کہ عثمان کو آتے دیکھ کر چپ ہو گئی۔
''فیس جمع ہو گئی؟'' ابو نے پوچھا تو وہ لڑکی ہولے سے ''جی'' بولی۔
''تو آجاؤ بچے واپس چلتے ہیں۔''
''ہم چلے جائیں گے انکل آپ کا شکریہ۔ اب تو ایڈریس بھی پتا چل گیا ہے۔'' آدمی سے پہلے وہ لڑکی جلدی سے بولی۔ ابو ہنس دیے۔
''میں کوئی احسان نہیں کر رہا بچے! اگر آپ کو لفٹ دے رہا ہوں تو آپ میرے لیے بیٹیوں کی طرح ہو اور بیٹیوں کو یوں اکیلے نہیں چھوڑتے۔ آجاؤ خاموشی سے۔''
وہ کار میں کالج کی طرف جا رہے تھے جب ابو نے اس کا نام پوچھا۔
''عائشہ۔'' سبز آنکھوں والی لڑکی نے اپنا نام بتایا۔
''یہ میرا بیٹا عثمان ہے۔ آپ کلاس فیلو ہوا تو حق ہوتا ہے کلاس فیلوز کا ایک دوسرے پر۔''
دنیا واقعی بہت چھوٹی ہے۔ بہت ہی چھوٹی۔ اس لمحے وہ چار افراد ایک دوسرے کے ساتھ کیسے جڑے تھے وہ نہیں جانتے تھے۔ تقدیر جانتی تھی۔

☆.....☆

عثمان خاموش کرسی پر بیٹھا آتے جاتے اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہا کہ پیچھے سے آنے والی آوازوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔

''کیا نام ہے بیٹا تمہارا؟''

''آنٹی! ستارہ جہاں۔''

''ماشاءاللہ! بڑا پیارا نام ہے۔''

''جی آنٹی بس کبھی غرور نہیں کیا۔''

عثمان نے بمشکل ہنسی روکی اور نامحسوس طریقے سے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ بڑبولی لڑکی اب اس خاموش بیٹھی لڑکی کی طرف مڑی بیٹھی تھی۔

''میں نے سنا ہے جو پہلے دن ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھیں وہ اچھے دوست بن جاتے ہیں۔''

جواباً خاموش لڑکی خاموش ہی رہی۔ بس ہولے سے مسکرا دی۔ عین اسی لمحے دور کہیں کوئل بولی تھی۔ بڑی عجیب بات تھی۔ دسمبر میں کوئل کوک رہی تھی۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' عثمان کی ساری حسیں ادھر متوجہ ہوئیں۔

''ایمن رحیم۔''

اب کے کوئل پھر سے کوکی تھی۔ وہ پتا نہیں کیوں مسکرایا۔ بس آپوں آپ وہ مسکان لبوں سے آ چپکی تھی۔ وہ خود پر حیران ہوا۔

''نائس ٹو میٹ یو ایمن! آپ کہاں سے ہو؟''

''ملتان سے۔''

'اور تم؟''

''میں تو اِدھر ڈی جی خان سے ہی ہوں۔ ڈے اسکالر۔'' (ہاسٹل والے مقامی اسٹوڈنٹس کو ڈے اسکالرز کہتے ہیں)۔

''ہوں۔''

عثمان کا دل چاہا پھر سے مڑ کر پیچھے دیکھے۔ نہ جانے کیوں۔

کسی کے موبائل فون پر ٹون بجی تھی۔ نصرت خان صاحب تھے۔ فرما رہے تھے۔

آنکھ اٹھی محبت نے انگڑائی لی
دل کا سودا ہوا چاندنی رات میں
ان کی نظروں نے کچھ ایسا جادو کیا
لٹ گئے ہم تو پہلی ملاقات میں

فون اٹھانے والا شاید بہرہ ہو چکا تھا۔ سارے میں خان صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔

ان کی نظروں نے ہم پہ ایسا جادو کیا
خود تڑپ کر دل اُن کی طرف گیا

وہ اٹھارہ سالہ لڑکا گردن موڑے اس ملتانی دوشیزہ کو دیکھنے لگا۔ وہ عام سے نقوش والی لڑکی، سانولی

سی رنگت، واجبی سے نقوش۔ پر وہ آنکھیں..... ہائے وہ آنکھیں۔ ان میں کیا کیا نہیں تھا۔

محفل میں بار بار انہی پر نظر گئی
ہم نے بچائی لاکھ مگر پھر اُدھر گئی
اُن کی نگاہ میں کوئی جادو ضرور تھا
جس پر پڑی اُس کے جگر میں اُتر گئی

وہ اُداس آنکھیں بے تحاشا اداس، وہ دو آنکھیں..... عثمان انصاری کا پھر سے دل چاہا کہ گردن گھمائے اور اُن دو آنکھوں کو پڑھنے کی کوشش کرے۔

ہائے! اب کے جو نظر گھمائی تو وہ وہاں نہیں تھی۔

☆.....☆

وہ ابو کے ساتھ ہوسٹل کے وزٹ پر تھا۔

بوائز ہوسٹل ویسا ہی تھا جیسے بوائز ہوسٹل ہوتے ہیں۔ کسی کمرے کے باہر جوتوں کے ڈھیر تو کسی کے اندر۔ کسی کمرے کے فرش پر بچھا کارپٹ تو کسی کا برہنہ فرش۔ کسی میں چارپائی، کسی میں میٹریس اور کسی کسی میں بیڈ۔ کسی کمرے میں پڑھنے کے لیے میز کرسی لیمپ اور کسی میں جہازی سائز اسپیکرز اور بوفر۔ کسی میں الماریاں تو کسی میں بیگوں اور ٹرنکوں کے ڈھیر۔ کسی کمرے سے آئی ایئر فریشنر کی مہک اور کوئی سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا۔ کوئی صاف ستھرا نیا نکور اور کسی میں جالے، شاپر، گندے برتن۔

وہ ایک بگلے تھا۔ ہر طرح کے پھولوں سے بنا دلکش بگلے۔ ابو ایک سینئر کے پاس کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ وہ پاس جا کھڑا ہوا۔

''انکل! یہ بالکل گھر کی طرح ہے جیسے سب آپس میں اکٹھے رہتے ہیں مل جل کر ایسے ہی یہاں بھی ہم ایک فیملی ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شامل بھائی بھائی۔''

''میں نے سنا ہے یہاں بہت بری فولنگ ہوئی ہے۔'' عثمان نے تازہ ملی انفارمیشن جھاڑی۔ وہ مسکرایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''جب کوئی ہم سے ملتا ہے تو ہمارے بارے میں فالتو افواہیں پھیلا دیتا ہے۔ بھائی ہم بیسٹ ہیں۔ اب ہم سے سڑنے والے ہمارے بارے میں ایسی ہی بکواس کریں گے ناں۔'' عثمان لمحوں میں ہلکا پھلکا ہو گیا۔

''آپ ٹینشن نہ لیں انکل، یہ میرے بھائیوں کی طرح ہے۔''

وہ ابو کے ساتھ ہوسٹل سے باہر آ رہا تھا۔ جب اسے حسن (المعروف بڑبولا) ایسے مشہور و معروف سینئر بھائی کے پاس کھڑا نظر آیا۔

''تو ٹینشن نہ لے بھائی، کوئی تجھے ہاتھ تو لگا کر دکھائے تو بس میرے روم میں شفٹ ہو جا۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔''

''تھینک یو بھائی۔''

☆.....☆

کالج کی داخلی عمارت کے سامنے چبوترے پر وائٹ کوٹ سیرمنی کے لیے خوب صورت اسٹیج سجا ہوا

تھا۔ چبوترے کے نیچے روش پر کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ مستقبل کے مسیحا سفید اوور آلز میں ملبوس کھڑے اپنا اوتھ (OATH) دہرا رہے تھے۔ وہ چند انسان نہیں تھے، وہ چند خواب تھے جو جاگتی پلکوں سے نکل کر رواں زندگی میں ضم ہو گئے تھے۔ وہ خوش بخت انسان تھے۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہاں کھڑے ہونے کے لیے ملک کے لاکھوں کروڑوں بچے دعائیں مانگتے ہیں۔ وہ اوور آل پہننے کے لیے انتھک محنت کی جاتی ہے۔ ایک ایک سیٹ کے لیے ہزاروں لاکھوں دماغ جنگ لڑتے ہیں۔

خدا کو حاضر و ناظر جان کر اٹھائے گئے حلف یونہی باتیں نہیں ہوتیں، جب ہم کہتے ہیں کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں میں یہ کروں گا تو وہ کرنا بھی پڑتا ہے۔ تو وہی حلف تھا۔

''میں مسیحا ہو جاؤں گا ہر دکھیارے کے لیے۔ میرے ہاتھ مرہم ہو جائیں گے ہر زخم کے۔ میری زبان سے شفا ملے گی ہر مصیبت زدہ کو، میرے لمس لڑیں گے ہر بیمار کی بیماری سے، میرا وجود آج سے انسانیت کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ کوئی روئے گا تو میرا وعدہ ہے میں آنسو پونچھ ڈالوں گا۔ کوئی کراہ نکلے گی تو میں مرہم ہو جاؤں گا۔''

عثمان انصاری نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔ نظروں کے سامنے وہ چہرہ آ گیا جو اس سے کہہ رہا تھا۔

''امی ابو کا خیال رکھنا، اپنا خیال رکھنا۔''

☆.....☆

سردی ختم ہو چکی تھی۔ وہ حسن کے پاس کھڑا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب حسن صاحب کا لیکچر مرعوب ہو کر سن رہے تھے۔ کبھی دور سے روش پر اس لڑکے کو آتے دیکھا تھا۔ بلو جینز، وائٹ اوپن بٹنوں والی شرٹ، ڈھیلی سی ٹائی، پیروں میں سنیکرز۔ ایک کندھے پر بیگ تھا۔ داہنی ہاتھ کی دو انگلیوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے گلاسز اتارے تھے اور کھلے گلے میں اڑا لیے تھے۔

غرور..... یہ سب سے مناسب لفظ تھا جو اس کو دیا جا سکتا تھا۔ غرور..... وہ مجسم غرور تھا۔ ذرا تصور کریں کیسے ملتا ہوگا۔

غرور..... وہ ویسے ہی چلتا آ رہا تھا۔ بائیں بازو میں اس نے اوور آل لٹکا رکھا تھا۔ داہنی ہاتھ کی انگلیوں میں دبی سگریٹ سے اس نے کش لیا اور باقی سگریٹ سڑک پر پھینک کر رگڑ ڈالا۔ دھوئیں کے مرغولے سے پرے وہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

دور کھڑی ایمن نے ستارہ کی باتیں سنتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

وہ چہرہ ایسا نہیں تھا کہ بس ایک نظر ڈالو اور بات ختم۔ نہیں بات تب شروع ہوئی تھی جب وہ نظروں کو نظر آ جاتا تھا۔ اب بس دیکھو پھر..... پھر..... پھر..... بار..... بار۔ فلمی باتوں اور مبالغہ آرائی سے قطع نظر ایسے قدرت نے حقیقتاً فرصت سے تراشا تھا۔ اس کے ایک ایک انداز، ایک ایک رخ پر نظر اٹک جاتی تھی۔ وہ دو آنکھیں..... ہائے وہ دو آنکھیں۔

غرور، یہ لفظ انتہائی موزوں ہے۔ ان سیاہ ذہین آنکھوں میں غرور تیرتا تھا۔ وہ ناک..... وہ تیکھی ناک، غرور یہ لفظ اس کی ناک کے لیے ہی بنا تھا۔ وہ چہرہ، ہائے وہ چہرہ۔ اس کے بال ماتھے پر پڑی ہوئی

چند تیوریاں، اس کے کانوں سے بل کھا کر پیچھے جاتے بال ہائے غرور، بس یہ یاد کرلو۔
عائشہ دین محمد نے دو قدم آگے ہو کر اسے پھر سے دیکھا۔ وہ آج تک خود پر فدا اور قربان ہوتی آئی تھی۔ اسے لگتا تھا کائنات کی وہ واحد اور آخری حسین تخلیق ہے۔ اب اس کا غرور، اس کا بھرم، سب پاش پاش ہو گئے۔ وہ کیفے کی سیڑھیاں چڑھتا اندر جا چکا تھا۔ سب کی مضطرب نظریں یہاں وہاں بھٹکتی رہ گئیں۔ کیفے کی سیڑھیوں پر کھڑی قسمت ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی تھی۔ اس نے کیسی کیسی چالیں چل کر یہ بساط بچھائی تھی۔ نجانے کہاں کہاں سے کیسے کیسے وہ ان انجان افراد کو وہاں اس مقام پر لے آئی تھی۔ اب جو کہانی اس نے کہنی تھی وہ سب اس کے مرکزی کردار ہونے والے تھے۔
ابھی جو اس لڑکے کو دیکھ کر ان انسانوں نے محسوس کیا تھا وہ صرف کشش نہیں تھی، وہ ان سب کا نصیب تھا۔ ان تینوں کے مقدر کا ذرا ذرا حصہ جو اس چوتھے انسان کے پاس تھا۔

☆.....☆

سب تتر بتر ہو چکے تھے۔
دن ڈھل چکا تھا۔ شام ہولے ہولے سارے مسیحا گر کو اپنی آغوش میں لپیٹ چکی تھی۔ بچوں کو ان کی منزل پر چھوڑ کر والدین اب واپس جا رہے تھے۔
''آ رہی ہوں، آ رہی ہوں، کیا ہو گیا۔ دماغ کھا لیا میرا۔'' ستارہ نے اٹھا کر فون کان سے ہٹایا اور ایمن کی طرف مڑی۔
''چلو اب میں چلتی ہوں۔ بھائی گیٹ پر کھڑا ہے۔ اب میں دو منٹ اور نہ گئی تو وہ قضائے الٰہی سے وفات پا جائے گا۔ کل کلاس میں ملیں گے۔''
وہ چلی گئی تو خالہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''شام بہت ہو گئی ہے ایمن بچے، میرا خیال ہے اب مجھے بھی گھر کے لیے نکلنا چاہیے۔ اڑھائی تین گھنٹے تو لگیں گے ملتان پہنچتے پہنچتے۔''
ایمن ان کے برابر چلتی باہر جانے والی روش پر آ گئی۔
''بڑی مشکلیں دیکھی ہیں تو نے میری بچی! پہلے باپ چلا گیا، پھر بہن، پھر ماں۔ بھائی کا کچھ پتا نہیں کہاں ہے۔'' وہ رکیں تو ایمن کو بھی رکنا پڑا۔
انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں لیا۔ ''خدا تجھے ہر مصیبت، ہر آفت سے بچائے۔ اب تجھے کسی اور آزمائش میں نہ ڈالے۔''
اسی ڈھلتی شام میں ایڈمن بلاک کی سیڑھیوں پر بیٹھے دین محمد نے آخری بار غور سے اپنی سبز آنکھوں والی بیٹی کو فکرمندی سے دیکھا۔ ''دنیا کا کچھ بھروسا نہیں ہے دھی رانی! ادھر بھیڑیے انسانوں کا روپ لیے شکار ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کس باپ کا دل چاہے گا اپنی بھولی بھالی اولاد کو ایسے ظالم معاشرے میں اکیلے چھوڑنے کا۔''
عائشہ نے نرمی سے باپ کا ہاتھ تھاما۔ ''تو فکر نہ کرا با! بھیڑیوں کی اچھی پہچان ہو گئی ہے مجھے اور ان سے نبٹنا بھی آ گیا ہے۔ تیری دھی بڑی بہادر ہے۔''
''پتا ہے دھی رانی۔''
''ابا! تو میرا اعتبار کر۔ اب میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گی جس سے تیری دستار زمین پر آ گرے میرا

تیرے سے وعدہ ہے۔''

نارنجی روشنیاں بڑی تھکی تھکی تھیں۔ سائے اب مدھم پڑنے لگے تھے۔ پارکنگ میں کھڑی کار کے پاس ابو کھڑے تھے اور ان کے عین سامنے ابو کا چھوٹا بیٹا۔

''یہ دوسری شام ہے جو مجھے میرے جان سے پیارے بیٹے سے جدا کر رہی ہے۔ مجھے شاموں سے اسی لیے خوف آتا ہے۔''

وہ خاموش کھڑا تھا۔

''عثمان! بچے اِدھر آؤ۔''

انہوں نے آگے بڑھ کر اسے دونوں کندھوں سے تھاما۔ ''تم آج یہاں کھڑے ہو تو ہم دونوں جانتے ہیں کیوں کھڑے ہو، یہ تمہاری مرضی نہیں ہے تو ابھی اسی وقت واپس مڑ جاؤ۔ تمہیں اپنا آپ مار کر کوئی اور ہو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں نعمان انصاری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ راستہ تمہارا نہیں ہے تو ابھی اپنا راستہ بدل لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

وہ ہولے سے مسکرایا۔

''آپ سمجھ نہیں رہے ابو۔ میں اگر اس کے جیسی زندگی جینے کی کوشش کر رہا ہوں، اس کے جیسے بننے میں لگا ہوا ہوں تو یہ کوئی احسان نہیں ہے یہ کوئی قرض نہیں ہے۔ یہ فرض ہے۔ مجھے یہی تو کرنا ہے۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے ابو۔ میرا راستہ یہی ہے۔ یہی میری جگہ ہے۔ وہ جو مجھے زندگی کا تحفہ دے کر گیا ہے کیا اس کے علاوہ بھی اور کوئی مصرف ہے اس کا۔'' وہ مجھے کہہ کر گیا ہے کہ مسیحا بننا۔ میں کچھ اور بن سکتا ہوں ابو؟''

اس کے کندھے کو تھپتھپا کر ابو مڑے تھے۔

''ابو!''

اس کی پکار پر وہ مڑے۔

''میں اچھا بیٹا ہوں ناں ابو۔''

ابو نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔

آنسوؤں کی ایک باریک لکیر عثمان کے گال پر بہہ نکلی۔ اس کی آواز رندھ چکی تھی۔

''بھائی مجھے بہت یاد آتا ہے۔ آپ دعا کیجیے گا وہ ہمیشہ بس میری یاد میں رہے، وہ مجھے آملے اور ہمیشہ میرا رہے۔''

کچھ دور احسان اپنے باپ کے پاس کھڑا ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ حسن نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''انکل! آپ فکر نہ کریں۔ یہ میرا بھائی ہے۔ میں اسے کسی چیز کی بھی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ شام بڑی اداس تھی۔ تھکی تھکی سی ہوا بدن سے ٹکراتی تھی اور خوامخواہ رونے کو دل کرتا تھا۔ ڈھلتے سورج کی آخری کرنیں کالج کی مرکزی عمارت پر کندہ کالج کے نام کے چاندی ایسے الفاظ کو چمکا رہی تھی۔

ایک سفر ختم ہو چکا تھا۔ ایک سفر شروع ہونے والا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

زرقا بھٹی

زیست بامید مرگ

آج اسے اپنا وجود جتنا بے رنگ، ڈل، بور اور غیر اہم لگ رہا تھا اتنا پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔۔ وہ لاتعداد اور رنگ برنگے پھولوں کی قطاروں میں بھی خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔ چھوٹا اور ادنی..... بے وقعت اور غیر دلچسپ۔ جسے مالن نے باغیچے میں لگا تو دیا تھا مگر اسے کبھی کسی نے چھونا تو درکنار نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔

اتنے ہجوم میں بھی تنہائی کا احساس.....

pakistanipoint

اتنے قہقہوں میں صرف اسی کے لب ساکن.....
وہ انسان تھی مجسمہ تو نہیں۔ پھر سب اسے مجسمہ کیوں سمجھ رہے تھے؟ بے جان اور بے وقعت.....کم از کم اس پل اسے تو اپنا وجود ایسا ہی محسوس ہوا تھا بے رنگ پھول جیسا، پتھر کے مجسمے جیسا۔ وہ کتنی ہی دیر فریحہ اور میمونہ کے ساتھ بینچ پر بیٹھی رہی تھی بالکل کسی اسٹیچو کی طرح۔ جاگنگ ٹریک پر چکر لگانے کے بعد آج پھر وہ بھوری آنکھوں والا، دل کو فتح کر لینے والا نوجوان آیا تھا اور معمول کے مطابق اسی بینچ کے سامنے آکر اس نے اپنے قدموں کو بریک لگائی تھی۔ اپنی سانسیں ہموار کرتے وقت اس کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی مگر یہ اس کے لیے نہیں تھی۔ وہ تو اتنی خوش قسمت ہو ہی نہیں سکتی کہ ایک خوبرو نوجوان اس کے لیے ادا سے مسکرائے کہ وہ اپنے آپ کو ملکہ الزبتھ یا پھر لیڈی ڈیانا سمجھنے لگے۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں جہاں فریحہ اور میمونہ

ناولٹ

pakistanipoint

کھل گئی تھیں وہیں تہنیت کے اندر سناٹا چھا گیا تھا اور چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا۔

''اوہ..... بیوٹی فل گرلز کیسی ہیں آپ؟'' کچھ توقف کے بعد وہ اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بڑے تپاک سے گویا ہوا تو وہ دونوں خوشی سے کھل اٹھیں۔

''ہم بالکل ٹھیک ہیں..... آپ سنائیں کب سے چکر لگا رہے ہیں؟..... سارا وزن آج ہی کم کرنا ہے۔'' فریحہ نے خاصے دوستانہ انداز میں بات مزاح کی طرف گھمائی۔

''میرا ویٹ جتنی جلدی لوز ہوتا ہے اتنی ہی جلدی گین بھی ہو جاتا ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے بولا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر ایکسرسائز کے انداز میں جسم کو جنبش دینے لگا۔

''ویسے آپ کو ضرورت نہیں ہے ویٹ لوز کرنے کی۔ آپ اچھے خاصے فٹ ہیں۔'' اس مرتبہ میمونہ نے اس کی جسامت کو دیکھ کر اپنی رائے دی جس میں بلاشبہ مبالغہ آرائی نہیں تھی۔

''اوہ، رئیلی..... آپ نے تو مجھے خوش کر دیا اب تو میں پکا ویٹ گین کروں گا وہ بھی خوشی سے۔'' اس کا جھکا ہوا سر ایک بار پھر اوپر اٹھا، ماتھے پر گرتے fringe کٹ کے بال جھٹکے سے پیچھے کھسک گئے۔

''اچھا میں چلتا ہوں ابھی دو چکر اور لگانے ہیں۔'' رسٹ واچ پر دیکھنے کے بعد وہ مصروف سے انداز میں فوجی کی طرح ماتھے پر ہاتھ رکھ کر خدا حافظ کہتا وہاں سے چلتا بنا مگر مجال ہے جو اس نے ایک نظر بھی تہنیت پر ڈالی ہو۔ بندہ بدتمیز ہو، بداخلاق ہو، مغرور ہو مگر کم از کم اس میں اتنے میز نرز تو ہوتے ہی ہیں کہ وہ ساتھ بیٹھے نئے چہرے کا تعارف ہی پوچھ لے۔ میمونہ اور فریحہ ایسی ہی ہیں، اپنے ساتھ بندے کو خوشی سے بٹھا تو لیتی ہیں مگر فراموشی کے لیے۔ ان سے یہ امید اور گلہ تو تھا ہی بے کار مگر اس پڑھے لکھے نوجوان سے اتنی فضول حرکت کی توقع اسے کم از کم بالکل نہیں تھی۔ وہ پانچ منٹ کھڑا باتیں کرتا رہا مگر ایک نظر اٹھا کر اس نے تہنیت کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ اتنی بے توجہی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ جیسے ہی وہ آدھا چکر پورا کر کے مڑا تو وہ غصے سے جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا ہے؟ کہاں جا رہی ہیں؟''

''گھر۔'' میمونہ نے حیرت سے پوچھا تو وہ بھڑک اٹھی۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ میرا یہاں دم گھٹ رہا ہے۔'' وہ بھڑک کر تیز تیز قدم آگے بڑھانے لگی تو وہ دونوں بھی کچھ الجھ کر اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کے تعاقب میں بھاگ لگیں۔

''کمال ہے، چار دیواری میں دم گھٹتا تو سنا ہے مگر کھلے آسمان کے نیچے دم گھٹنے پہلی بار سن رہی ہوں۔'' فریحہ بڑبڑائی مگر تہنیت اگنور کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆

گھر آ کر وہ خالہ کے ساتھ اتنی بزی ہوئی کہ پارک والی بات اور جاگنگ ٹریک پر بھاگتا وہ خوش شکل مگر بدتمیز اور نخریلو انسان اس کی سوچوں سے بڑے ہی آرام سے کھسک گیا۔ خالہ کے ساتھ بچپن سے ہی اس کی بہت دوستی تھی۔ وہ بے شک عمر میں اس سے بڑی تھیں مگر ان کی شخصیت کا نرم تاثر اور شگفتہ انداز اسے ہمیشہ ہی متاثر کیا کرتا تھا شاید ماما سے بھی زیادہ۔ جس کی وجہ فقط اتنی تھی کہ ماما سنجیدہ تھیں اور خالہ سے وہ ہر طرح کے موضوع پر آرام سے گفتگو کر لیا کرتی تھی اور جواباً وہ بھی اس کی ذہنی سطح پر آ کر بات کرتیں۔ آج وہ دونوں شعر و شاعری پر گفتگو کر رہی تھیں اور یہ سلسلہ چھیڑنے والی خالہ کی چھٹکی فریحہ تھی جو فلور کشن پر بیٹھی بڑے انہماک سے یوں کتاب میں

سر جھکائے ہوئے تھی جیسے پتا نہیں کون سا معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر میمونہ کے پوچھنے پر وہ کچھ اکتا کر بولی۔

''سمجھ میں نہیں آرہا، یہ غالب کی شاعری کی خاص بات کیا ہے؟''

اس کے چہرے کے پریشان تاثرات دیکھ کر خالہ اور تہنیت دونوں کی مشترکہ ہنسی چھوٹ گئی۔ میمونہ نے بھی قہقہہ لگا کر چائنیز رولز میز پر رکھ دیے، جو وہ ابھی ابھی بڑی محنت سے بطور خاص سب کے لیے بنا کر لائی تھی۔

''یہ سوال تمہارے ذہن میں کہاں سے آگیا؟'' میمونہ ایپ پلیٹ میں کیچپ ڈالتے ہوئے اس کا تمسخر اڑا رہی تھی مگر وہ ہنوز اسی اکتاہٹ سے گویا ہوئی۔

''ہر کتاب میں غالب گھسا ہوتا ہے۔ کبھی غالب کے خطوط تو کبھی غالب کی شاعری اب میرے جیسے بندے کو کہاں سمجھ آتی ہے یہ مغلیہ دور کی بھاری اردو، پہلے معنی دیکھو ہر لفظ کے پھر جا کر کہیں جوڑ جوڑ کر مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔''

''اچھا تو بیس منٹ سے محترمہ غالب کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں؟'' تہنیت نے اس کی پریشان آواز پر شریر سے انداز سے گردن موڑی اور اس نے بنا تاخیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لاؤ میں تشریح کر دیتی ہوں۔'' تہنیت بڑی نرمی سے کہتی اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر اس کے ہمراہ فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ویسے شعر کیا ہے؟'' میمونہ نے چائنیز رول کیچپ میں ڈبو کر خاصی سنجیدگی و تجسس سے پوچھا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا تو میں کیا ہوتا

وہ بلاتوقف بولی۔

''فریحہ، شاعر سادہ سے لفظوں میں تم سے یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ اگر تم دنیا میں نہ بھی آتیں تو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔ خوامخواہ ہی تم نے دھرتی پر بوجھ ڈال دیا۔ اب دیکھو پاکستان کی آبادی ایک سو ستانوے ملین سے زیادہ ہے۔ اب کم از کم ایک تو صفر کم ہوتا اس میں سے۔'' اپنی بات کے اختتام پر میمونہ نے رول منہ میں ڈال لیا۔ خالہ اور تہنیت ایک بار پھر ہنس پڑیں جب کہ فریحہ چڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے رول تو کھالو۔'' اسے منہ بسورے روم سے جاتا دیکھ کر خالہ نے روکنا چاہا۔

''جانے دیں ماما اسے۔ مجھے پتا ہے اس کا، کچھ دیر بعد آکر خود ہی کھالے گی۔'' میمونہ نے پھر سے چوٹ کی۔

تہنیت خاموشی سے ان ماں، بیٹی کی اس گفتگو کو انجوائے کرتی رہی۔ وہ جانتی تھی میمونہ اور فریحہ کے مزاج کو کہ وہ یونہی ہلکی پھلکی شرارتیں اور نوک جھونک کرتی رہتی ہیں۔ اسی لیے کسی بھی بات کو سر پر سوار کیے بنا وہ فریحہ کی دوبارہ آمد کا انتظار کرنے لگی تاکہ اسے تشریح سمجھائے جو اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بچپن سے ہی اس کی اردو اچھی تھی اور ادب سے اسے خاصا لگاؤ بھی تھا۔ اردو ایم اے بھی اس نے اپنے اسی شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ فی الحال وہ خالہ اور میمونہ کے ساتھ رولز کھانے لگی جو بلاشبہ لذیذ تھے۔

☆.....☆

خالہ کے گھر آئے ہوئے اسے تین دن ہو گئے تھے۔ وہ ان کے کام میں ہاتھ بٹا دیتی اور دنیا جہاں کے موضوعات پر گفتگو تو خیر اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا ہی۔ خالہ بھی برابر اس کے لیول پر آکر گفتگو کرتی تھیں شاید یہی وجہ تھی ان کے ساتھ رہ کر اسے اپنے موڈ اور مزاج میں ہلکے پن کا احساس ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھر پر رہ کر بھی کبھی بور نہیں ہوئی۔ دو دن سے میمونہ اور فریحہ بھی واک پر نہیں گئی تھیں۔ فریحہ اپنے ٹرم ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی اور میمونہ اس کے

بغیر جاتی ہی نہیں تھی لیکن آج یوں بیٹھے بیٹھے ہی فریحہ پرجوش سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو آج واک پر چلتے ہیں؟''

میمونہ جھٹ تیار ہوگئی۔ اسے مزہ جو آتا تھا وہاں جانے میں۔ دونوں انجوائے بھی خوب کرتی تھیں مگر تہنیت کو بے ساختہ ہی وہ بھوی آنکھوں والا، مغرور اور بداخلاق انسان یاد آگیا اس کی فٹ جسامت اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی مگر ساتھ ہی اس کی نظر اندازی پر دل برا ہوگیا۔ پہلی ہی بار اس کا تجربہ واک کا کچھ اچھا نہیں رہا تھا۔ تبھی ایک بار پھر اس کا اندر گرم ہوا اور اس نے جھٹ نفی میں گردن ہلائی۔

''میں نہیں جاؤں گی، مجھے خالہ کے ساتھ بازار جانا ہے۔'' اس نے فوراً بہانہ بنایا۔

''خالہ اس سے کل سے کہہ رہی تھیں بازار جانے کا، انہیں کچھ شاپنگ کرنا تھی مگر کل اس کا موڈ نہیں تھا لیکن آج کم از کم وہاں خاموش بے عزت ہونے سے تو بہت بہتر تھا کہ وہ بازار جا کر خالہ کے ساتھ خوار ہو۔ شاپنگ میں تھکن ہے کم از کم دکھ تو نہیں۔''

''تہنیت آپی بازار کل چلی جانا، آج ہمارے ساتھ چلیں۔'' فریحہ نے اس کا بازو ہلا کر باقاعدہ بچوں کی طرح ضد کی۔

اتنی بار منع کرنے کے بعد بھی وہ بضد رہی تو بادل نخواستہ وہ اسی وقت ہاتھ منہ دھو کر انہیں سادہ سے کاٹن کے کھڑے پاجامے اور شرٹ میں ان کے ساتھ ہولی لیکن دل برابر دعائیں مانگ رہا تھا کہ کاش وہ آج وہاں نہ آیا ہوتا کہ اس کا موڈ خراب نہ ہو مگر دعا مانگتے ہوئے شاید وہ بھول گئی تھی کہ وہ انسان بداخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی فٹنس کے معاملے میں خاصا محتاط اور پابند ہے اسی لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ نگاہوں سے اوجھل رہے۔ پہلی ملاقات میں اسے پورے جاگنگ ٹریک پر وہی فرد واحد تو نظر آیا تھا اور تب وہ یہی دو باتیں اس شخص کے بارے میں سمجھ پائی تھی۔

بینچ پر بیٹھنے کے پانچ منٹ بعد ہی اسے وہ ٹریک سوٹ میں ہیڈ فون کان میں لگائے پوری مستعدی سے بھاگتا دکھائی دیا تھا۔ پہلی نگاہ اس پر پڑتے ہی تہنیت کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔ پتا نہیں حلق تک کیوں کڑوا ہوتا محسوس ہو رہا تھا؟ شاید اسے اپنی بے قدری، نظر انداز کرنے کا احساس ایک بار پھر یاد آگیا تھا۔ اب کی بار وہ ان سب سے بچنے کے لیے ہاتھ میں تھامے اپنے سیل فون پر نظریں جمائے بلا ضرورت ہی مختلف آپشن دیکھنے لگی۔ وہ لڑکا معمول کے مطابق اسی بنچ کے سامنے آکر رکا۔ فریحہ اور میمونہ کو دیکھ کر اس کے لب مسکرائے تھے۔

''بڑے دنوں بعد ملاقات ہو رہی ہے، کہاں غائب تھیں آپ دونوں؟'' اس کے خوشی و حیرانی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''میرے اگزامز ہو رہے تھے سو میں بزی تھی۔'' فریحہ نے جھٹ جواب دیا۔

''اور آپ؟ آپ کے تو ایگزامز نہیں تھے ناں؟'' اب اس نے باقاعدہ گردن ساتھ بیٹھی میمونہ کی جانب موڑی اور پھر یوں بولا جیسے گلہ کر رہا ہو۔

''میرا دل نہیں کیا فریحہ کے بغیر آنے کا۔'' اس نے تھوڑا اداس منہ بنا کر اپنی بہن کی سائیڈ لی اور وہ بے چارہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''بڑا پیار ہے دونوں بہنوں میں۔'' اور پھر کتنی ہی دیر وہ ان سے باتیں کرتا رہا لیکن اپنی عادت و مزاج کے عین مطابق اس نے ایک نظر بھی ساتھ بیٹھی خاموش موبائل پر لگی تہنیت پر نہیں ڈالی تھی البتہ تہنیت نے سیل فون سے نظریں اٹھا کر ایک بار اس شخص کو گھورا مگر وہ تو جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔ وہ تو ان کے ساتھ آئی ہی نہیں تھی۔ یہ احساس اب مزید گہرا ہو گیا تھا۔ کتنی دیر وہ باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ باتوں باتوں میں جب فریحہ نے بتایا کہ وہ میتھس میں خاصی

کمزور ہے اور الجبرا کے سوال تو اس سے حل ہی نہیں ہوتے تب اس لڑکے نے بڑی اپنائیت سے اسے پیشکش کی۔

''اس میں کیا مشکل ہے؟ بس فرمولاز آنے چاہئیں derive میں کروا دوں گا۔ ویسے بھی میرا میتھس بہت اچھا ہے جب کرنا ہو تو ساتھ لے آنا۔''

تب تہنیت نے پہلی بار غور سے اس عجیب و غریب انسان کو دیکھا تھا، نہیں بس بہت عجیب۔ وہ اس کے متعلق کوئی رائے ہی قائم نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ کس قسم کا انسان ہے، اچھا یا برا۔ جس کی فرنچ کٹ داڑھی اس پر خاصی جچ رہی تھی، اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور اعتماد تھا۔ کتنی دیر وہ اسے ان کے ساتھ باتیں کرتا دیکھتی رہی۔

''کتنا فالتو انسان ہے کوئی اور کام کرنے کو ہے ہی نہیں جیسے اس کے پاس۔'' ماتھے پر سلوٹیں ڈالے اس نے خاصی تلخی سے سوچا۔ تہنیت نے موبائل سے باقاعدہ وقت نوٹ کرنا شروع کر دیا۔ آخر اسے بھی تو کوئی مصروفیت چاہیے تھی۔ وہ پندرہ منٹ تک دونوں کے ساتھ محو گفتگو رہا۔ ان کا موضوع پڑھائی سے لے کر قدرتی خوب صورتی اور صحت کے کارآمد نسخوں تک ہی محدود تھا۔ وہ بظاہر لاتعلقی کا اظہار کرتی ہوئی بغور ان کی باتیں سن رہی تھی مگر اس کے اندر جو اپنی ذات کو بے وقعت سمجھے جانے کا ایک کہرام مچا ہوا تھا اس پر وہ بمشکل قابو پاتی رہی۔

''او کے میں چلتا ہوں میمونہ، فریحہ اور اسٹڈیز میں کوئی بھی مشکل ہو تو میں حاضر ہوں۔'' اسی شریر انداز میں کہتے ہوئے اس نے فوجی انداز میں ماتھے پر ہاتھ رکھ کے خدا حافظ کا اشارہ کیا اور پھر چیونگم چباتا ہوا واپس جاگنگ ٹریک پر بھاگنے لگا۔ اس کے جاتے ہی تہنیت نے گہری سانس خارج کر کے جیسے خود کو کسی وقتی قید سے رہا کیا۔

''اٹھو چلیں میمونہ بہت ہو گئی واک۔'' تہنیت ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور تلملاتے ہوئے بولی۔

''مگر ابھی تو ہم آئے تھے، تھوڑی دیر اور رک جاتے ہیں۔'' میمونہ نے تحیر زدہ انداز میں التجا کی جسے اس نے بڑی بے دردی سے رد کر دیا کیونکہ وہ ایک بار پھر اس فضول انسان کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔

پارک سے جاتے ہوئے جانے کیوں اس نے آخری بار مڑ کر اس شخص کو دیکھا جو دور، سرو کے پودوں کے اس پار بڑی تیز رفتاری سے بھاگتا ہوا دکھائی دیا اور پھر غصے سے گردن گھما کر وہ پارک سے باہر نکل آئی تھی۔

☆.....☆

ان دو دنوں میں جتنی توہین اور حقارت کا احساس اس کے وجود میں اترا تھا اتنا کافی تھا۔ کل آخری بار پارک سے یہ کہہ کر اس نے قدم باہر رکھے تھے کہ ''آج کے بعد وہ کبھی اس جگہ نہیں آئے گی۔ لاہور کا ایک ایک چپہ اور کونا چھان لے گی مگر مڑ کر اس پارک کو دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔ اگلے روز اس نے ہو بہو ایسا ہی کیا تھا۔ میمونہ اور فریحہ کے آگے اس نے اپنے ارادے پست نہیں ہونے دیے تھے۔ کتنے ترلے، منتوں اور لالچ کے باوجود وہ اپنے فیصلے پر بضد رہی۔ پارک کے نام پر اس کے چہرے پر اترنے والے سخت تاثرات شاید ان دونوں نے بھانپ لیے تب ہی مزید اصرار کرنے کی جسارت انہوں نے نہیں کی تھی اور بالآخر خاموشی سے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ وقت اس نے خالہ کے ساتھ گزارا تھا جو بلاشبہ اس کی زندگی کے بہترین لمحوں میں سے ایک تھا۔

خالہ کی شخصیت بڑی دلچسپ تھی، اس لیے کہ وہ ایک عام گھریلو خاتون ہونے کے ساتھ تمام زندگی اسکول میں گورنمنٹ جاب بھی کرتی رہی تھیں۔ اسی لیے ان کے تجربات، باتوں اور نصیحتوں سے جو مہک

اٹھتی وہ سیدھا دل میں بسیرا کر لیتی تھی۔ جب وہ باتیں کرنے بیٹھتیں تو ان کے درمیان خالہ، بھانجی سے زیادہ سہیلیوں کا رشتہ ہوتا تھا۔

☆.....☆

واپس آ کر نہ ہی انہوں نے داک کے بارے میں کوئی بات کی اور نہ ہی اس نے پوچھا شاید وہ دونوں اس کے سنجیدہ اور سردانکار پر کچھ ڈر گئی تھیں۔ اسی لیے اس موضوع کو دوبارہ چھیڑنا انہوں نے مناسب نہیں سمجھا البتہ اگلی شام کو اس نے میمونہ اور فریحہ کو ریاضی کی کتاب، رجسٹر اور بال پوائنٹ ہاتھ میں تھامے لاؤنج سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ فریحہ واقعی اس سے پڑھنے جا رہی ہے؟ اس کے اندر سے آواز آئی مگر ایسا بے مروت، بدتمیز اور بدلحاظ انسان بھلا کسی کو کیا پڑھائے گا؟ جسے خود تعلیم، اخلاق اور میز نہیں سکھا سکی وہ بھلا کسی کو اور کس چیز کی تعلیم دے گا، ہونہہ۔ اس نے تلخی سے سوچا۔ غالباً خود ہی سوال کر کے خود ہی اس کا بڑا ہی مناسب جواب بھی دے دیا۔

وہ اس وقت رسالہ ہاتھ میں تھامے ایک آرٹیکل پڑھنے میں مصروف تھی مگر اس کی توجہ جو وہاں سے ہٹی تو پھر منتشر خیالات کو اکٹھا کرنا ناممکن ہی رہا۔ اس لیے چند صفحوں کی روگردانی کر کے وہ خالہ کے پاس کچن میں چلی گئی جو رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

''خالہ ایک بہترین استاد کسے کہتے ہیں؟'' کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہی وہ ایک لمحے کو رکے بنا بولی۔ شاید یہی سوال تھا جو میگزین اور اس کی توجہ کے درمیان حائل تھا۔

''سوال اچھا ہے لیکن تمہاری اتنی اچھی نالج کے ہوتے ہوئے کچھ غیر متوقع ہے۔'' وہ کڑاہی میں تیل ڈالتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''وہ اس لیے خالہ جان کیونکہ ہر کسی کا نظریہ مختلف ہوتا ہے پھر فلاسفی میں ایک نظریے اور لفظ کی ہر فلاسفر کے مطابق مختلف تعریف ہوتی ہے اسی لیے میں استاد کو کسی نئے نظریے سے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' باتیں بنانا اسے خوب آتی تھیں، تعلیم سے اس نے یہی تو ایک کام سیکھا تھا۔ وہ بڑے لاڈ بھرے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''مطلب آپ اچھے خاصے تبصرے کے موڈ میں ہیں؟'' خالہ نے ٹماٹر کاٹتے ہوئے گردن موڑی اور شرارتی انداز میں لفظوں کو حتی المقدور کھینچ کر بولیں۔

''اور نہیں تو کیا اتنے سال آپ نے اٹھارویں گریڈ پر گورنمنٹ ٹیچنگ کی ہے اور بیسٹ ٹیچر ہونے کے ایوارڈز بھی جیتے ہیں اور آپ کا تجربہ بھی ہے۔ اس لیے آپ بہتر طور پر سمجھا سکتی ہیں۔'' تہنیت کے خوشگوار انداز میں بظاہر بلا کا اطمینان تھا۔

''ولیم آرتھر وارڈ کے مطابق معمولی استاد بتاتا ہے، اچھا استاد سمجھاتا ہے، اعلیٰ استاد مظاہرہ کرتا ہے اور عظیم استاد متاثر کرتا ہے جب کہ جوزف البرکا کہنا ہے کہ اچھے استاد صحیح جوابات دینے سے کہیں زیادہ صحیح سوالات کا جواب دیتے ہیں جب کہ بھارت کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالکلام کے مطابق عظیم استاد علم، جذبہ اور شفقت سے بھرپور ہوتا ہے۔'' خالہ کی مزید دلچسپی اس سوال میں بڑھ گئی تھی تب ہی وہ مسالہ بھونتے ہوئے پروفیشنل ٹیچر کے انداز میں لیکچر دینے لگیں۔ تہنیت کو لگ رہا تھا کہ وہ کچن میں نہیں بلکہ یونیورسٹی میں بیٹھی ہے اور خالہ کھانا نہیں بنا رہیں بلکہ بڑی یکسوئی سے فلاسفی پڑھانے میں مصروف ہیں۔ البتہ خالہ کی باتوں کو اس نے کافی دھیان سے سنا اور ساتھ ہی وہ ہر تعریف کے سانچے میں اس مغرور کو فٹ کرتی رہی جو بدقسمتی سے کہیں فٹ ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔

''سمجھا تا؟ جو اتنے دن سے یہ نہیں سمجھ پایا کہ مجھے اس کا نظر انداز کرنا کتنا برا لگ رہا ہے وہ بھلا کسی اور کو اور کیا سمجھائے گا۔''

''مظاہر! یہ تو اس کے لیے سراسر ناممکن ہے۔''

''متاثر؟ ایک بداخلاق انسان سے بھلا کون متاثر ہوتا ہے۔''

''سوالات! اس میں تو وہ صفر ہوگا جسے سوال کرنا نہیں آتا، ایک نئے انسان کو دیکھ کر کہ یہ کون ہے؟ وہ بھلا جواب کیسے اچھا دے سکتا ہے۔''

''علم، جذبہ اور شفقت..... یہ الفاظ تو دور دور تک اس کی شخصیت سے میل نہیں کھاتے تو وہ کسی کو کیا دے گا۔''

تہنیت نے خالہ کی باتوں کے درمیان ہی طنز سے سوچا اور پھر خود ہی دل ہی دل میں استاد کے مقام میں اسے صفر نمبر دے کر نا کام کر دیا۔ ابھی وہ گفتگو مکمل کر کے کچن سے نکلی ہی تھی کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ جب سے وہ دونوں گئی تھیں لاشعوری طور پر اس کا ذہن ان ہی کی طرف اٹکا ہوا تھا، جانے کیوں؟ وہ اپنے ردعمل پر حیران تھی۔ پارک میں آج کیا ہوا؟ وہ لڑکا آیا بھی تھا کہ نہیں؟ اور پھر اس نے انہیں پڑھایا بھی یا صرف شیخیاں ہی بھگارتا رہا؟ کتنے سارے سوالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ سب سوچ لینے کے بعد بے ساختہ اس نے خود کو سرزنش کی۔

''تم پاگل تو نہیں ہوگئی تہنیت! ایسے انسان کے بارے میں سوچ رہی ہو، جو کسی طور تمہیں خاطر میں نہیں لاتا، تمہارا بیٹھا ہوا جاندار وجود اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے، تمہارے چہرے کے سرد تاثرات کا اس پر اثر نہیں ہوتا اور تم اس بے مروت، بداخلاق کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ اپنا وقت فضول لوگوں کے بارے میں سوچ کر کیوں ضائع کر رہی ہو جب کہ اس کی گھڑی کی سوئیوں میں ایک منٹ تو کیا، ایک سیکنڈ بھی نہیں ہے تمہیں دینے کو ہونہہ!'' دروازہ کھولتے ہی اس نے ان کے چہروں پر نظر دوڑائی اور خاموشی سے ان کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔

''واہ تہنیت آپی آج تو دروازہ خوب جلدی کھولا ہے لگتا ہے بور ہوگئی تھیں آپ ہمارے بنا۔'' میمونہ حیرت و خوشی کی ملی جلی کیفیات لیے اسے گھورنے لگی۔

''ہاں وہ باہر لان میں ہی واک کر رہی تھی اس لیے جلدی آ گئی۔'' بوکھلاتے ہوئے اس نے جھوٹ گھڑا۔

''اچھا ٹھیک ہے، آج ہمارا دن تو بہت اچھا گزرا۔ اتنا مزا آیا کہ بتا نہیں سکتی۔'' وہ پچھلی بات کو نظر انداز کر کے بڑے جوش سے اگلی بات بیان کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ فریحہ بھی کتابیں تھامیں اس کے ساتھ ہو لی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے گہرا سانس لیا اور ان کے تعاقب میں بڑھ گئی۔ وہ دونوں سامنے صوفے پر بیٹھیں کپیں ہانک رہی تھیں۔

''تہنیت آپی! آپ سوچ بھی نہیں سکتیں اذان بھائی اتنا اچھا میتھس سمجھاتے ہیں کہ اگر اتنا اچھا میری ٹیچر پڑھائیں تو میں ٹاپ کر جاؤں۔'' فریحہ کے روشن چہرے پر دلی خوشی رقص کر رہی تھی جسے بلاشبہ وہ پڑھ سکتی تھی کہ تعریف بنا ترمیم کے اس کے سامنے پیش کی جا رہی ہے اور اس کا نام اذان ہے؟ حیرت ہے پہلے کبھی اس کا دھیان ہی اس طرف نہیں گیا لیکن نام بھی اس کی پرسنالٹی ذرا سے میل نہیں کھاتا۔ اسے ان کی کسی بات پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہونق نظروں سے انہیں تکنے لگی جو بڑی بے تکلفی سے اس کا ذکر کرنے میں مصروف تھیں مگر اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی کیونکہ جو بات اسے ایک گھنٹے سے تجسس کا نشانہ بنا رہی تھی وہ اب کھل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس لیے وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکلنے کو تھی کہ میمونہ نے اسے ٹوکا۔

''آپ کہاں چلیں؟''

''خالہ کے پاس۔'' اس نے سنجیدگی سے لب کھولے۔ ''اوہ، میں تو آپ کو بتانا ہی بھول گئی اذان

بھائی آپ کا پوچھ رہے تھے۔'' فریحہ نے اپنے ماتھے پر ہلکی سی چپت مار کر اتنے عام سے انداز میں کہا جیسے وہ تو روز اس کا پوچھتا ہے لیکن دوسری طرف تہنیت کو اپنے پاؤں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ جو اس کے ہوتے ہوئے اسے پوچھتا ہی نہیں اس کی غیر موجودگی میں اسے پوچھ رہا تھا۔ ماتھے پر شکن ڈال کر اس نے بڑی حیرانی سے سوچا اور پھر بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلا۔

''کیا واقعی؟''

''لو بھلا ہم جھوٹ کیوں بولیں گے؟'' اس مرتبہ میمونہ نے بڑی لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا تو پھر کیا پوچھ رہا تھا؟''

''یہی کہ وہ جو محترمہ کچھ دنوں سے آپ کے ساتھ آرہی تھیں وہ آج نہیں آئیں؟'' میمونہ گہرا سانس لے کر گویا ہوئی۔

''پھر کیا کہا تم لوگوں نے؟'' اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا کہنا تھا یہی کہ ان کا موڈ نہیں تھا تو وہ نہیں آئیں۔'' میمونہ کا انداز اسی طرح لاپرواہ تھا۔

وہ گم صم وہیں کھڑی رہی، پتا نہیں کیوں؟ اسے تمام باتیں لایعنی لگ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی مگر ساری رات اسے اس بات نے سونے نہیں دیا کہ اس بے مروت کو آج اس کا خیال آ ہی گیا جس کی پتا نہیں آنکھیں ہیں کہ کیا؟ جو سامنے بیٹھا شخص نہیں دیکھ سکتا مگر اس کی غیر موجودگی کو خوب بھانپ لیتا ہے۔ چلو کم از کم اگر اسے کسی کی موجودگی محسوس نہیں ہوتی تو کم از کم اس کی غیر موجودگی تو محسوس ہوتی ہے؟ بھلا اسے میری غیر موجودگی کیوں محسوس ہونے لگی؟ خود سے الجھنے کے بعد آخر اس کی آنکھ لگ ہی گئی تھی۔

☆.....☆

اگلی شام فریحہ اور میمونہ کو اس سے پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اول تو ان کا کل کی طرح آج پوچھنے کا ارادہ ہی نہیں تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ گھر سے نکلتیں تہنیت نے خود ہی بڑے سرسری سے انداز میں کہہ دیا۔

''واک پر جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے جانا۔'' رات سے اس کے اندر جو کھلبلی مچی ہوئی تھی اس پر قابو پاتے ہوئے وہ خاصے پراعتماد انداز میں گویا ہوئی تھی۔ وہ کیوں جانا چاہتی ہے؟ یہ اسے خود نہیں معلوم تھا شاید اس لیے کہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کیا آج بھی وہ شخص اس کو نظر انداز کرے گا یا نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو اور اس کے سامنے جاگنگ ٹریک پر گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے اسی انداز سے کمر کو جھکا کر سلام کرے جیسے وہ فریحہ اور میمونہ کو کرتا ہے۔ اس کے چہرے پر کتنا اعتماد اور آنکھوں میں عجیب سی چمک ہوتی ہے مگر کیسا لگے گا؟ جب شرمندگی سے اس کا چہرہ جھکا ہوا ہوگا اور شرمندگی سے وہ اس سے نظریں چار کرنے سے کترائے گا۔ یہ لمحہ کتنا مسحور کن ہوگا؟ سوچ کر ہی اس کا وجود خوشی سے کھل اٹھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آج سارا بدلہ پورا ہو جائے گا اور حساب چکایا جائے گا۔ تہنیت کو آج تک کسی نے بھی نظر انداز نہیں کیا تھا تو پھر اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی؟ اسکول، کالج میں بھی جب اس کی کوئی سہیلی نظریں چرا کر سامنے سے گزر جاتی تو وہ اس کی شامت ہی لے آیا کرتی تھی کہ مجھے نظر انداز کر کے گزرنے کی ہمت ہوئی بھی تو ہوئی کیسے؟ اس کی ڈپٹ اور غصہ عروج پر ہوتا اور سہیلی بے چاری ہزار قسمیں کھالے کہ ''تم پر نظر نہیں پڑی میں اپنے دھیان میں تھی۔'' مگر مجال ہے جو اس کے سر پر جوں ہی رینگ جائے۔ معافی منگوا کر ہی دم لیتی۔

یوں بینچ پر بیٹھے ہوئے انہیں پندرہ منٹ ہو گئے تھے مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی نگاہیں اسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس

نے بیسیوں بار جاگنگ ٹریک دیکھ لیا تھا، تمام بینچ چھان لیے تھے، سرو کے درختوں کے اس پار بھی جھانکنے کی ناکام کوشش کی تھی مگر اسے حیرت ہونے لگی کیوں کہ وہ تو ان کے آنے سے قبل ہی وہاں موجود ہوتا تھا بلکہ ایک چکر مکمل بھی کر چکا ہوتا تھا مگر پھر آج..... یہ حیرت واحد اسی کی نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ میمونہ اور فریحہ کی بھی تھی جس کا اظہار انہوں نے کر بھی لیا تھا۔

''اذان بھائی ابھی تک نظر نہیں آئے۔'' فریحہ مضطرب نظر آرہی تھی۔

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں ہوسکتا ہے آج لیٹ ہوگئے ہوں۔'' میمونہ نرمی سے بولی۔

''مگر جب سے ہم پارک آئے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ غیر حاضر ہوئے ہوں۔'' فریحہ کو واقعی تشویش ہوئی۔

''بات تو ٹھیک ہے لیکن بندہ کبھی لیٹ بھی تو ہو جاتا ہے۔ وہ بھی انسان ہیں آخر کو۔'' میمونہ نے گہرا سانس کھینچ کر جیسے اسے اور خود کو مطمئن کیا۔ یہاں پہلی بار تہنیت نے بھی حصہ لیا جو اس سے قبل بڑی خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''ایک بات تو بتاؤ تم دونوں..... یہ لڑکا آئی مین اذان تم لوگوں کو ملا کیسے؟ آخر بات چیت کیسے ہوئی تم لوگوں کی؟'' یہ سوال اسے بہت پہلے پوچھ لینا چاہیے تھا مگر حیرت کی بات ہے کہ اس طرف دھیان ہی اس کا اب گیا۔

''ہم روز آتے تھے پارک اور جاگنگ کرنے کے بجائے یہاں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ کبھی تھوڑی بہت واک کر لیتے پھر ایک دن جس بینچ پر ہم بیٹھے وہاں کسی کا جاگنگ بیگ پڑا ہوا تھا۔ کوئی بینچ خالی نہیں تھا تو ہم وہیں بیٹھ گئے۔ اتفاق سے اس دن ہم کافی دیر پارک میں رہے اور ایک گھنٹا بینچ پر بیٹھے باتیں کرتے رہے جب مغرب کی اذان ہوئی تو اٹھے لیکن اٹھتے ہوئے یہی خیال آیا کہ یہ جاگنگ بیگ پتا نہیں کون بھول گیا ہے۔ پہلے سوچا کہ کہیں اس میں کچھ غلط نہ ہو مگر پھر میمونہ نے کہا کہ ہوسکتا ہے اس میں کسی کا کوئی قیمتی سامان ہو۔ ایسا کرتے ہیں جاتے ہوئے چوکیدار کو دے دیتے ہیں، وہ جس کا ہوگا اسے لوٹا دے گا پھر جب ہم گیٹ تک پہنچے تو اذان بھائی چوکیدار سے اپنے بیگ کا ہی پوچھ رہے تھے۔ ہم نے دیا تو لے کر ہمارا شکریہ ادا کیا۔ چوکیدار ہم پر خفا ہونے لگا تھا کہ شاید ہم جھوٹ بول رہے ہیں مگر اذان بھائی نے بڑے طریقے سے یہ کہتے ہوئے سب سنبھال لیا کہ میں رکھ کر بھول گیا تھا تب انہوں نے ہمارا بہت شکریہ ادا کیا اور ہماری دوستی ہوگئی۔'' فریحہ نے بڑے دلچسپ انداز میں پہلی ملاقات کا نقشہ کھینچا۔

تہنیت کو حیرت ہوئی۔ اسے یہ بات کچھ عجیب لگی کہ پہلے ایک انسان اپنا بیگ خود بینچ پر رکھے اور پھر چوکیدار سے اپنے بیگ کے بارے میں دریافت کرے لیکن بیگ ملنے پر وہ کسی تحقیق کے بجائے یہ کہہ دے کہ وہ رکھ کر بھول گیا ہے۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا اور پھر اس کا دھیان ذہن میں ابھرنے والے اگلے خیال کی طرف عود کر گیا۔

''خالہ نے تم لوگوں کو ایسی دوستی کی اجازت کیسے دے دی؟ میرا مطلب ہے انہوں نے اتنی آسانی سے کیسے یقین کر لیا کہ وہ ایک اچھا لڑکا ہے ورنہ عام طور پر سیر و تفریح والی جگہوں کا ماحول کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے لوگ آتے ہیں۔'' فکرمندی سے اس نے پوچھا۔

''اس کا جواب تو آپ کو ماما ہی دے سکتی ہیں۔'' میمونہ نے شان بے نیازی سے کہا۔

باتیں کرتے ہوئے انہیں مزید پندرہ منٹ ہو گئے تھے لیکن جسے نہیں آنا تھا وہ نہیں آیا تھا۔

☆.....☆

اتوار کی شام کا سورج بھی اپنی کرنوں کی تمازت سمیٹتا غروب ہو چکا تھا۔ تہنیت نے سلائیڈنگ ونڈو کھینچ کر پردے گرادیے اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر میمونہ اور فریحہ کے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ اپنے امتحانات کی تیاری کے دوران یونہی چیزیں ہر طرف بکھیر کر پڑھا کرتی تھیں۔ تہنیت کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ سمجھتی کہاں تھیں۔

''آپ ہیں ناں تہنیت آپی اور جب تک آپ یہاں ہیں مجھے اپنی چیزوں کو سمیٹنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ یہ کام بڑے احسن طریقے سے کرتی ہیں۔ سچ بتاؤں تو ہر چھٹیاں آپ کے یہاں آجانے سے ہمیں کافی فائدہ ہوجاتا ہے۔'' بیڈ پر سے اس کی کتابیں، رجسٹر اٹھاتے ہوئے بے ساختہ فریحہ کی آواز اس کی سماعت میں گونجی تو اس لمحے لبوں پر بڑی نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی اپنائیت بھری معصوم باتیں، یہ بھی ایک انداز تھا جو ہر دفعہ چھٹیوں میں اسے یہاں کھینچ لایا کرتا۔ اپنے گھر سے زیادہ وہ یہاں زندگی کے بھرپور دن جیا کرتی تھی۔ یہاں بے شک گھر والا دادو کا لاڈ، پیار اور ہر طرح کی من مانی کی عادت اور نخرے دیکھنے کے لیے نوکر نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس سیلف میڈ قسم کے ماحول میں زندگی کے گلدان میں ہر طرح کے رنگ اور ہر قسم کے پھول انجوائے کرلیا کرتی تھی۔

دس منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ تمام سامان ایک سگھڑ لڑکی کی طرح سمیٹ چکی تھی۔ کپڑے الماری میں ہینگ کرکے، کتابیں بکس ریک میں اور جوتے ایک طرف رکھنے کے بعد بیڈ شیٹ ٹھیک کرکے وہ اب کشن ٹھیک کررہی تھی۔ گھر میں دادو نے کبھی اسے کام کرنے نہیں دیا تھا شاید یہی وجہ تھی جو وہ اس دبی دبی دل کے ایک چھوٹے سے نہاں خانے میں چھپی اس خواہش کو یہاں آکر بھرپور انداز میں پورا کرلیا کرتی تھی۔ ابھی وہ کشن بیڈ پر رکھنے کے بعد بغور انہیں دیکھ ہی رہی تھی جب اس خاموش ماحول میں کھلبلی سی مچی۔ آوازیں تو اس نے بخوبی پہچان لی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی لاڈلی کزنز واک سے واپس آگئی ہیں اور اب سارا گھر نہ جانے کس بات پر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ وہ تذبذب سے باہر نکلی تو میمونہ کچن میں خالہ کے سامنے کھڑی ہنستے ہوئے کچھ بول رہی تھی اور فریحہ بڑے محظوظ سے انداز میں اس کی بات یکسوئی سے سننے میں مصروف تھی۔ وہ حیران سی خالہ کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔

''کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں اچھل رہی ہو؟'' اس نے خوشگوار انداز میں پوچھا اور میمونہ کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''آپ بھی سنیں گی ناں تہنیت آپی تو میری طرح آپ کو بھی عجیب سی خوشی اور حیرانی ہوگی۔'' اس کے لہجے سے کمال شرارت و خوشی جھلک رہی تھی۔

''اچھا تو بتاؤ میں بھی سنوں کہ تمہاری عجیب سی خوشی اور حیرانی بھلا کیا ہے؟'' تہنیت اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھنے کے بعد گویا ہوئی۔

''یہی کہ اذان بھائی کی شادی ہورہی ہے؟'' وہ تقریباً چلاتے ہوئے پرجوش تھی اور اس کا منہ واقعی کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''سچی، تم سے کس نے کہا؟'' تہنیت کو جیسے اس اچانک خبر پر یقین نہیں آیا۔

''لو، کس نے بتانا ہے اذان بھائی نے خود اپنی زبان سے بتایا ہے۔'' میمونہ کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''چلو اچھی بات ہے، سیٹل بندہ ہے شادی کرلینی چاہیے ویسے بھی اسے۔'' خالہ نے بھی خاصے اچھے موڈ میں کہا اور پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔

''تم لوگوں کو کیوں بتایا اس نے؟'' اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا یا شاید اس اچانک خبر نے اسے واقعی حیران کیا تھا۔

''میں ان سے پڑھائی کا پوچھ رہی تھی کہ آگے

بھی پڑھنا ہے تو کب ٹائم دے سکتے تب انہوں نے بتایا کہ ابھی کچھ ہفتے تو وہ بزی ہیں اپنے کسی آفس ورک میں اور پھر شادی کی بات بھی چل رہی ہے۔''

میمونہ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بولی۔

''ہوں..... ویسے کیا وہ تم دونوں کو اپنی شادی پر بلائے گا؟'' کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر حیرانی سے پوچھا۔

''پتا نہیں اس بارے میں تو ان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور ویسے ہم نے پوچھا بھی نہیں۔'' میمونہ کچھ سوچ کر بولی جیسے یہ سوال اس کے لیے واقعی غور طلب تھا۔

''گڈ..... میں نے تم لوگوں کا روم سیٹ کر دیا ہے اب پلیز دوبارہ سے گندمت ڈالنا کیونکہ تم دونوں کو کتابیں بکھیر کر پڑھنے کی بھی بہت عادت ہے۔'' تہنیت گہرا السی لے کر گویا ہوئی اور پھر وہ خاموشی سے لاؤنج میں خالہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ وہ سلاد بنانے میں مصروف تھیں۔

''خالہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟'' وہ کچھ جھجک کر اجازت مانگ رہی تھی۔ وہ کبھی یوں نہ جھجکتی مگر سوال ہی کچھ ایسا تھا۔

''ہوں..... ضرور پوچھو۔'' وہ چھری سے اسی طرح کھیرا کاٹتے ہوئے بولیں۔

''آپ نے فریحہ اور میمونہ کو اذان سے دوستی کی اجازت اتنی آسانی سے کیسے دے دی؟ آئی مین آج کل کے دور میں اتنی جلدی کون کسی پر ٹرسٹ کرتا ہے وہ بھی ایک لڑکے پر۔'' تہنیت کا لہجہ خاصہ فکرمندانہ تھا، ویسے بھی یہ سوال کب سے اس کے ذہن میں تھا۔

''کم آن تہنیت! میں کوئی بہت سخت ماں نہیں ہوں کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات پر ان کو پابند کر دوں۔ میں ان کی دوست ہوں اور ہر اچھا اور برا میں نے انہیں کھل کر بتایا ہے کیونکہ ساری زندگی تو والدین بچوں کی انگلی پکڑ کر ساتھ نہیں چل سکتے ناں۔ ایسے میں اپنے میل ملاپ والوں کا سرکل اب خود چوز کرنا چاہیے تاکہ انہیں لوگوں کی پہچان ہو یہ ہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایک بات آ کر مجھے بتاتی ہیں اگر منع کر دوں گی تو وہ بتانا چھوڑ دیں گی اور پھر یوں اگر وہ کچھ غلط کر رہی ہوں گی تو بھی مجھے پتا نہیں چلے گا۔'' خالہ اب پلیٹ میں کھیرے سیٹ کر رہی تھیں اور ان کی آواز میں بے انتہا طمانیت دیکھ کر تہنیت کو حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔

''خالہ آپ بہترین ماں ہیں، اتنی سی عمر میں آپ اپنے بچوں میں ہر خوبی پیدا کر رہی ہیں خود اعتمادی سے لے کر social genius, اور communication choosing circle of frinds تک سب۔'' اس کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ ان سے کتنا متاثر ہے، پہلے تو تھی ہی مگر اب وہ انہیں بیسٹ parenting skills کے لیے آئیڈیالائز کرنے لگی۔

''خالہ، خالو کو اعتراض نہیں ہوتا آپ کی کسی بات پر؟'' بیک وقت اس کے ذہن میں خالو کا خیال آیا۔

''نہیں بھئی وہ کہتے ہیں مجھے اعتبار ہے تم پر، تم جس طرح تربیت کر رہی ہو بہترین ہے۔'' خالہ نے پلیٹ سے ہاتھ کھینچ کر اب کے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور تہنیت کو خالہ دنیا کی سب سے خوش قسمت خاتون لگنے لگیں حالانکہ اسے کیا پتا کہ شروع میں جب ان کی ساس حیات تھیں تو انہوں نے کتنے سخت دن گزارے تھے۔ انہیں خالہ کی جاب پر اعتراض تھا اور یہ طعنے وہ ان کی وفات تک برابر برداشت کرتی آئی تھیں۔

☆.....☆

خالہ کے گھر ہفتہ اور رہ کر وہ واپس گھر آ گئی تھی

اتوار کی شام کا سورج بھی اپنی کرنوں کی تمازت سمیٹتا غروب ہو چکا تھا۔ تہنیت نے سلائیڈنگ ونڈو کھینچ کر پردے گرادیے اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر میمونہ اور فریحہ کے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ اپنے امتحانات کی تیاری کے دوران یونہی چیزیں ہر طرف بکھیر کر پڑھا کرتی تھیں۔ تہنیت کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ سمجھتی کہاں تھیں۔

''آپ ہیں ناں تہنیت آپی اور جب تک آپ یہاں ہیں مجھے اپنی چیزوں کو سمیٹنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ یہ کام بڑے احسن طریقے سے کرتی ہیں۔ سچ بتاؤں تو ہر چھٹیاں آپ کے یہاں آجانے سے ہمیں کافی فائدہ ہو جاتا ہے۔'' بیڈ پر سے اس کی کتابیں، رجسٹر اٹھاتے ہوئے بے ساختہ فریحہ کی آواز اس کی سماعت میں گونجی تو اس لمحے لبوں پر بڑی نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی اپنائیت بھری معصوم باتیں، یہ بھی ایک انداز تھا جو ہر دفعہ چھٹیوں میں اسے یہاں کھینچ لایا کرتا۔ اپنے گھر سے زیادہ وہ یہاں زندگی کے بھرپور دن جیا کرتی تھی۔ یہاں بے شک گھر والا دادو کا لاڈ، پیار اور ہر طرح کی من مانی کی عادت اور نخرے دیکھنے کے لیے نوکر نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس سیلف میڈ قسم کے ماحول میں زندگی کے گلدان میں ہر طریح کے رنگ اور ہر قسم کے پھول انجوائے کرلیا کرتی تھی۔

دس منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ تمام سامان ایک سگھڑ لڑکی کی طرح سمیٹ چکی تھی۔ کپڑے الماری میں ہینگ کر کے، کتابیں بکس ریک میں اور جوتے ایک طرف رکھنے کے بعد بیڈ شیٹ ٹھیک کر کے وہ اب کشن ٹھیک کر رہی تھی۔ گھر میں دادو نے کبھی اسے کام کرنے نہیں دیا تھا شاید یہی وجہ تھی جو وہ اس دبی دبی دل کے ایک چھوٹے سے نہاں خانے میں چھپی اس خواہش کو یہاں آکر بھرپور انداز میں پورا کرلیا کرتی تھی۔ ابھی وہ کشن بیڈ پر رکھنے کے بعد بغور انہیں دیکھ ہی رہی تھی جب اس خاموش ماحول میں کھلبلی سی مچی۔ آوازیں تو اس نے بخوبی پہچان لی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی لاڈلی کزنز واک سے واپس آگئی ہیں اور اب سارا گھر نہ جانے کس بات پر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ وہ تذبذب سے باہر نکلی تو میمونہ کچن میں خالہ کے سامنے کھڑی ہنستے ہوئے کچھ بول رہی تھی اور فریحہ بڑے محظوظ سے انداز میں اس کی بات یکسوئی سے سننے میں مصروف تھی۔ وہ حیران سی خالہ کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

''کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں اچھل رہی ہو؟'' اس نے خوشگوار انداز میں پوچھا اور میمونہ کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''آپ بھی سنیں گی ناں تہنیت آپی تو میری طرح آپ کو بھی عجیب سی خوشی اور حیرانی ہوگی۔'' اس کے لہجے سے کمال شرارت و خوشی جھلک رہی تھی۔

''اچھا تو بتاؤ میں بھی سنوں کہ تمہاری عجیب سی خوشی اور حیرانی بھلا کیا ہے؟'' تہنیت اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھنے کے بعد گویا ہوئی۔

''یہی کہ اذان بھائی کی شادی ہو رہی ہے؟'' وہ تقریباً چلاتے ہوئے پرجوش تھی اور اس کا منہ واقعی کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''سچی، تم سے کس نے کہا؟'' تہنیت کو جیسے اس اچانک خبر پر یقین نہیں آیا۔

''لو، کس نے بتانا ہے اذان بھائی نے خود اپنی زبان سے بتایا ہے۔'' میمونہ کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''چلو اچھی بات ہے، سیٹل بندہ ہے شادی کرلینی چاہیے ویسے بھی اسے۔'' خالہ نے بھی خاصے اچھے موڈ میں کہا اور پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔

''تم لوگوں کو کیوں بتایا اس نے؟'' اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا یا شاید اس اچانک خبر نے اسے واقعی حیران کیا تھا۔

''میں ان سے پڑھائی کا پوچھ رہی تھی کہ آگے

بھی پڑھنا ہے تو کب ٹائم دے سکتے تب انہوں نے بتایا کہ ابھی کچھ ہفتے تو وہ بزی ہیں اپنے کسی آفس ورک میں اور پھر شادی کی بات بھی چل رہی ہے۔''

میمونہ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بولی۔

''ہوں..... ویسے کیا وہ تم دونوں کو اپنی شادی پر بلائے گا؟'' کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر حیرانی سے پوچھا۔

''پتا نہیں اس بارے میں تو ان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور ویسے ہم نے پوچھا بھی نہیں۔'' میمونہ کچھ سوچ کر بولی جیسے یہ سوال اس کے لیے واقعی غور طلب تھا۔

''گڈ..... میں نے تم لوگوں کا روم سیٹ کر دیا ہے اب پلیز دوبارہ سے گندمت ڈالنا کیونکہ تم دونوں کو کتابیں بکھیر کر پڑھنے کی بھی بہت عادت ہے۔''

تہنیت گہرا سانس لے کر گویا ہوئی اور پھر وہ خاموشی سے لاؤنج میں خالہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ وہ سلاد بنانے میں مصروف تھیں۔

''خالہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟'' وہ کچھ جھجک کر اجازت مانگ رہی تھی۔ وہ کبھی یوں نہ جھجکتی مگر سوال ہی کچھ ایسا تھا۔

''ہوں..... ضرور پوچھو۔'' وہ چھری سے اسی طرح کھیرا کاٹتے ہوئے بولیں۔

''آپ نے فریحہ اور میمونہ کو اذان سے دوستی کی اجازت اتنی آسانی سے کیسے دے دی؟ آئی مین آج کل کے دور میں اتنی جلدی کون کسی پر ٹرسٹ کرتا ہے وہ بھی ایک لڑکے پر۔'' تہنیت کا لہجہ خاصہ فکرمندانہ تھا، ویسے بھی یہ سوال کب سے اس کے ذہن میں تھا۔

''کم آن تہنیت! میں کوئی بہت سخت ماں نہیں ہوں کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات پر ان کو پابند کر دوں۔ میں ان کی دوست ہوں اور ہر اچھا اور برا میں نے انہیں کھل کر بتایا ہے کیونکہ ساری زندگی تو والدین بچوں کی انگلی پکڑ کر ساتھ نہیں چل سکتے ناں۔ ایسے میں اپنے میل ملاپ والوں کا سرکل اب خود چوز کرنا چاہیے تاکہ انہیں لوگوں کی پہچان ہو یہ ہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایک بات آ کر مجھے بتاتی ہیں اگر منع کر دوں گی تو وہ بتانا چھوڑ دیں گی اور پھر یوں اگر وہ کچھ غلط کر رہی ہوں گی تو بھی مجھے پتا نہیں چلے گا۔'' خالہ اب پلیٹ میں کھیرے سیٹ کر رہی تھیں اور ان کی آواز میں بے انتہا طمانیت دیکھ کر تہنیت کو حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔

''خالہ آپ بہترین ماں ہیں، اتنی سی عمر میں آپ اپنے بچوں میں ہر خوبی پیدا کر رہی ہیں خود اعتمادی سے لے کر social genius, communication اور choosing circle of frinds تک سب۔'' اس کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ ان سے کتنا متاثر ہے، پہلے تو تھی ہی مگر اب وہ انہیں بیسٹ parenting skills کے لیے آئیڈیالائز کرنے لگی۔

''خالہ، خالو کو اعتراض نہیں ہوتا آپ کی کسی بات پر؟'' بیک وقت اس کے ذہن میں خالو کا خیال آیا۔

''نہیں بھئی وہ کہتے ہیں مجھے اعتبار ہے تم پر، تم جس طرح تربیت کر رہی ہو بہترین ہے۔'' خالہ نے پلیٹ سے ہاتھ کھینچ کر اب کے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور تہنیت کو خالہ دنیا کی سب سے خوش قسمت خاتون لگنے لگیں حالانکہ اسے کیا پتا کہ شروع میں جب ان کی ساس حیات تھیں تو انہوں نے کتنے سخت دن گزارے تھے۔ انہیں خالہ کی جاب پر اعتراض تھا اور یہ طعنے وہ ان کی وفات تک برابر برداشت کرتی آئی تھیں۔

☆.....☆

خالہ کے گھر ہفتہ اور رہ کر وہ واپس گھر آ گئی تھی

اور اس ایک ہفتے میں نہ ہی وہ واک پر گئی تھی اور نہ ہی میمونہ اور فریحہ۔ تہنیت نے ان کو بھی جانے سے منع کر دیا تھا۔ گھر پر ہی انہوں نے بہت کچھ پلان کر لیا تھا چونکہ اس کے جانے میں کم دن ہی رہ گئے تھے تو انہوں نے ان دنوں کو بھرپور انجوائے کیا۔ ہل کر ککنگ، بیکنگ اور بیڈمنٹن تک کچھ بھی انہوں نے نہیں چھوڑا۔ شام پارک کے ٹائم پر اب تہنیت نے انہیں بیڈمنٹن پر لگا دیا تھا۔

☆.....☆

گھر آ کر اسے عجیب لگ رہا تھا حالانکہ اسے گھر آئے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی صرف ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا اور ایک گھنٹے میں بھی اس نے صرف آدھے گھنٹے کی نیند لی تھی، پھر آنکھ خود ہی کھل گئی اور وہ شام چھ بجے باہر دادو کے پاس چلی آئی جو شام کی چائے پی کر ابھی ابھی فارغ ہوئی تھیں اور ملازمہ خالی کپ اٹھا کر کچن میں لے جا رہی تھی۔ وہ اپنے اسی مخصوص انداز میں بڑے لاڈ سے ان سے لپٹ گئی۔

''کیسی ہے میری بچی؟ اتنے دن خالہ کے گھر گزار آئی۔ مجھے تو پورا گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔'' انہوں نے بڑے پیار سے اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر لاڈ بھرے انداز میں غالباً گلہ کیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ اپیج بھی دادو سے ہی تھی۔

''مت پوچھیں دادو! مزہ بہت آیا اتنا کہ اب گھر آ کر اپنا گھر ہی مجھے سونا لگ رہا ہے۔ کتنی خاموشی ہے یہاں پر پاپا کراچی گئے ہیں، ماما بازار۔ میرے استقبال کے لیے تو کم از کم انہیں رکنا چاہیے تھا۔'' دادو سے علیحدہ ہوتے ہوئے وہ قدرے تاسف سے بولی اور پھر منہ بسور کر بیٹھ گئی جو وہ ہمیشہ ہی اپنے ساتھ کیے جانے والے مخالف رویے پر بنایا کرتی تھی۔

''ارے شائستہ تمہارے آنے سے پہلے گئی ہے اور یہ کہہ کر گئی تھی کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے واپس آ جائے گی۔'' دادو نے اس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کی۔

تہنیت دادو کی بات سن کر تھکے سے انداز میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی۔ دادو بڑی نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں اور وہ منہ بنا کر ہنوز اسی لاڈ سے ان کی گود میں لیٹی رہی۔

''دادو ہمارے گھر اور خالہ کے گھر میں کتنا فرق ہے ناں..... اتنا کہ ابھی گھر آئے ہوئے مشکل سے مجھے ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے اور میمونہ فریحہ اور خالہ کی یاد بھی آنے لگی۔'' اس کے لہجے میں اداسی اچانک در آئی۔

''کیوں وہاں ایسا کیا ہے جو یہاں نہیں؟'' دادو کو تشویش ہوئی۔

''دادو وہاں رونق ہے، آزادی ہے روٹین ہے..... ایسا لگتا ہے کہ خالہ کے گھر میں خود اعتمادی کی ایک فضا ہے اگر اس ٹائم میں وہاں ہوتی تو میمونہ اور فریحہ کے ساتھ واک کرنے جناح پارک گئی ہوتی۔'' آغاز میں اس کے لہجے میں جو چہچہاہٹ تھی آخر میں وہ کڑواہٹ میں بدل گئی۔ پارک کے نام پر کیا کچھ اسے یاد نہیں آیا تھا۔ خاص کر آخر میں جو حرکت اس نے کی اس پر تو اس کا اشتعال مزید بڑھ گیا تھا جو شاید اب کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ پہلی بار کسی نے اس کی تذلیل کی تھی۔

''چلیں چھوڑیں دادو! یہ بتائیں میرے پیچھے آپ کے دن کیسے گزرے؟'' اب کے سر جھٹکتے جان کر اس نے موضوع بدل دیا۔ اس سے قبل کہ اس کا موڈ آف ہو جائے جو پچاس فیصد یاد آنے پر تو ہو ہی گیا تھا پھر رات تک وہ خود کو کوستی رہی کہ کاش وہ خالہ کے گھر کا ذکر نہ ہی چھیڑتی مگر کیا اب وہ کبھی خالہ کے گھر کا ذکر نہیں کرے گی؟ جب بھی کرے گی تو کیا اس کا موڈ ایسے ہی بگڑ جایا کرے گا؟ حالانکہ خالہ کا گھر ہمیشہ اس کے لیے وہ گھر رہا ہے جو اس کی خوشیوں اور

زندگی کے بہترین یادگار لمحوں سے بھرا ہوا ہے لیکن کیا ایک شخص کے آنے کی وجہ سے آپ کے اپنے پیاروں سے ایک جگہ سے جو تعلق ہے اس کی یادیں بھی اس کی وجہ سے اتنی ہی متاثر ہوتی ہیں؟ کیونکہ جب بھی آپ ان کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی کڑی بھی ان لمحات سے اتنی ہی ملتی ہے کہ آپ چاہ کر بھی اسے الگ نہیں کر سکتے۔ اس نے بڑی بے دلی سے سوچا اور پھر کتنے دنوں تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا۔ خالہ کے گھر ہونے والی ہر بات اس کو ماضی کے ان بدترین لمحے کی یاد دلانے لگتی تھی اور پھر اس کا موڈ یکسر ہی بدل جاتا۔

☆.....☆

وہ بچپن سے ہی ماما، پاپا اور سب کی لاڈلی رہی تھی۔ جس کی ایک وجہ اس کا اکلوتا ہونا تھا اور دوسری وجہ چھ سال بعد اس کا دنیا میں آنا۔ تہنیت کو بہت دعاؤں سے مانگا گیا تھا اور اسی لیے اس کی پیدائش پر خوب صدقہ و خیرات کیا گیا۔ اس کی پیدائش کی خوشی چند مہینوں پر نہیں بلکہ پورے ایک سال پر مشتمل تھی۔ دادو کا ایک ہی بیٹا تھا جو ان کی جان کا ٹکڑا تو تھا ہی لیکن ساتھ ہی وہ بہو جو لے کر آئیں وہ بھی انہیں کچھ کم عزیز نہیں تھی پھر اوپر سے انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی دیکھنے کی خواہش بھی بہت تھی۔ تہنیت شاید سب سے زیادہ انہیں کی دعاؤں، منتوں اور مرادوں کا صلہ تھی۔ یہ خوشی صرف اس کی پیدائش تک ہی نہیں محدود رہی بلکہ اس کی پرورش میں اس اسی فیصد حصہ انہیں کا تھا۔ ماما کبھی کبھی سختی برت لیتیں لیکن پھر دادو کی طرف داری پر وہ اپنی من مانی کر ہی لیا کرتی تھی۔ یہ حربہ اس نے بچپن سے لے کر اب تک ہر چھوٹے بڑے، خواہشات اور فیصلوں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا تھا۔

میٹرک میں جب اس نے سائنس کے مضمون چھوڑ کر آرٹس پڑھنا چاہا اور یونیورسٹی میں جب اسے اردو ایم اے کرنا تھا تب پاپا نے اس کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ وہ بینک مینیجر تھے اور چاہتے تھے کہ وہ بھی اسی فیلڈ کا انتخاب کرے مگر اسے بچپن ہی سے لٹریچر اور کتابوں سے دلچسپی تھی۔ وہ تمام میگزین بڑے ہی مختصر سے وقت میں چاٹ جاتی کہ اس کی سہیلیاں بھی اس کے مطالعے پر حیران رہ جاتیں۔ پہلی بار انہوں نے ہی اس کی توجہ لٹریچر کی جانب مبذول کروائی تو اس نے نویں جماعت میں سائنس کے مضمون بدل کر آرٹس کے مضمون رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ہفتہ پاپا سے اس کی لڑائی رہی۔

''زبردستی کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، پرانا دور نہیں ہے یہ کہ بچے راضی خوشی وہی کریں جو بڑے کہتے ہیں۔ اب بچوں کو وہ کرنے دینا چاہیے جو وہ کرنا چاہتے ہیں ورنہ بچے باغی ہو جاتے ہیں اور غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں اور تہنیت نے کون سا فضول خواہش کا اظہار کیا ہے؟ جو یوں تم نے بھی ضد لگا لی ہے..... میری مانو تو بچی کی ضد کے آگے سر جھکا لو پھر وہ تمام زندگی تمہارے آگے فرمانبرداری سے سر جھکائے رکھے گی۔'' دادو نے بڑی عقل فہم سے بات سنبھال لی وہ تو ہمیشہ سے ہی پاپا کے سخت مزاج کو سنبھالتی آرہی تھیں۔

جب بھی بات ماما سے بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا تو دادو ہی آگ پر پانی کا کام کرتی تھیں۔

☆.....☆

دو دن گھر رکنے کے بعد وہ ایک یونیورسٹی میں جاب انٹرویو کے لیے جانا چاہتی تھی لیکن سر حیدر کی کال آنے پر وہ ایک گھنٹے میں ان سے ملنے ان کے آفس پہنچ گئی۔ اس کا تھیسیز مکمل ہو گیا تھا بس اسے پبلش کروانے کے بارے میں وہ ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ دوپہر میں وہ جب گھر آئی تو آج اتنے دنوں بعد سب کھانے کی میز پر موجود تھے۔ پاپا بھی گھر واپس آگئے تھے اور کھانے کی میز پر اس کی

پسندیدہ سب اشیاء موجود تھیں چکن بریانی اور ریشمی کباب دونوں ہی اس کے پسندیدہ تھے، پھر بریانی کے ساتھ کوک تو وہ ضرور ہی لیا کرتی تھی۔ اسے بہت بھوک لگی تھی اس لیے بیٹھتے کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھا دیے۔

''کیا بات ہے خیریت تو ہے آج سب کچھ میری پسند کا ہے؟'' آخر میں نوکرانی نے جب کسٹرڈ میز پر لا کر رکھا تو اس کے چہرے پر خوش گوار حیرت تھی۔

''کیوں میں اپنی بیٹی کے لیے اس کی پسند کا کھانا نہیں بنوا سکتی۔'' ماما نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔

تہنیت نے پلیٹ میں چاول نکال کر ان کی جانب دیکھا تو وہ غیر معمولی طور پر خوش دکھائی دے رہی تھیں، اسے حیرانی ہوئی کیونکہ صبح تک تو وہ ایسی نہیں تھیں۔

''سب ٹھیک ہے پر مجھے کچھ عجیب لگ رہا ہے۔ پہلے بھی میں خالہ کے گھر جاتی رہی ہوں مگر واپسی پر اتنا پروٹوکول تو کبھی نہیں ملا۔'' وہ یک دم سنجیدہ ہوئی۔

''پاپا آپ بتائیں؟'' سب کو خاموش دیکھ کر اس نے بڑی چاہ سے سامنے کرسی پر بیٹھے مضبوط آدمی سے کہا۔

''بات تو ہے تہنیت مگر وہ کھانے کے بعد تم اپنی ماما سے ہی پوچھنا۔'' پاپا بھی جیسے ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس کا تجسس مزید بڑھ گیا۔

''صبر کرو لڑکی! بتائے دیتے ہیں پہلے کھانا تو کھاؤ۔'' دادی نے بڑے پیار سے اسے ٹوکا اور اب وہ خاموش سی اسی تجسس سے پلیٹ پر جھک گئی۔ کھانا جتنا اس کی پسند کا تھا اتنا ہی اس نے افراتفری میں کھایا۔ آخر میں کسٹرڈ کے بھی اس نے کوئی تین چمچ ہی مشکل سے لیے ہوں گے، اس کا پیٹ تو تجسس سے ہی بھر گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے میز تب تک نہیں چھوڑی جب تک تمام افراد فارغ نہیں ہو گئے۔

☆.....☆

''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟'' وہ ایسے چلا کر بولی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''ہاں سو فیصد۔'' ماما نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''مگر یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو گیا؟ ایٹ لیسٹ آپ کو مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔'' وہ خفا ہو رہی تھی۔

''اب اتنی بڑی بات فون پر تو پوچھی نہیں جا سکتی، ویسے بھی ہم نے کون سا رشتہ پکا کر دیا ہے ابھی تو صرف بات ہی چل رہی ہے۔'' ماما نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مگر پھر بھی آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا میں مینٹلی تیار نہیں ہوں ابھی۔'' وہ یک دم ہی افسردہ ہوئی۔

''ہم کون سا ابھی تمہاری شادی کر رہے ہیں۔ ابھی تو بس صرف ایک رشتہ آیا ہے تم دیکھ لو پسند آیا تو ہی کریں گے۔ ویسے بھی تمہاری مرضی کے خلاف تھوڑی نہ جائیں گے۔'' ماما نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی بھرپور سعی کی۔

''پتا نہیں آپ لوگ میرے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے ہیں ابھی تو میرا تھیسیز مکمل ہوا ہے۔ میں اسے پبلش کروانے کا سوچ رہی ہوں..... لیکچرر شپ کے لیے بھی اپلائے کرنا تھا اور آپ لوگ میرا سارا کا سارا پلان ہی چوپٹ کر رہے ہیں۔'' وہ اچھی خاصی خفا لگ رہی تھی۔

''کر لینا ہم نے کون سا تمہیں کبھی کچھ کرنے سے روکا ہے، لیکن تمہارے پاپا چاہ رہے ہیں کہ تم اس بارے میں بھی سوچو۔'' ماما پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

''عمر پڑی ہے شادی کو۔''

''ایک دفعہ مل لو تہنیت! اگر نہ پسند آیا تو انکار کر دینا۔'' ماما کے اتنے پیار سے سمجھانے پر اس نے بڑے بھاری دل کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا اور اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی۔

☆.....☆

زندگی جب بدلتی ہے تو سب کچھ ایک ساتھ ہی کیوں بدلنے لگتا ہے؟ دریا میں کوئی پتھر اچھالتا ہے تو اس میں حرکت اتنی طویل کیوں ہو جاتی ہے؟ یہ پتھر کے وزن پر منحصر ہے یا پھر پھینکنے والے کی حالت پر؟ ماما اور دادو اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتی ہیں۔ انہیں کم از کم مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا بلکہ وہ جانتی ہیں کہ میں پڑھائی کے بارے میں کتنی سنجیدہ ہوں پھر بھی؟ ابھی تو میری پڑھائی مکمل ہوئی ہے اور میں ٹیچنگ کر کے کچھ تجربہ کرنا چاہ رہی تھی مگر پتا نہیں والدین کو لڑکی کی شادی کی اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے؟ وہ خاصہ دل گرفتہ ہو کر سوچ رہی تھی۔ وہ واقعی ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ مجھے خالہ سے بات کرنی چاہیے کہ وہ ماما کو سمجھائیں، ویسے بھی وہ بات دلیل سے کرتی ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان کی بات نہ مانیں۔ بے ساختہ اسے خالہ کا خیال آیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انہیں منا لے گی۔ اگلے دن اس نے صبح خالہ کو کال ملائی۔ جو ہمیشہ کی طرح انہوں نے اٹھالی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے فوراً ہی اپنا مدعا بیان کیا۔

''خالہ! ماما، پاپا میری شادی کا سوچ رہے ہیں جب کہ میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' وہ فون کان سے لگائے بول رہی تھی۔

''ٹھیک ہے نہیں کرو لیکن اگر اب نہیں کرنی تو پھر کب کرنی ہے؟'' اسپیکر سے ابھرنے والی آواز خاصی پرسکون تھی۔

''میں نے شادی کے بارے میں کبھی کچھ سوچا ہی نہیں فی الحال صرف لیکچرر شپ کا تھیسیز پبلش کروانے کا سوچ رہی ہوں بس۔'' کچھ توقف کے بعد وہ بڑے ڈھیلے سے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''اور ان سب کاموں میں کتنا وقت لگے گا؟''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکچرر شپ اگر ایک بار مل گئی تو میرا اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ یہ رشتہ ایک بار دیکھ ہی لیں۔ اچھا ہوا تو منگنی کر لینا اور کچھ سال بعد شادی اور نہ اچھا ہوا تو دوسرا سہی۔'' اسے ان کا انداز کچھ شریر سا لگا تھا۔

''مطلب ان ڈائریکٹلی آپ مجھے اس رشتے کو ہاں کہنے کے لیے کہہ رہی ہیں۔'' وہ شاکڈ ہوئی۔

''یہ ہی سمجھ لو..... دیکھو تہنیت ابھی نہ سہی تو کچھ سال بعد تمہیں شادی کرنی تو ہے پھر پڑھائی تمہاری مکمل ہے اور جاب تو ساری زندگی ساتھ ساتھ چلتی رہے گی۔ یہ ہی صحیح وقت ہے اگر عمر زیادہ بڑھ گئی تو رشتے مشکل سے ملیں گے۔ ہماری سوسائٹی میں لڑکے ایسی باتیں کر سکتے ہیں لیکن لڑکیاں اگر اپنے کریئر کے ساتھ گھر بھی وقت پر بسا لیں تو اس میں ان کے لیے ہر لحاظ سے بہتری ہے پھر اسلام بھی تو ہمیں یہ ہی حکم دیتا ہے۔ ویسے بھی تم سمجھدار بچی ہو۔ اسلام کی اس حکم کے پیچھے کیا حکمت پوشیدہ ہے اس سے اچھی طرح واقف ہو۔'' پہلی بار خالہ کے انداز میں سنجیدگی کے ہمراہ نرمی در آئی تھی اور اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ خالہ کا ردعمل اس کی سوچ کے بالکل برعکس تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ویسے بھی ابھی میری عمر کیا ہے۔'' پہلی بار وہ لاجواب ہوئی تھی اور لاجواب ہونے پر اس نے الٹا سوال کیا تھا۔

''تہنیت بیٹا! آپ پچیس سال کی آرام سے ہو چکی ہو، پڑھائی مکمل ہے، جاب بھی ملنے والی ہے اور کس عمر میں شادی کا انتظار ہے آپ کو؟'' انہوں نے اس کے سوال کا مذاق اڑایا۔

''کہیں کوئی پسند تو نہیں ہے؟'' کچھ توقف کے بعد وہ بے ساختہ بولیں تو تہنیت نے چونک کر نفی میں سر ہلایا۔

''ایسا بالکل نہیں ہے۔ میں نے ویسے ہی کبھی شادی کے موضوع کو سیریس نہیں لیا اور نہ پڑھائی میں اتنا وقت ملا مگر میں آپ کی باتوں پر غور کرتی ہوں۔''
آخر میں اس کا انداز شکستہ خوردہ تھا۔

''By all means marry, if you get a good husband, you'll become happy; if you get a bad one, you'll become a philosopher.,,

خالہ کی آواز ایک بار پھر سنجیدگی سے شرارت کی جانب منتقل ہوئی تھی اور تہنیت نے پہلی بار قہقہہ لگاتے ہوئے ان کی تصحیح کی۔

''یہ سقراط کا جملہ ہے مگر اس میں ہزبنڈ کی جگہ وائف ہے۔''

''اب بیویاں تو اپنے مطابق بدل کر ہزبنڈ ہی ڈالیں گی ناں۔'' خالہ ہنوز اسی انداز میں کہتے ہوئے مسکرا دیں اور پھر موڈ بدل کر انہوں نے اجازت چاہی۔ تہنیت کافی دیر ان کی باتوں پر غور وفکر کرنے کے بعد انجام تک پہنچ ہی گئی تھی۔

☆.....☆

ایک ہفتہ سوچ بچار اور سب کے دباؤ ڈالنے پر اب اس کے پاس خالہ کا مشورہ ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی لیے ایک دن جب ماما اس سے اس موضوع کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں تو اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی بات مان لوں تو ایک بار میری اس لڑکے سے ملاقات کروائیں..... اس کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں گی۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے خاصے گمبھیر لہجے میں ماما کی آنکھوں میں براہ راست آنکھیں ڈال کر کہا تو انہوں نے شاید اس کی آنکھوں پر مارے خوشی کے غور ہی نہیں کیا کہ کم از کم اس نے بات آگے بڑھانے کے لیے تو کہا۔ اگر وہ غور کرتیں تو انہیں اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نظر نہ آتا۔ پریشانی، جھنجھلاہٹ، غور وفکر، اکتاہٹ.....

''ٹھیک ہے میں تمہارے پاپا سے کہتی ہوں کہ وہ ان لوگوں کو چائے یا ڈنر پر انوائیٹ کر لیں یوں وہ بھی تمہیں دیکھ لیں گے اور تم بھی اس سے مل لینا۔ ویسے تمہارے پاپا بتا رہے تھے کہ وہ کوئی دقیانوسی خیالات کے لوگ نہیں ہیں، اچھے خاصے لبرل ہیں اس لیے انہیں یوں لڑکے کو بھی ساتھ لانے اور ملوانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ لڑکا ویسے بھی بہت اچھا ہے۔ تمہارے پاپا اس کی بہت تعریف کرتے ہیں ایک سال اس نے تمہارے پاپا کے ساتھ آفس میں کام کیا کچھ تجربہ حاصل کرنے کے لیے اور اب وہ اتنا قابل ہو گیا ہے کہ اپنا بزنس چلا رہا ہے۔ تمہارے پاپا کو تو وہ پہلے سے ہی بہت پسند تھا پھر جب ڈنر پر میری اس کی آنٹی سے ملاقات ہوئی جو انکل ریاض کے گھر ڈنر پر ہمارے ساتھ انوائیٹ تھی تو تمہارا ذکر کرنے پر انہوں نے اپنے بھتیجے کا نام لیا اور بس وہیں سے تمہارے پاپا نے پہچان لیا اور انہیں گھر آنے کی دعوت دے دی۔ اب فیصلہ تم پر ہے۔ ہماری طرف سے تو ہاں ہے۔''
ماما نے گزشتہ دنوں کی تفصیل سے اسے آگاہ کیا۔

کتنا سب کچھ ہو گیا تھا جب وہ یہاں نہیں تھی۔ بے اختیار اس نے سوچا اور ماما کی باتوں کا کوئی خاص جواب نہیں دیا۔ کئی دن تک وہ اسی شش و پنج میں مبتلا رہی۔ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس پریشانی میں خالہ کا گھر اور جناح پارک، خاص کر وہ لڑکا اس کے ذہن سے بالکل ہی اتر گیا تھا۔ ویسے بھی اب تو اس کی شادی بھی ہو گئی ہوگی۔ ایک بار یاد آنے پر اس نے گردن کو جنبش دیتے ہوئے سوچا تھا۔

''اور پتا نہیں کون بدنصیب ہوگی۔'' اگلے الفاظ کا اضافہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

☆.....☆

گرمیوں کے لمبے دن یوں ہی گزر رہے تھے۔

سورج روز اسی طرح نکلتا، اپنی شعلے جیسی گرمی سے زمین پر انگارے برساتا اور شام ڈھلے اپنی سرخیاں سمیٹتا غائب ہو جاتا۔ یہ دن اس کے بہت مصروف دنوں میں سے تھے۔ بڑی محنت سے اس نے اپنا ریسرچ پیپر پبلش کروایا تھا اور آج کل وہ لیکچرر شپ لینے کے لیے دن رات محنت کر رہی تھی۔ پیپر کا دن تھا جب وہ بڑے دنوں بعد ملازمہ کو چھٹی دے کر اپنا کمرہ خود سمیٹ رہی تھی۔ ان دنوں اس کی ان تھک محنت اس کے کمرے کی بکھری حالت سے بھی بخوبی عیاں ہو رہی تھی۔ دادو نے کئی بار ملازمہ کو صفائی کے لیے بھیجا مگر وہ بضد رہی کہ اس وقت کوئی اس کمرے کو ہاتھ نہ لگائے، ملازمہ پتا نہیں سب سامان کہاں رکھ دے گی اور پھر ضرورت کے وقت اسے کچھ ملے گا ہی نہیں۔ وہ اپنی بکھری ہوئی کتابوں کو قالین پر رکھے ترتیب دے رہی تھی۔ اردو کی کتابیں ایک طرف اور انگریزی کی دوسری طرف تاکہ ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ تب ہی ماما دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئیں۔ بکھرے ہوئے مگر کیچر میں جوڑے کی شکل میں قید بال، مصروفیت سے کتابوں کو الٹ پلٹ کر ترتیب دیتے ہاتھ اور ٹراؤزر شرٹ میں وہ خاصی مصروف لگ رہی تھی۔

ماما نے ایک نظر بغور اپنی بیٹی پر ڈالی جو یوں یکسوئی سے کام کرتی اس بے ترتیب حلیے میں اشیاء کو ترتیب دیتی انہیں اور بھی خوب صورت لگی۔ بے اختیار انہیں اس پر پیار آ گیا اور شاید وہ بات بھی اسی نوعیت کی کرنے آئی تھیں کہ یہ بات کرتے ہوئے ہر والدین کو اپنے بچے پر پیار آ جاتا ہے۔

''کیا ہوا ماما اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟'' ان کی موجودگی پر انہیں یوں خاموش بیٹھا دیکھ کر بالآخر اس نے خاموشی توڑی۔

''انتظار کر رہی ہوں تمہارے فارغ ہونے کا۔'' ماما نے بڑے پیار سے اسے گھورتے ہوئے کہا تو اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

''آپ کو جو کہنا ہے آپ کہیں میں سن رہی ہوں۔'' بولنے کے ساتھ ہی اس نے چہرہ ایک بار پھر کتابوں کی طرف کیا۔ وہ یکے بعد دیگرے کتابوں کا انبار بڑی تیزی سے ایک دوسرے پر لگا رہی تھی۔

''کل وہ لوگ چائے پر آ رہے ہیں۔'' ماما نے دھیرے سے جواب دیا تو اس کے ہاتھ یک دم وہیں کلیات اقبال پر ٹھہر گئے۔

''واٹ؟ اتنی جلدی۔'' اسے اچھا خاصا جھٹکا لگا۔

''تم ہی نے تو کہا تھا کہ تم ایک بار ان لوگوں سے ملنا چاہتی ہو، اسی لیے ان کی کال آنے پر میں نے انہیں چائے پر بلا لیا۔''

''اچھا اب بلا لیا ہے تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔'' کچھ توقف کے بعد وہ کتاب اپنی جگہ پر رکھ کر بے بسی سے گویا ہوئی اور پھر دیر تک ماما اسے نصیحتیں کرتی رہیں۔

''کپڑے ڈھنگ کے پہننا، کل یونہی ٹراؤزر شرٹ میں اٹھ کر نہ آ جانا، بولنے میں بھی ذرا احتیاط برتنا، وہ خاصا ذہین اور پریکٹیکل قسم کا میچور انسان ہے۔ تمہارے پاپا کی چوائس ہے آخر اور ہاں کل صبح چہرے کا فیشل بھی کر لینا، بلیچ وغیرہ بھی کروا آنا پارلر سے شکل دیکھو کیا بنا رکھی ہے کیا کہیں گے دیکھ کر کہ اکلوتی بیٹی کا حلیہ دیکھو۔''

وہ خاموشی سے سر جھکائے سنتی رہی کیونکہ اس وقت وہ کسی بات کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھی اور اب اسے لگ رہا تھا کہ خالہ کی باتوں نے اسے خوامخواہ ہی پھنسا دیا ہے۔

☆.....☆

اگلی شام اس کے لیے کیسی ہو گی اس کا اندازہ وہ نہیں لگا سکتی تھی کیونکہ کبھی کبھی جن باتوں پر پرجوش ہوا جائے وہی باتیں دکھ دیتی ہیں اور کبھی جن باتوں کو سنجیدگی سے نہ لیا جائے وہی زندگی بدل دیتی ہیں۔

اس کے دل میں نہ پہلے کوئی جذبات تھے اس رشتے کی وجہ سے اور نہ اب ماما اور سب کی باتوں سے ابھرے تھے۔ وہ معمول کے مطابق ہی اٹھی تھی۔ نہ ہی وہ پالر گئی اور نہ اس نے چہرے کی کوئی کلینزنگ وغیرہ کی تھی البتہ شام کو اس نے ہلکے پستے رنگ کا سوٹ نکال کر زیب تن کیا تھا جس پر ہلکی سی نفیس دھاگے کی کڑھائی ہوئی تھی اور دوپٹے کے پلو پر ہلکی سی فینسی لیس لگی تھی۔ بال اس نے نہا کر ہیئر ڈرائیر سے خشک کر کے ویسے ہی کھلے چھوڑ دیے تھے جو اسٹیپس میں کٹے کمر پر جھول رہے تھے۔ دوپٹا اس نے سینے پر پھیلا لیا تھا اور میک اپ کرنے کی زحمت سے بچنے کے لیے اس نے صرف گلابی لپ گلوز کا ہی استعمال کیا تھا۔

وہ روایتی انداز میں ڈرائنگ روم میں نہیں آئی تھی۔ چائے ملازمہ نے پیش کی تھی۔ کچھ دیر قبل ماما نے جب اسے مہمانوں کی آمد کے بارے میں بتایا تو وہ خود ہی مریل دل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ ابھی وہ داخل ہوئی ہی تھی کہ ایک نفیس سی عورت نے صوفے سے اٹھ کر اس سے سلام دعا کی۔ اسے گلے لگایا اور پھر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ اپنے بھتیجے کے گن گانے لگیں جو اس کے دائیں طرف والے صوفے پر براجمان تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ نگاہ اٹھا پاپا کے ساتھ بیٹھے ان موصوف کو تو دیکھے جس کی خوب صورتی، کردار اور پاکبازی کی اس کی تائی جان قسمیں کھا رہی ہیں اور پاپا پہلی ملاقات ہی میں اس سے مرعوب ہو گئے ہیں۔

''آپ لوگ باہر لان میں جا کر باتیں کریں چائے میں وہیں بھجوا دیتی ہوں۔'' گفتگو کے درمیان دادو نے بڑی محبت سے دونوں بچوں کو باہر جانے کا حکم دیا تاکہ دونوں کی رضا مندی سے فیصلہ کیا جا سکے۔ تہنیت مؤدبانہ اپنی جگہ سے اٹھی لیکن گردن اٹھاتے ہی اس کی نظریں جس خوبرو نوجوان سے ٹکرائیں اس نے اس کے چاروں طبق روشن کر دیے لیکن سامنے کھڑے شخص کا چہرہ سپاٹ تھا۔ تہنیت خاموشی سے دھڑکتے دل پر قابو پاتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ قسمت اس کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے گی۔

''میں کب سے آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔'' لڑکا دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے جو خاموش اس کے قدم ملا کر چل رہا تھا لان میں پہلا قدم رکھتے ہی اس بے لچک انداز میں گویا ہوا اور تہنیت نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس انسان سے وہ پہلے بات کرنے کے لیے ترسا کرتی تھی اس کی توجہ کی طالب تھی، جس کی نظر خود پر پڑنے کی تمنا اسے ہر شام بے چین رکھا کرتی تھی آج اس طرح اس کی پوری توجہ حاصل ہو گی اور براہ راست اس سے مخاطب ہونے کے باوجود اس کے لب ایک دوسرے میں یوں پیوست ہا جائیں گے، وہ بھی پہلی ملاقات میں۔ آہستگی سے خاموش چلتے ہوئے وہ گھاس کو گھورتے سوچ رہی تھی۔ حیرت تھی جس انسان پر سے اتنا غصہ آیا کرتا تھا، جس انسان نے گھر آ کر بھی اسے اس قدر مضطرب رکھا آج اس کے سامنے وہ دنیا جہاں کا علم رکھنے والی، بہترین گفتگو کرنے والی خاموش ہو گئی تھی۔

''آپ نے سنا میں نے کیا کہا؟'' لان کے وسط میں پہنچ کر وہ ایک بار پھر گویا ہوا مگر اب اس کے انداز میں تھوڑی سی حیرانی تہنیت کو محسوس ہوئی تھی۔

''ج..... جج..... جی۔'' بمشکل اس نے خود کو بولنے پر مجبور کیا اور خاموشی سے سر جھکائے لان میں رکھی پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔'' بیٹھتے ساتھ ہی وہ گویا ہوا تو پہلی بار تہنیت نے اس شخص کو بغور سامنے، وہ بھی اتنی قریب سے دیکھا، اس کی وجاہت اور شخصیت میں ابھی تک کوئی کمی نہیں آئی تھی، اسی طرح دائیں کلائی میں پہنی رسٹ واچ، fringe کٹ کے اسٹائل میں کٹے بال اور فٹ جسامت۔

''میں سن رہی ہوں۔'' ایک گہری نظر اس پر ڈالنے کے بعد وہ تھوک نگل کر اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی۔ وہ اذان پر کسی طرح کا بھی برا امپریشن نہیں ڈالنا چاہتی تھی مگر ذہن میں جو اتنے سوالوں کے جھکڑ چل رہے تھے ان کا کیا؟''

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے؟'' گردن جھکاتے ہی آواز بھی دھیمی پڑ گئی۔

''کیا؟'' اس کی آواز میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے اسے تشویش میں ڈال دیا یا پھر یہ بندہ ہمیشہ ہی دوسروں کو کشمکش میں رکھنے کا عادی تھا۔

''یہ ہی کہ میں آپ سے کیا کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔'' اس کے یہ مدہم، سنجیدہ الفاظ کسی تیر کی طرح اس کے سینے میں جا کر پیوست ہوئے تھے۔ یہ بات اس کے لیے کتنا بڑا جھٹکا تھی جس کے سینے میں ابھی محبت کی کونپل پھوٹی تھی اور کچھ دیر قبل اذان کو دیکھنے کے بعد ہی اسے اپنے ان نئے جذبوں کا ادراک ہوا تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوا، شاید وہ دل میں اس انسان کو قبول بھی کر چکی تھی لیکن اس نے تو چند ہی لفظوں کی مسافت پر اس کے جذبات کا قتل کر دیا۔

''کیا اسی بات کے لیے آپ کو ملنا تھا؟'' تہنیت نے دل میں گرتے آنسوؤں پر بڑی مشکل سے قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ہاں آپ کو یہ ہی بتانا چاہتا تھا کہ جس ضرورت کے لیے مرد عام طور پر شادی کرتا ہے ایسی کوئی ضرورت میری اب رہی ہی نہیں..... اس لیے میں شادی کر کے کسی بھی لڑکی کی زندگی برباد نہیں چاہتا۔'' اس کی آواز جتنی مدہم تھی تہنیت پر وہ اتنی ہی تیز بجلی کی طرح گری۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ شخص کیا باتیں کر رہا ہے۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں بچپن سے ہی امریکا میں رہا ہوں۔ میرے والد پاکستانی اور والدہ یہودی تھیں۔ ڈیڈی سے شادی کے لیے انہوں نے اپنا مذہب تو تبدیل کر لیا مگر اسلام کے کسی بھی حکم کی انہوں نے کبھی پیروی نہیں کی۔ میری پرورش ایسی ماں کی گود میں ہوئی ہے جو صرف نام کی مسلمان تھیں اور کام ان کے سارے وہی تھے جو ایک غیر مسلم کے ہوتے ہیں۔ ڈیڈی کی ڈیتھ جلد ہی ہوگئی اگر نہ ہوتی تو شاید میں ایسی زندگی نہ گزار رہا جیسی گزار چکا ہوں۔'' اذان کی آواز پہلی بار اسے غمگین لگی تھی۔ جو اس کے وہم و گمان سے بھی پرے تھی۔

''پہلی ہی ملاقات میں آپ کو میں نے پہچان لیا تھا اور آپ مجھے اچھے گھرانے کی ایک شریف لڑکی لگی تھیں ویسے بھی آپ کو دیکھنے سے پہلے ہی تائی جان مجھے آپ کی تصویر دکھا چکی تھیں۔ مجھے لگا آپ بھی مجھے جانتی ہیں اور شاید آپ میمونہ، فریحہ کے سامنے مجھ سے بات کرنے میں ہچکچاتی ہیں اسی لیے میں نے آپ کو مخاطب نہیں کیا۔ میں تب ہی آپ کو یہ سب بتانا چاہتا تھا مگر ان کے سامنے بتا نہیں سکتا تھا لیکن جس دن مجھے تائی جان نے بتایا کہ آپ کے والدین نے میرے بارے میں ابھی کچھ بھی نہیں بتایا تو میں نے آپ سے بات کرنے کی ٹھانی مگر آپ اس دن پارک نہیں آئی تھیں۔'' اسے یک دم یاد آیا کہ میمونہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ یہ بات اس یقین کے لیے کافی تھی کہ وہ جو بول رہا ہے وہ سچ ہے۔

''اس کے بعد تائی جان مجھے زبردستی شادی کی شاپنگ پر لے گئیں اور کئی دن پارک اسی لیے نہیں آسکا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے اسی لیے پاکستان شفٹ ہونے کے بعد وہ میری شادی کے پیچھے پڑ گئی ہیں مگر میں انہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ امریکا میں میری کتنی گرل فرینڈز ہیں جن سے میں خاصی قربت حاصل کر چکا ہوں جس میں سے ایلس میرے بچے کی ماں بھی بننے والی ہے اور پاکستان شفٹ بھی میں اسی

لیے ہوا تھا کیونکہ میں شادی جیسی بڑی ذمہ داری قبول نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں نہ تب نہ اب۔"

تہنیت کے پاؤں تلے سے زمین اب نکلی تھی۔ اس انسان نے اس کو سراسیمہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تہنیت نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ یہ وہی انسان ہے جس کے کردار اور ذہانت کی قسمیں پچھلے کچھ عرصے سے اس کے والدین اور اب اس کی تائی جان کھا رہی تھیں۔ انسان دھوکے باز ہوتے ہیں مگر ایسا دھوکا شاید اس نے پہلی بار ہی کھایا تھا۔

کردار کا دھوکا، شکل کا دھوکا، سوچ کا دھوکا، شخصیت کا دھوکا..... سرتاپا دھوکا ہی دھوکا..... ایک خوب صورت لباس اور برینڈ کی شکل میں دھوکا۔ اس کا سر چکرا گیا تھا اتنے دل دہلا دینے والے انکشافات پر۔

"مجھے آپ اچھی لگی تھیں پہلی نظر میں اسی لیے اپنی زندگی کا اتنا بڑا سچ پہلی بار کسی کو بتا رہا ہوں پاپا کی ڈیتھ کے بعد جب میں نے ممی کو اس طرح غیر مردوں میں اٹھتے بیٹھتے دیکھا تو میں ان سے بہت دور ہوگیا۔ ان کے لیے میرے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ وہ محبت جو ایک بچہ اپنے والدین سے چاہتا ہے اگر وہ جائز محبت اسے نہ ملے تو وہ ناجائز (محبت) کی طرف جاتا ہے یا اگر کم از کم مجھے اس وقت میرے مذہب کے مطابق یہ ضرور بتا دیا جاتا کہ دل میں اٹھنے والی ناجائز نفسانی خواہشوں پر لگام کیسے ڈالنی ہے تو شاید میں ان کاموں میں پڑتا ہی نہیں..... میں اپنی زندگی کی مشکلات سے چھٹکارا پانے کے لیے اپنی گرل فرینڈز کے ایموشنز کو استعمال کرتا تھا صرف وقت گزارنے کے لیے اور جب کبھی زندگی سے کچھ زیادہ ہی بے زار ہو جاتا تو بار میں جا کر شراب کی کچھ بوتلیں اپنے اندر انڈیل لیا کرتا۔

پانچ سال پہلے اسی طرح ڈپریشن اور ڈرگز لینے کی وجہ سے میری حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ مجھے memory lose کا پرابلم ہوگیا اور ابھی بھی میں چھوٹی موٹی چیزیں بھول جاتا ہوں۔ کافی سال علاج چلتا رہا، ڈرگز کی ڈوز کم کرنے اور علاج سے میں کچھ بہتر ہوا تو ایک دن ایلس نے بتایا کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور چاہتی ہے کہ میں اس سے شادی کرلوں تاکہ اس بچے کو نام دیا جاسکے۔ وہ دن امریکہ میں میرا آخری دن تھا۔ ایمرجنسی فلائٹ سے میں اگلے ہی دن پاکستان آگیا اور پیچھے سارے رابطے منقطع کردیے یہاں تک کہ اپنی ماں سے بھی جو میری اس زندگی کی ذمہ دار ہے۔"

اسے جھماکے سے وہ بیگ والا واقعہ یاد آیا جب میمونہ نے اسے بتایا تھا کہ اذان سے ان کی پہلی ملاقات گمشدہ بیگ سے ہوئی تھی، تہنیت نے غور سے دیکھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی اور شاید آنکھوں میں کچھ تیر رہا تھا۔ کیا چیز اسے تکلیف دے رہی تھی۔ اس بات کا اندازہ وہ نہیں کر پائی مگر بے ساختہ اسے اس پر رحم آیا تھا۔ اس سب میں اس کا قصور کتنا تھا وہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ عورت کا اپنی اولاد کی تربیت اور زندگی بنانے میں کتنا کردار ہوتا ہے یہ اس کی سمجھ میں آج آرہا تھا۔ یہ والدین ہی ہوتے ہیں جو معاشرے کی برائی اور اچھائی کو ہمارے سامنے بڑا اور چھوٹا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر وہ بڑا بنا کر پیش کریں تو وہ برائی بہت بڑی لگنے لگتی ہے کہ انسان اسے کرنے سے پہلے سو بار سوچتا ہے اور اگر چھوٹا بنا کر پیش کریں تو بڑی سے بڑی برائی کرنے میں بھی انسان کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

"اگر آپ واقعی مسلمان ہیں تو دین کو ایک بار پھر سمجھیے اور اللہ سے توبہ کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں۔" گہرا سانس لے کر تہنیت نے اسے مشورہ دیا۔ اذان نے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"اپنے مذہب کو اسٹڈی کیا تو معلوم ہوا کہ میں

کتنا گناہ گار ہوں اور جہاں تک رہا سوال توبہ کا تو وہ انسان تب کرتا ہے جب اس نے واقعی توبہ کرنی ہو اور جو میری طرح addict ہو چکا ہو وہ تو اللہ سے نظریں بھی نہیں ملا سکتا کہ جان بوجھ کر کیا جانے والا گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے۔ میں ایسی آگ میں جل رہا ہوں جو نفس کی آگ ہے جسے ٹھنڈا کرنے کے لیے جو بھی دنیاوی حربے اپناتا ہوں وہ گناہ ہیں، خودکشی کا خیال آتا ہے تو وہ مجھ جیسا گناہ کی پوجا کرنے والا بزدل انسان کر ہی نہیں سکتا۔ اب بس موت کی خواہش میں پل پل مر مر کے جی رہا ہوں۔'' شکستہ لہجے میں گویا ہوتے ہوئے اس نے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا۔

تہنیت کو یک دم اس انسان سے خوف آنے لگا۔ اسے روتے ہوئے شخص سے کیوں خوف آ رہا ہے؟ اسے حیرت ہوئی یا شاید اسے اپنا آپ اب وہاں غیر محفوظ لگنے لگا تھا۔

''گھبراؤ نہیں میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے بہت سی لڑکیوں کی قربت دیکھی ہے مگر دل صرف تمہاری پاکبازی پر آیا ہے۔ اب تو میں لڑکیوں کی چال ڈھال سے ان کے کردار کا اندازہ لگا لیتا ہوں۔ تم نے مختصر سی دنیا کے سوا کچھ نہیں دیکھا مگر تم میں، میں نے اپنی وہ دنیا دیکھی تھی ہے جسے دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گی اور تمہیں نہ پا لینے کا غم ہی میری موت تک مجھے کھاتا رہے گا۔''

وہ کیا بول رہا تھا، ہوش میں بھی تھا کہ نہیں، تہنیت خوف زدہ سی ہونق بنی اسے گھورتی رہی جو عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا۔ جملہ مکمل کرنے کے بعد اس نے کلائی میں پہنی اپنی رسٹ واچ اتار کر وقت کی سوئیاں سات بج کر پندرہ منٹ پر روک لی تھیں۔

''یہ گھڑی، یہ وقت مجھے ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ جس انسان کے سامنے میں نے دل ہارا، وہ انسان سات بج کر پندرہ منٹ پر مجھ سے مل کر بچھڑ گیا۔ میں اسے نہیں روک سکا تو اس وقت کو اپنی موت تک روک لیا۔'' محظوظ سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے گھڑی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالی اور شام کی سرخی میں لان عبور کرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

تہنیت کتنی دیر سہمی ہوئی آنکھوں سے اس لایعنی ہولناک منظر کو سوچتی رہی۔ اس نے دل تہنیت کی پاکبازی پر ہارا تھا جسے اس سے محبت ہو گئی تھی اور جس کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ جو مرنے کے لیے جی رہا تھا۔ وہ شخص جس کا نام اذان تھا۔ واقعی وہ ٹھیک کہتی تھی۔ اس کا نام اس کی شخصیت سے ذرا میل نہیں کھاتا۔ جس کے پرکشش جال میں وہ بھی پھنسنے لگی تھی یا شاید..... بڑے سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں سب جانتے ہیں اتنا کہ وہ ان کے کردار کی قسمیں کھانے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں مگر درحقیقت آج کل والدین اپنے بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

چہرے، شخصیت، تعلیم، شان و شوکت، ذہانت..... سب سراب ہے۔ ایک خوب صورت جال، لوگوں کو پھنسانے کے لیے۔ لوگ اندر سے کچھ اور ہوتے ہیں، ان کی شخصیت اندر سے مسخ ہو چکی ہوتی ہے مگر باہر کی چمک دمک برابر برقرار..... اف خدایا سب دھوکا۔ تہنیت کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ کہانی اسے کوئی من گھڑت کہانی لگ رہی تھی۔ وہ اسے رہائی دے کر گیا تھا یا..... وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اذان کی زندگی بامید مرگ تھی اور وہ جاتے جاتے اس کی زندگی بھی زیست بامید مرگ بنا گیا تھا..... کیسے..... وہ دل ایسے انسان پر ہاری تھی جس کے ساتھ نہ تو زندگی گزاری جا سکتی تھی اور نہ ہی اس کی یادوں سے چھٹکارا ممکن تھا۔

☆

عائشہ ذوالفقار

دل بے آوارہ

''ان دونوں کی شادی ہوگئی؟'' عاطف بھی بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھتا رہ گیا۔ عارب چودھری کے چہرے سے ذرا سا بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ خوش نہیں تھا۔ علیکہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے واپس مڑ گئی۔ آنسو بے دریغ بہے چلے جا رہے تھے۔ اس نے انہیں معاف کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

''بس یہ وقعت تھی میری ؟ بس اتنی سی۔'' اسے لگا جیسے کوئی اس کا دل مسل رہا ہو۔
''دوسری شادی تو نہ کرتے تم میرے ہوتے ہوئے۔'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہ واپس گاڑی تک آگئی۔ کالے سیاہ بادلوں سے بوندیں ٹپکنا شروع ہوگئی تھیں۔
''لیکن عروج کی شادی تو اس کے امریکا والے منگیتر سے ہونا تھی؟'' عاطف ابھی تک بے یقین تھا۔
''یہ وہی ہیں عالیان بھائی!'' لڑکا عتبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
عاطف الجھ کر رہ گیا۔ ''لیکن یہ تو......'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی علیکہ نے اسے آواز دی۔
''عاطف چلو۔''
بارش تیز ہوتی جارہی تھی۔ عاطف ایک نظر اسٹیج کی طرف دیکھتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔ یوں ہی روتے

قسط نمبر 21

pakistanipoint

ہوئے وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ عاطف نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ بادلوں کی گھن گرج اور موسلا دھار بارش میں اس نے چپ چاپ گاڑی مین روڈ پر ڈال دی۔ وہ علیکہ کو تسلی بھی نہ دے سکا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ نہ جاؤ۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ علیکہ چپ چاپ شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔

''کیا بچا سکیں تم..... خود کو یا اس لڑکی کو.....؟'' وہ پھر بولا۔

''عاطف میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' وہ ابھی لاہور سے چند کلومیٹر دور تھے جب عاطف کو اس کی تکلیف دہ آواز سنائی دی۔

''علیکہ کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہوگیا۔

علیکہ کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بمشکل اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔

''یار کیا ہوا تمہیں علیکہ!'' اس نے دونوں شیشے نیچے کردیے۔ علیکہ آنکھیں بند ہورہی تھیں۔ اندھا دھند گاڑی بھگاتے ہوئے وہ شہر میں داخل ہوا اور سیدھا ہسپتال آیا۔ علیکہ کا وجود بالکل بے جان ہورہا تھا۔ اس کا اسٹریچر ایمرجنسی روم کے دروازے تک پہنچا کر اس نے عکرمہ کو کال کی۔

''جلدی ہسپتال پہنچ، علیکہ کی حالت بہت نازک ہے۔'' رات کے دس بج رہے تھے اوپر سے بے پناہ بارش۔ دونوں بچوں کو نیند سے جگا کر اس نے عوریہ کی طرف چھوڑا اور اسے صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے ہسپتال آگیا۔ عاطف ایمرجنسی روم کے باہر موجود تھا۔

''کیا ہوا علیکہ کو؟''

''بے ہوش ہوگئی..... اچانک۔'' عاطف پریشانی سے بولا۔

''لیکن کیسے.....؟'' عکرمہ جلدی سے بولا۔

''میں اور علیکہ عارب کے گاؤں گئے تھے، ابھی کچھ دیر پہلے۔ عتبہ نے اس کی بہن سے شادی کرلی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا نکاح ہوتے دیکھا ہے۔'' اس نے عکرمہ کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ سُن رہ گیا۔

''تجھے علیکہ کو نہیں لے جانا چاہیے تھا۔'' وہ زور سے بولا۔

''میں نہ لے کر جاتا تو وہ اکیلی ہی چلی جاتی، تجھے کیا پتا نہیں ہے اس کا۔'' عاطف دوست تھا۔ عکرمہ خاموش ہوگیا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد لیڈی ڈاکٹر icu سے باہر نکلی۔

''وہ ٹھیک تو ہے نا؟'' عکرمہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

''آپ ان کے شوہر ہیں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں، میں اس کا بھائی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''مبارک ہو، آپ انکل بننے والے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ عکرمہ دم بخود رہ گیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! اب اس کی طبیعت کیسی ہے؟'' عاطف آگے کو آیا۔

''ابھی بے ہوش ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہوش آجائے گا۔ اب حالت خطرے سے باہر ہے۔'' لیڈی ڈاکٹر عکرمہ کا فق چہرہ دیکھ کر ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ عاطف نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کاش وہ بے ہودہ انسان کچھ دیر اور صبر کرلیتا۔'' عکرمہ نے آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹی علیکہ زہرہ کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

☆.....☆

چار گھنٹے ہو گئے تھے انہیں ایمرجنسی روم کے آگے ٹہلتے ہوئے۔ عزین مرزا بھی چپ چاپ بینچ پر بیٹھے تھے۔ عمایہ کا خون سے سرخ ہوتا وجود بار بار ان کی نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔ بہت جان لیوا انتظار کے بعد دروازہ کھلا۔

''کیسی ہے اب وہ؟'' عروہ جلدی سے ڈاکٹر کی طرف آئیں۔

''ان کی حالت اب خطرے سے باہر ہے لیکن..... ہم بچے کو نہیں بچا سکے، سوری۔'' وہ ان کے اوسان خطا کر کے آگے بڑھ گئی۔ عزین مرزا نے تھک ہار کر اپنا سر جھکا لیا۔ عروہ اپنی آنکھیں خشک کرتی ہوئی بینچ پر گر گئیں۔

''پتا نہیں کیوں؟ پتا نہیں کیسے میرے دونوں بیٹے ایک ہی فطرت پر چلے گئے۔'' ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ عزین مرزا نے انہیں کندھوں سے تھام کر خود سے لگا لیا۔

''یہ لڑکی عینیہ جیسے بدنصیب لڑکے کے لیے نہیں ہے عزین۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ عزین مرزا چپ رہے۔ تبھی عکرمہ کی کال آ گئی۔

''ہاں عکرمہ!'' وہ خود کو نارمل کرتے ہوئے بولے۔

''مبارک ہو آپ کو۔ آپ نانا بننے والے ہیں۔'' وہ خوشی سے چہکتی ہوئی آواز میں بولا۔

''لیکن میں دادا بننے سے محروم ہو گیا ہوں عکرمہ!'' انہوں نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

''عمایہ ٹھیک ہے؟'' اس کے ذہن میں فوراً بے حال ہوتی عمایہ کی تصویر ابھر آئی۔

''بس موت کے منہ سے واپس آئی ہے۔'' وہ بولے۔

''آپ کہاں ہیں اس وقت؟'' اس نے پوچھا عزین مرزا نے اسے ہسپتال کا پتا بتایا۔

''میں آ رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''اگر اس سب میں تمہارا ذرا سا بھی ہاتھ ہے تو مت آؤ۔'' وہ سرد آواز میں بولے۔ عکرمہ خاموش رہ گیا۔ عزین مرزا نے کال کاٹ دی۔

☆.....☆

''کیا لینے گئی تھیں تم وہاں؟'' وہ علیکہ کو ڈسچارج کروا کر عبیرہ کی طرف لے آیا تھا۔ علیکہ چپ رہی۔ ''مجھے بتاؤ کیا کر لیا تم نے وہاں جا کر؟ سوائے آنسوؤں کے اور کیا ملا تمہیں؟'' وہ پھر بولا۔

''اس بات کا پتا چل گیا کہ مجھے ابھی کچھ دیر اور اس کے نام کے ساتھ جینا ہے۔ اس بات کا ادراک ہوا کہ اس سے الگ ہونے کے بعد بھی میں ساری عمر اس کے بچے کی ماں کہلاؤں گی۔ تاحیات وہ میرے بچے کا باپ کہلائے گا۔'' وہ رو پڑی۔

''یہ میری بدقسمتی رہے گی کہ لوگ ہمیشہ مجھے اس کی پہلی بیوی کہیں گے۔'' وہ زور سے بولی۔ عکرمہ چپ رہ گیا۔

''آج کے بعد میں مر کر بھی اس شخص کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ مر کر بھی نہیں۔ کوئی اسے میرے بچے کے بارے میں نہیں بتائے گا، کوئی نہیں۔'' وہ روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

''اب معاف نہیں کروں گی تمہیں بے غیرت انسان..... اب قدموں میں بھی گرو گے تو معاف نہیں کروں گی۔ اب صرف تم سے نفرت کروں گی۔ اب وہی کروں گی جو تمہاری اوقات ہے عتبہ صدیقی..... تمہارا نام تک نہیں لوں گی۔'' وہ اپنے اندر کا غبار نکالتی رہی۔ ''بس چند ماہ اور..... پھر میں خود تمہیں چھوڑ دوں گی۔'' اس نے اپنے آنسو خشک کیے تھے۔

زیادہ موقع نہیں ملا اور یہ بات عارب کے حق میں تھی لیکن وہ آخر کو پولیس والا تھا۔ کچھ نہ کچھ محسوس کر گیا تھا۔
''بھلا کیسے؟'' وہ بولا۔
''بڑا خوش اخلاق ہو گیا ہے۔ پرسنالٹی بھی کافی زبردست ہو گئی ہے۔ جب یہاں سے امریکہ گیا تھا تب ایسا نہیں تھا۔'' وہ بولا۔
''تو امریکہ جا کر پرسنالٹی بھی نہ بنتی اس کی۔'' عارب جلدی سے بولا۔
''لیکن فطرت کیسے بدل گئی؟ اتنا تمیز دار، اتنا خوش مزاج کیسے ہو گیا؟ عادتیں بھی بدل گئی ہیں۔ کمال ہے ویسے۔'' عرفان کی چھٹی حس بار بار جاگ رہی تھی۔
عارب چپ چاپ کروٹ بدل گیا۔ پورا کھیل اس کے ہاتھوں سے نکلتا نظر آ رہا تھا۔
☆.....☆
''عکرمہ کہاں ہے؟'' آفس آتے ہی انہوں نے عائزہ سے پوچھا۔
''اپنے کیبن میں ہے سر۔'' وہ جلدی سے بولی۔ عینیہ بھی اس کے پاس کھڑا تھا۔
وہ تیزی سے اس کے کیبن کی طرف آ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، چٹاخ کی آواز سے ان کا تھپڑ اس کا گال رنگ گیا۔ اس سمیت سارا اسٹاف دم بخود رہ گیا۔
''میری ایک بات کان کھول کے سن لو، آئندہ تمہاری بلا سے بے شک وہ مر جائے لیکن تم اس کے منہ میں پانی کی بوند ٹپکانے کے لیے بھی اس کے پاس نہیں جاؤ گے، سمجھے۔'' بات ختم ہوتے ہی ان کا دوسرا تھپڑ منہ پر لگا۔
''اس کی بیوی ہے وہ، وہ چاہے زندہ دفن کر دے تمہیں رتی برابر بھی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔'' ان کی آواز اونچی ہو گئی۔ انگلی کے اشارے سے انہوں نے اس کی توجہ باہر کھڑے عینیہ کی طرف مبذول کروائی۔ ''خبر دار جو آئندہ تم نے اسے دیکھا۔ اس سے بات کی یا اس کے آس پاس نظر آئے۔ کھڑے کھڑے فارغ کر دوں گا تمہیں۔'' کہتے ہوئے انہوں نے زور سے کیبن کا دروازہ بند کیا۔
''آخر تم چاہتے کیا ہو؟ یاد ہے نا وہ وقت جب وہ پاگل ہو رہی تھی تمہارے پیچھے، دن رات تم سے التجائیں کر رہی تھی۔ تب کیوں نہیں ترس کھایا اس پر؟ تب کیوں نہیں تمہارے دل میں اس کی محبت جاگی؟ ہاتھ تک تو جوڑ لیے تھے اس نے تمہارے آگے..... قدموں میں تو گر گئی تھی اور کیا کرتی.....؟ کیسے تمہیں یقین دلاتی؟ یاد ہے عکرمہ! میں نے بھی تم سے کہا تھا کہ اس لڑکی سے شادی کر لو۔ تم کیسے کتوں کی طرح میرے اوپر چڑھ دوڑے تھے..... وہ اس کی بے عزتی کرتے چلے گئے۔ ''اب اگر وہ اپنے لیے ایک پرسکون زندگی کی خواہش کر رہی ہے تو کیوں اس کے دن رات عذاب کر رہے ہو؟ خدا کا واسطہ ہے تمہیں بخش دو اسے، رحم کھاؤ اس پر۔'' وہ بس تیسرا تھپڑ مارتے مارتے رہ گئے۔ وہ چپ چاپ سب کچھ سن رہا تھا۔
''عینیہ چاہے اسے زندہ رکھے، چاہے مار دے، خبر دار جو آئندہ تم نے اس کا نام بھی لیا ہو تو۔'' وہ اسے وارن کرتے ہوئے واپس پلٹے۔
''آپ میری جگہ ہوتے تو یہ ہی کرتے، وہ مر رہی ہوتی تو مر جانے دیتے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔
''اگر وہ لڑکی عمایہ عادل ہوتی، کسی اور کی بیوی ہوتی اور وہ کوئی اور میرا چھوٹا بھائی ہوتا تو ہاں..... میں مرنے دیتا اسے۔'' وہ مضبوط انداز سے بولے۔
''میں آپ جیسا نہیں ہوں۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ''وہ اگر آئندہ بھی اندھیرے اور بجلی کی گرج چمک

سے خوف زدہ ہو کر مجھ سے کہے گی کہ کچھ دیر رک جاؤ تو میں رک جاؤں گا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔
''چاہے تمہارے اس رک جانے سے وہ رسوا ہو جائے۔'' وہ بولے۔
عکرمہ کچھ بول نہ سکا۔

☆.....☆

''میں کل عروج سے بات کروں گا۔ بس بہت ہو گیا یہ ڈراما۔'' آج ان دونوں کے نکاح کو ہفتہ ہو گیا تھا اور عتبہ نے ایک رات بھی اس کے بغیر نہیں گزاری تھی۔ عروج خوش تھی بے پناہ خوش۔ اور عروج کو پا کر عتبہ خود بے پناہ مطمئن تھا۔ علیکہ تو جیسے کہیں گم ہو گئی تھی۔
''کیا بات کرے گا اس سے۔'' عتبہ اس کا چہرہ دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔
''یہی کہ تو عالیان نہیں ہے۔'' عارب آگے کو آیا۔
''اور وہ مان لے گی۔'' عتبہ ہنسا۔
''میں نے اس کے ساتھ 29 سال گزارے ہیں عتبہ۔ میری ہر بات پر آنکھ بند کر کے یقین کرتی ہے وہ۔'' عارب بولا۔
''میں نے اس کے ساتھ ابھی 9 دن بھی نہیں گزارے عارب چودھری لیکن میں پھر بھی قسم کھا کر کہتا ہوں تیری بات سن کر وہ صرف ہنسے گی اور پھر کہے گی۔ ''مذاق مت کرو۔'' عتبہ قہقہہ لگا کر بولا۔
''تو اپنی اوقات سے باہر ہو رہا ہے عتبہ۔'' عارب چیخا۔
''مجھے میری اوقات سے باہر بھی تو نے ہی کیا ہے۔ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے عروج سے شادی کرنی ہے۔ تو نے میری منتیں کر کر کے مجھے راضی کیا تھا۔ اب وہ میری بیوی ہے۔ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔ میں نہیں چھوڑوں گا اسے۔'' عتبہ کھٹاک سے بولا۔
''ایک سوا ایکڑ کی پراپرٹی ہے میری عتبہ۔ گولی مار کے کہیں گاڑ دوں تو پتا بھی نہیں چلے گا کسی کو۔'' عارب آگے کو آیا۔
''مجھے پتا ہے میں نے عروج کو سب کچھ بتا دیا ہے۔'' وہ بولا تو عارب سن رہ گیا۔
''کیا بتا دیا تو نے اسے۔'' وہ بولا۔
''وہ سب جو تو اسے بتانے والا ہے لیکن اپنے انداز سے..... اب وہ تجھ پر یقین کرے تو پھر کہنا۔ اس کے نزدیک وہ ساری باتیں جو تو اس سے کرنے والا ہے صرف مذاق ہیں صرف مذاق۔'' عتبہ کی ہنسی اسے آگ لگا گئی۔
''انتہائی بے غیرت ہے تو۔'' وہ بولا۔
''تو نہیں ہے۔ مجھے اپنی بہن دے کر مجھ سے علیکہ ہتھیانا چاہتا تھا نا تو؟'' عتبہ نے اس کی دکھتی رگ پکڑ لی۔
''بکواس بند کرا اپنی۔'' عارب چیخا۔
''کر لی بکواس بند۔ بیٹے اب تجھے علیکہ کبھی نہیں ملے گی۔ میں اسے بھی طلاق نہیں دوں گا۔ تو جسے چاہے بتا دے کہ میں کون ہوں؟ کوئی تیرا یقین کرے تو پھر کہنا۔ اور اگر بالفرض میں عالیان نہیں بھی ہوں تو مجھے یہاں کون لایا؟ کس نے میرا اور عروج کا نکاح کروایا؟ کس نے اپنے گھر والوں کو دھوکا دیا؟'' عتبہ کہتا چلا گیا۔
''چپ چاپ جیسے چل رہا ہے نا چلنے دے۔ سال بعد جب فیلڈ ڈیوٹی ختم ہو گی تو میں عروج کو لاہور لے

جاؤں گا۔ سمجھا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔
''تو ٹھیک نہیں کر رہا عتبہ۔'' شاید پہلی بار عارب بے بس ہو گیا۔
''یہ ہی میری فطرت ہے یار۔'' عتبہ نے تپتے ہوئے، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆.....☆

عاطف اور عوریہ کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ عمایہ اسے گود میں لیتے ہی بلک بلک کر رو پڑی۔ یہ شرف اس کا نصیب بھی تھا جو زبردستی چھین گیا تھا۔ عینیہ اس سے نظریں نہ ملا سکا۔ کئی دن ہو گئے تھے عمایہ نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی آفس گئی تھی۔ بس بوجھل دل کے ساتھ کمرے میں پڑی رہتی۔ کوئی اسے تسلیاں بھی کیا دیتا۔ اس دن عکرمہ بھی دونوں بچوں کو لے کر عاطف کی طرف آ گیا اسے تو مبارک باد دے دی تھی لیکن عوریہ سے ابھی تک اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔
''مبارک ہو موٹی۔'' وہ اس کے پھیلے ہوئے وجود پر چوٹ کرتے ہوئے بولا۔ عوریہ مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی۔
''میرے شوہر کو کوئی اعتراض نہیں ہے میرے موٹا ہونے پر۔'' وہ اپنا بیٹا دیتے ہوئے بولی۔
''یہ کس پر چلا گیا۔'' وہ بولا۔
''عاطف کے رشتے داروں پر۔'' عوریہ اسکے کان میں گھسی تھی۔ عاطف نے بھی اس کی سرگوشی سن لی۔
''دیکھنا اگلا تمہارے رشتے داروں پر جائے گا۔'' وہ کون سا کم تھا۔
''عکرمہ! تو کل ظہیر درانی کی کمپنی کے آگے کیا کر رہا تھا؟'' کھانے کے دوران عاطف نے پوچھ لیا۔
''انٹرویو دینے گیا تھا۔'' وہ بولا۔ عاطف اور عوریہ دونوں سن رہ گئے۔
''لیکن کیوں؟'' عوریہ فوراً بولی۔
''میرا عزین انٹر پرائزز چھوڑ دینا ہی ٹھیک ہے۔'' وہ بولا۔
''یار میری بات سن، عشوہ کا فل اصرار ہے کہ میں کیانی انٹرنیشنل جوائن کر لوں۔ وہ بڑی دیر سے مجھ سے کہہ رہی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اب وہاں جوائن کر لوں۔ میری سیٹ خالی ہو جائے گی۔ تو ادھر آ جا۔ علیکہ کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی۔'' عاطف نے اسے مشورہ دیا۔
''رضوی صاحب مان جائیں گے؟'' وہ بولا۔
''میں اور علیکہ ان سے بات کر لیں گے، نو پرابلم۔'' عاطف نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔ کچھ دن بعد عاطف نے عشوہ کی کمپنی جوائن کر لی اور عکرمہ نے رضوی برادرز میں اپنی سی وی جمع کروا دی۔ دو دن بعد انہوں نے اسے کال کر دی کہ آ جاؤ۔ عکرمہ نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ اپنا استعفیٰ ٹائپ کر کے اس نے چپ چاپ عزین مرزا کے آگے رکھ دیا۔
''یہ کیا ہے۔'' وہ اسے گھور کر بولے۔
''آپ کی بات مان لی ہے میں نے۔'' وہ بولا۔ ''آج کے بعد اس کے ساتھ جو مرضی ہو، میں دخل نہیں دوں گا۔'' وہ اس کا استعفیٰ دیکھ کر سن رہ گئے۔ ''آپ نکالیں گے تو دنیا کہے گی بیٹے کو ایک ایمپلائی کی حیثیت سے بھی برداشت نہیں کر سکا اس لیے میں ہی چھوڑ رہا ہوں تاکہ سارے مسئلے حل ہو جائیں۔'' وہ واپس پلٹا۔
''عشوہ کو مناؤ۔'' وہ دھیرے سے بولے۔

''ایمپلائز کبھی باس کو نہیں منا سکتے لیکن باس ایمپلائز کو جب چاہے انکار کر سکتا ہے۔'' وہ دھیرے سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

اگلے ہی دن اس نے رضوی برادرز میں جوائننگ دے دی۔

☆.....☆

''عکرمہ یار تجھ سے ایک بات کرنی تھی۔'' عاطف آج پھر اس کے گھر آیا تھا۔

''تو جب یہ کہتا ہے نا..... خیر کی خبر نہیں ہوتی۔'' عکرمہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''یار یہ بات میرے دماغ میں اس دن سے گردش کر رہی ہے جس دن میں اور علیکہ عارب کے گاؤں گئے تھے۔'' اس کے کہتے ہی عکرمہ متوجہ ہو گیا۔ ''جب میں اور علیکہ وہاں پہنچے تو نکاح ہو چکا تھا۔ عارب، عتبہ سے گلے مل رہا تھا۔ میں نے عارب کے ایک رشتے دار سے پوچھا کہ عروج کی شادی تو اس کے امریکا والے منگیتر سے ہوئی تھی تو پتا ہے اس نے کیا کہا۔'' عاطف رکا۔ عکرمہ دم بخود اس کی بات سن رہا تھا۔

''اس نے کہا کہ وہ عالیان بھائی ہی ہیں۔''

''مطلب؟'' عکرمہ آگے کو ہوا۔

''مطلب، اس نے عتبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ ہی تو ہیں عالیان بھائی۔'' اب کے وہ کھل کے بولا۔ عکرمہ کا منہ کھل گیا۔

''تو اس کا مطلب وہ وہاں عالیان بن کر گیا ہے۔'' وہ بولا۔

''شاید۔'' عاطف نے کندھے اچکائے۔

''لیکن اصلی عالیان..... اس کا کیا.....'' عکرمہ پریشان ہو گیا۔

''اللہ جانے یار، میں سب کچھ پتا کر آتا لیکن علیکہ کی وجہ سے واپس آ گیا۔'' عاطف چائے ختم کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تو مجھے الٹا ہی چکر لگتا ہے عاطف۔ یہ چند لمحوں کی بات نہیں ہے۔ بڑا سوچا سمجھا پلان لگتا ہے۔'' عکرمہ کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آ رہا تھا۔

''تو کیا کریں۔'' عاطف آگے کو ہوا۔

''انتظار..... جب تک کوئی مضبوط وجہ ہاتھ نہیں آ جاتی تب تک انتظار کریں گے۔'' عکرمہ دھیرے سے بولا۔

☆.....☆

عروج جیسے ہی اس کے برابر میں آ کر لیٹی اس نے بڑے حق سے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

''آج میرا کوئی موڈ نہیں ہے۔'' وہ اس کی گستاخیوں کو ہنس کر برداشت کرتے ہوئے بولی۔

''میرا تو فل موڈ ہے۔'' وہ اس کی گردن پر لبوں سے نشان بناتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کس وقت موڈ نہیں ہوتا۔ صبح ہو یا شام۔ تمہاری دکان تو ہر وقت ہی کھلی رہتی ہے۔'' عروج ہنس کر بولی۔

''دیکھ لو پھر کتنا سخی ہوں میں۔'' وہ بولا۔

''زیادہ سخی ہونا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔'' عروج اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

''عارب نے تم سے کوئی بات کی؟'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔
''نہیں، لیکن مجھے لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو، پھر خود ہی چپ ہو گیا۔'' وہ بولی۔
''دیکھو عروج میں کوئی دھلا دھلایا انسان نہیں ہوں۔ کئی سال امریکا میں گزارے ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ پڑھا ہوں ان کے ساتھ کام کرتا ہوں۔ اکثر کے ساتھ اچھی علیک سلیک بھی ہے۔ مجھ جیسے لوگوں پر کیچڑ اچھالنا بہت آسان ہوتا ہے اور تم جیسی لڑکیاں آنکھ بند کر کے یقین کر لیتی ہیں۔'' وہ اسے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے بولا۔
''بس تم سے ایک گزارش ہے میری، جب بھی کوئی میرے بارے میں تم سے ایسی ویسی کوئی بات کرے تو مجھے صفائی کا کم از کم ایک موقع ضرور دینا پلیز۔'' اس نے پوری طرح عروج کے حواسوں کو قابو کر لیا تھا۔ وہ بس اثبات میں سر ہلاتے اس کے اندر فنا ہوتی چلی گئی۔

☆.....☆

وہ آج بہت دنوں بعد آفس آئی تھی۔ کچھ دیر عائزہ سے باتیں کرنے کے بعد وہ اپنے کیبن میں آ گئی۔ عکرمہ کے کیبن کا دروازہ بند تھا۔ پورے دن بند ہی رہا۔ اس نے کسی سے پوچھا بھی نہیں لیکن اگلے دن اور تیسرے دن بھی وہ نہ آیا تو ہمت کر کے اس نے عائزہ سے پوچھ ہی لیا۔
''کافی دن ہو گئے عکرمہ آفس نہیں آیا۔''
''عکرمہ نے تو استعفیٰ دے دیا۔'' عائزہ نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔
''کب.....!!'' اس نے پوچھا۔
''ایک ہفتے پہلے۔ سر نے اس کی بہت بے عزتی کی۔ بہت زیادہ، پورے اسٹاف کے سامنے اسے تھپڑ مارے اور کہا کہ آئندہ تم عمایہ کے آس پاس بھی نظر آئے تو نکال باہر کروں گا۔ ایک دو دن بعد وہ خود ہی استعفیٰ دے گیا۔'' عائزہ نے اسے ساری بات بتا دی۔ عمایہ سن رہ گئی۔
اس بار تو واقعی اس کا کوئی قصور نہیں تھا پھر بھی وہی قصوروار ثابت ہو رہا تھا۔ اس کا دل بے حد خراب ہو گیا۔ اصل میں تو وہ خوار ہو رہا تھا اپنے دو بچوں کے ساتھ۔ گھر آ کر بھی اس کا دل بوجھل ہی رہا۔ ڈنر کرنے کے بعد وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی۔
''میری صلح کروا دیں۔'' عینیہ نے دھیرے سے عزین مرزا سے کہا۔
''سوری بھئی، میں تو قطعاً اس معاملے سے باہر ہوں۔'' انہوں نے ہری جھنڈی دکھائی۔
''آپ کروا دیں۔'' اس نے عروہ کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔
''سوچنا بھی مت کہ میں تمہاری کوئی مدد کروں گی۔'' وہ بولیں۔
''تو میں کیا کروں۔'' وہ رونے والا ہو گیا۔
''اس سے جا کر معافی مانگو۔ ہاتھ جوڑو، اس کے پاؤں پکڑو، روؤ اس کے آگے۔ معاف کرتی ہے تو ٹھیک ورنہ نہیں تو نہ سہی۔'' عزین مرزا کہتے چلے گئے۔ وہ اسی وقت اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف آ گیا۔
''سوری عمایہ!'' وہ اپنے گھٹنوں پر گر گیا۔ عمایہ چپ چاپ کروٹ بدل گئی۔ اگلے دن وہ پھر آموجود ہوا۔
''سوری یار!'' عمایہ نے چپ چاپ لائٹ بند کر دی۔ تیسرے دن وہ پھر نازل ہو گیا۔
''تم جب تک معاف نہیں کرو گی میں صبح شام تمہارے کان کھاتا رہوں گا۔'' وہ بولا۔
''عینیہ مجھے چھوڑ دو۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''نہیں یار! سوری۔'' عینیہ تڑپ گیا۔ ''آئم سو سوری آئندہ نہیں ہوگا ایسا۔'' وہ آگے کو آیا۔
''ڈیڑھ ماہ بعد میں ماں بن جاتی عینیہ۔'' اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔
''سوری۔'' عینیہ کے پاس بس یہ ہی ایک لفظ تھا۔
''تم مجھ پر یقین نہیں کرتے، شک کرتے ہو مجھ پر۔'' وہ بولی۔
''میں تم پر شک نہیں کرتا عمایہ۔'' عینیہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ ''مجھے بس غصہ آجاتا ہے تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھ کر۔'' وہ بولا۔
''نہیں عینیہ۔ تمہیں غصہ آجاتا ہے مجھے عکرمہ کے ساتھ دیکھ کر۔'' وہ سچ بول گئی۔ عینیہ چپ رہ گیا۔
''تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے نا؟'' عمایہ دکھ سے بولی۔
''تم پر پورا بھروسا ہے یار لیکن وہ شخص ایک نمبر کا بے غیرت اور فلرٹ ہے۔'' عینیہ نے اس کے کندھوں کے گرد بازو لپیٹ کر اسے خود سے لگالیا۔
''وہ شخص سرعام تم سے محبت کے دعوے کرتا ہے۔ میں تمہیں اس کے ساتھ کیسے برداشت کروں۔'' اس نے محبت سے عمایہ کی آنکھوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔
''اچھا ہوا چھوڑ گیا آفس۔'' عینیہ نے اس کا انتہائی نازک وجود سینے سے لگالیا۔
عمایہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے اپنے بچے کے کھو جانے کا بے حد دکھ تھا۔ بے حد افسوس تھا لیکن اسے عکرمہ نور کے آفس چھوڑ جانے کا بھی اتنا ہی افسوس تھا۔ وہ شخص اس کی خاطر خوار ہو رہا تھا۔ پہلے بے گھر ہوگیا تھا۔ اب نوکری سے بھی گیا۔ بیوی الگ چھوڑ گئی۔ رہ رہ کر اسے خیال آتا تھا کہ اسے واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس کے واپس آنے سے جو بندہ سب سے زیادہ ذلیل ہوا وہ عکرمہ نور تھا۔ اس کی پرانی چاہت۔

☆.....☆

بہت دیر تک اِدھر اُدھر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ اس وقت شدت سے سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ لائٹر اٹھا کر وہ ٹیرس پر آگیا۔ سگریٹ منہ میں دبا کر ریلنگ سے ٹیک لگائی اور دھواں اڑانا شروع کر دیا۔ کسی زمانے میں کیا زندگی تھی اس کی اور اب کیا ہوگئی تھی۔ آخر کیوں؟ کیونکہ اسے شادی کے بعد محبت ہوگئی تھی۔ وہ بھی اس لڑکی سے جو ماضی میں اس کے لیے پاگل ہو چکی تھی اور اب کسی اور کی بیوی تھی۔
ہر شے گنوا چکا تھا وہ۔ اپنا گھر، اپنی بیوی اور اب نوکری۔ اپنے دونوں بچوں کو ماں اور باپ دونوں بن کر پال رہا تھا۔ بیوی کو منانے کے جتن کر رہا تھا۔ محبت کو خود پر حاوی ہونے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ زمانے کی لعن طعن الگ برداشت کر رہا تھا۔ کیا وہ درست تھا؟ کیا وہ جو کچھ کر رہا تھا وہ ٹھیک تھا؟''
عمایہ کی یادیں بری طرح اس پر چڑھ دوڑیں۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ جب سے عشوہ نے اسے چھوڑا تھا وہ اسے ایک دفعہ بھی یاد نہیں آئی تھی۔ نہ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ وہ اگر عشوہ کی منتیں کر رہا تھا تو اپنے لیے نہیں۔ صرف اپنے بچوں کے لیے۔ صرف اس لیے کہ وہ اس کے بچوں کی ماں تھی۔
''کاش میں نے عشوہ سے شادی نہ کی ہوتی۔'' اس کے لبوں سے سرگوشی نکلی۔
''اور اگر کرلی تھی تو کاش تم واپس نہ آئی ہوتیں عمایہ عادل۔'' نہ جانے کتنی ہی سگریٹیں ختم ہوگئیں۔ وہ آنکھیں بند کیے ماتم کرتا رہا۔
''پاپا۔'' عینا کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔ ''پاپا آپ باہر کیوں آگئے۔'' وہ اس کے قریب آگئی۔ اس نے

بڑی محبت سے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔
''مجھے نیند نہیں آرہی تھی اس لیے۔'' وہ بولا۔
''لیکن پاپا آپ کے بغیر مجھے بھی نیند نہیں آتی نا۔'' عینا نے اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے اپنی مشکل بیان کی تھی۔ اس نے بہت پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا۔
''پاپا مجھے ایسے سونا ہے۔ آپ کے گلے میں بازو ڈال کے۔'' وہ مضبوطی سے اپنے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے بولی۔
''میری گڑیا.....'' وہ اس کے گال چومتا ہوا اسے اندر لے آیا۔ عرش بھی اٹھ گیا تھا۔ اس نے بستر پر لیٹتے ہوئے عینا کو اپنے سینے پر لٹا لیا۔ عرش بھی بالکل اس کے ساتھ جُڑ کر لیٹ گیا۔
''پاپا! اب ماما ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتیں۔'' عینا نے دھیرے سے پوچھا۔
''بیٹے، ماما مجھ سے ناراض ہوگئی ہیں۔'' وہ بولا۔
''تو آپ ان سے سوری کرلیں۔'' عرش فوراً بولا۔
''بہت بار کی ہے لیکن وہ نہیں معاف کر رہیں۔'' وہ اپنا دکھ اپنے بچوں سے ہی بانٹ سکتا تھا۔
''آپ نے انہیں ناراض کیوں کیا پاپا؟'' عرش نے پھر پوچھا۔
''بس مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے انہیں ناراض کر دیا۔ اب میرے سوری کرنے پر بھی وہ راضی نہیں ہو رہیں۔'' وہ دھیرے سے بولا۔
''پاپا آپ کی طرف سے میں سوری کروں ماما سے۔'' عینا نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔
''ہاں پاپا آپ کی طرف سے میں اور عینا سوری کریں گے پھر تو ماما مان جائیں گی۔'' عرش پرجوش ہو کر بولا۔
''چلو ٹھیک ہے۔ کر لینا۔ لیکن اگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو پھر کیا کرو گے۔'' اس نے پوچھا۔ دونوں چپ رہے۔
''پاپا کے ساتھ رہو گے یا ماما کے ساتھ۔'' اس نے عینا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔
''آپ کے ساتھ پاپا۔'' دونوں فوراً بولے۔ ''لیکن مجھے ماما بھی یاد آتی ہیں۔'' عینا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

☆.....☆

اگلے پورے ہفتے میں اس نے ہر ممکن عروج سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے نزدیک عارب کی ساری باتیں صرف مذاق تھیں۔ وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتی۔ اس کے لیے سب سے قابل اعتبار شخص اس کا شوہر تھا جس نے چند دنوں میں ہی اسے اپنا دیوانہ بنا لیا تھا۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں اس نے چودھری عدنان اور عاصمہ کو بھی اس سے بدظن کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دونوں عروج کی خوشی میں پوری طرح گم تھے۔ اس کی بات پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ تقریباً دو ماہ ہونے والے تھے اس کی شادی کو اور عتبہ سارے گھر والوں کا پسندیدہ ہو چکا تھا۔ اس کی شخصیت کا بدلاؤ سب کے لیے خوش آئند بات تھی۔ عارب کو تو وہ اب کسی خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔ عارب کا سارا پلان اس پر الٹا پڑ رہا تھا۔ نہ وہ عروج کو چھوڑنے پر راضی تھا اور نہ ہی علیکہ کو طلاق دے رہا تھا۔ وہ اس کے خلاف کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے سچ بولنے سے صرف اس

کی اپنی بے عزتی تھی۔ اس کے چپ رہنے سے صرف عتبہ کی بے ہودگیاں بڑھ رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ کچھ تو کرنا تھا۔ عتبہ کو ٹھکانے لگانا بہت ضروری تھا۔ اب اس کے پاس ایک ہی راستہ بچا تھا۔

''عرفان چودھری۔''

☆.....☆

وہ اپنے کیبن میں تھا جب چپڑاسی نے ایک لیٹر لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب اس پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ عکرمہ نے حیرانی سے پہلے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا پھر کھول لیا۔ وہ کورٹ نوٹس تھا۔ عشوہ نے اس سے خلع مانگی تھی۔ وہ دم بخود نوٹس ہاتھ میں لیے بیٹھا رہ گیا۔ کئی لمحوں تک وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ کچھ دیر بعد لنچ بریک ہوا تو وہ چپ چاپ کیانی انٹرنیشنل آ گیا۔ عشوہ اپنے آفس میں تھی۔ وہ سیدھا وہیں آ گیا۔ عاطف اور عوریہ اسے اس قدر پریشان اس کے آفس میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''خدا کرے یہ خیر سے آیا ہو۔'' عوریہ بولی۔

''لگتا تو نہیں ہے۔'' عاطف اس کے پیچھے بند ہوتے دروازے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا کیا تم نے؟'' اس نے بے بسی سے نوٹس اس کے آگے رکھ دیا۔

''وہی کیا جو تمہاری خواہش ہے۔'' عشوہ بولی۔

''میں نے کبھی تم سے چھٹکارے کی خواہش نہیں کی۔'' وہ آگے کو ہوا۔

''چلو ٹھیک ہے میں نے کر دی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''عشوہ یار پلیز ایسے مت کرو۔ دو بہت چھوٹے بچے ہیں ہمارے، پلیز ان کا ہی خیال کر لو۔'' وہ بولا۔

''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اس کے قریب نہیں جاؤ گے۔ پھر کیوں گئے۔'' اس کے کہتے ہی وہ چپ رہ گیا۔

''کیوں اسے دوبارہ گلے لگایا۔'' عشوہ کھڑی ہو گئی۔

''عشوہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ بس اتفاق سے ہو گیا یار، میری بات سنو۔'' وہ اس کے قریب آیا۔

''نہیں عکرمہ مجھے کچھ نہیں سننا۔ بس تم سے الگ ہونا ہے پوری طرح۔'' وہ مضبوط انداز سے بولی۔

''عشوہ آئم سوری یار۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا بس۔'' وہ بولی۔

''عشوہ پلیز.....!'' عکرمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے دونوں کندھوں سے اسے تھام لیا۔

''پلیز مجھے معاف کر دو۔ میرے بچوں کی خاطر..... پلیز۔'' وہ اسے اپنے پیچھے نظر آ رہے تھے خوار ہوتے ہوئے۔ اس کی طرح بن ماں کے پلتے ہوئے۔

''تمہارے پاس ایک ماہ کا وقت ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم سے ایک چیز مانگوں گی۔ ضد کیے بغیر دے دینا اس لیے پلیز اس وقت ضد نہ کرو۔'' عشوہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ وہ نوٹس ہاتھ میں لیے کھڑا رہ گیا۔

(جاری ہے)

لبنیٰ جمشید

عشق پیچاں کے سائے

شام ابھی مکمل نہیں اتری تھی جب ان کو عشق پیچاں کی اس بیل کے نیچے بیٹھے خلا میں گھورتے دیکھا گیا تھا۔ وہ بیل گھر کے لان میں بنے اسٹور روم نما کمرے کے گرد اپنی تمام تر جڑوں کو دیوار میں سموئے اتنی مضبوطی سے لپٹی تھی کہ اکھیڑنے پر کمرے کی بنیادیں ہل کر رہ جاتیں۔ وہ مشترکہ طور پر عشق پیچاں کے دیوانے تھے۔ ان کی کالونی میں بھی ایک ایسی ہی بیل ہوا کرتی تھی۔ بچپن میں وہ اس بیل پر نارنجی رنگ کے ٹیولپ کی شکل سے میل کھاتے پھول اتارا کرتے تھے جس کے اندر کالے موٹے کیڑے ان کی انگلیوں کو زخمی بھی کرتے تھے لیکن انہیں پرواہ کہاں تھی۔ وقت کا پہیہ چلتا رہا پھر وہ اسی بیل کے ساتھ کھیلتے کھیلتے جوان ہو گئے تھے۔ اس نے مڑ کر بیل کو دیکھا اور چھوٹے سے سوئمنگ پول کے اندر چمکتے چاند کے عکس کو بھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ایک بہت ہی واضح عکس اپنی بے حد چمکدار آنکھوں سمیت پانی میں ابھرا تھا۔ وہ اس کو پہچانتی تھی۔ اپنی دائیں جانب دیکھے بغیر وہ پانی کی سطح پر ابھرتے نقوش کو دیکھتی رہی۔ وہ نقوش اسے بچپن میں یاد کیے ریاضی کے فارمولوں کی طرح ازبر ہو چکے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سردیوں کی ہلکی بارش میں عشق پیچاں کے سائے تلے کس پٹاری کا ڈھکن کھول بیٹھی ہے۔

گرے رنگ کی ٹی شرٹ اور کالے ٹراؤزر میں جب وہ مین گیٹ بند کر کے واپس گھر کے اندر جا رہا تھا تو بوگن ویلیا کی بیل کے پر نظر پڑتے ہی اس کے قدم رک گئے تھے۔ سردی کی شدت سے بے نیاز وہ قدم قدم چلتا سوئمنگ پول کی جانب آیا۔ برف سے تقریباً جمتا پانی پورچ کے سفید بلب کی روشنی میں

pakistanipoint

چاندی بکھیر رہا تھا اور اس چاندی کے وسط میں وہ سونے جیسا وجود جو اس کی روح کا ایسا گمشدہ حصہ تھا جسے ڈھونڈنے کی چاہ میں اسے دل کے نہاں خانوں میں دستک دینا پڑی تھی۔ وہ سونے کے مجسمے پر نظر جمائے آگ کی صورت دہکنے لگا تھا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی پشت پر بارش کا ایک قطرہ گرا تھا اور وہ بہت دیر تک اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ جلد میں جذب ہو گیا۔ اسے یاد آیا کہ ٹھیک اسی جگہ پر اس نے محبت کا پہلا لمس محسوس کیا تھا اور کیا پانی کے اندر ابھرنے والے عکس کو یاد بھی ہے کہ وہ پہلا لمس اس کا تھا جسے وہ پہروں بیٹھی سوچا کرتی تھی اور اب بھی وہ اپنی پوری شدت کے ساتھ اسی جگہ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کی پشت کو لاشعوری طور دوسرے ہاتھ کی دو انگلیوں سے سہلایا۔

وہ سونے جیسے وجود کو ہاتھ بڑھا کر تھامنا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ شیشے کا بت ٹوٹ چکا ہے اور کرچیوں سے بنی اب سونے کی دھات جیسی مضبوط عمارت کو اس کے ان ہاتھوں کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ مگر وہ خواہش تو کر سکتا ہے اور اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اسے یاد آیا کہ اس کی خواہش کا احترام ہی کب ہوا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے تمام خواہشات حسرتوں اور ناامیدیوں کے گھنے جنگل میں کھو گئیں۔ اب جو بھی اس کے پاس تھا نہ تو اس کی خواہش تھی نہ چاہ مگر وہ پھر بھی شکر گزاروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے بے دھیانی میں پول پر جمی برف کی سل پر انگلی گھمائی۔ چمکتی برف میں اس لڑکی کے خدوخال واضح ہوئے تھے اور اس نے شدت سے تمام حدوں کو توڑنے کی چاہ بھی کی مگر اس چاہ کو حقیقت میں بدلنا اب ممکن ہی نہیں تھا۔

بارش تھم چکی تھی مگر سرد ہوا کے جھونکے اس کے گرد لپٹی شال کو اڑا رہے تھے۔ کتنا آسان لگتا ہے یہ کہنا کہ راستے اب جدا ہیں اگر ایسا ہے تو میں کیوں اب تک تمہارے ہی قدموں کے نشانوں پر سفر کرتی آ رہی ہوں۔ کیوں ہر چہرے میں تمہارا ہی عکس دکھتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب اس شخص سے کبھی نہیں کہہ پائے گی۔ کیا اسے معلوم ہے کہ جامن کے پیڑ کے پتوں کی اوٹ سے تیز برستی بارش کو دیکھتے جب اس کی نظریں اوپر بالکونی کی جانب اٹھیں تو یہی وہ لمحہ تھا کہ دل نے ہار مان لی تھی۔

وہ میری زندگی میں ایک مسکراہٹ بن کر آئی تھی اور اداسی کی دبیز چادر کا تحفہ دے گئی۔ میں عشق پیچاں کی اس بیل کی مانند اداسی کو اپنے وجود سے لپٹے اس تحفے کو سنبھال کر رکھتا ہوں۔ کیوں کیا ایسا تم نے؟ میں نے اسے جامن کے درخت کی شاخوں کے پار برستی بارش میں کسی بات پر تنہا کھلکھلاتے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے سینکڑوں بار دیکھ چکا تھا مگر وہ قید ہونے کا لمحہ تھا اور میں سنہرے وجود کی شرارتی آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے منجمد ہو گیا۔

وہ سوال پوچھے جانے سے ڈرتی تھی۔ کچھ سوالوں کے بھرم ٹوٹ جائیں تو انسان بھی ٹوٹ جاتا ہے پھر اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے جواب نہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس ان کہی کا تعلق تمام عمر ان کے مابین رہے گا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کو توڑ نہیں پائیں گے اور اس کی خاموشی نے اس ان کہی کے تعلق کو بچا لیا لیکن دل کو کرچی کرچی ہونے سے نہ بچا سکی جس کے اندر چھپی خواہشیں نارسائی کے بین میں مصروف تھیں۔

وہ تمام جواب جانتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی محرومیوں نے محبت کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا ہے۔ وہ چھن جانے کے ڈر سے کھو جانے پر راضی ہے مگر ان ہونٹوں سے سننے کی چاہ رکھتا تھا۔ اس کی اس چاہ کو شاید پورا نہیں ہونا تھا۔ سرد رات کے سناٹے میں بوگن ویلیا کی بیل کے پتوں کی سرسراہٹ ماحول میں اداس موسیقی کا تاثر دے رہی تھی اور دونوں نفوس پانی

پر نظریں جمائے دل کے اندرونی خانوں سے یادوں کی زنبیل کھولے ایک ایک کر کے یادوں کو باہر کا راستہ دکھا رہے تھے۔

جب ان پر محبت کا ادراک ہوا تھا تو جان چکے تھے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔ کوئی ایسی قوت نہیں جو انہیں الگ کر سکے مگر تقدیر کہیں مسکرا رہی تھی۔

☆.....☆

''تم انکار کر دو۔'' بوڑھی عورت کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔

''کس بنیاد پر انکار کروں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''بنیادیں بنانا آتی ہیں بنیاد بنانا کون سا مشکل کام ہے۔'' اب کے کرخت چہرے والا مرد حقارت سے بولا تھا۔

''ہم اب اپنے خاندان میں ایسی بہو لائیں گے جس کے باپ کی رنگ رلیوں کی داستانیں زبان زد عام ہیں۔ ہمیں مذاق کا نشانہ نہیں بننا۔''

ان دونوں کی باتیں بہت دیر تک کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔ اس نے اپنے حصے کے تمام آنسو بہا دیے تھے اور پھر بالآخر ایک فیصلہ ہو گیا۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہی لگنا تھا۔ ماں باپ کی کوئی بھی بات اسے روک نہ پائی۔ تمام خاندان ہنس رہا تھا ان کی اس یورپ پلٹ بہو پر جس کے نہ مذہب اور نہ ماں باپ کا اتا پتا۔ اس مرد نے کتنا چاہا مگر ناں پھر ہاں میں نہ بدل سکی۔ اس نے پھر ایک حتمی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر کیا ہوا؟ کیا وہ اس کی دسترس میں آ گئی۔ والدین کی اونچی انا کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں عبور کرتے جب وہ اس تک پہنچا تو وہ سنہری وجود پگھل کر کسی اور شکل میں ڈھالا جا چکا تھا۔ وہ گرتی برف سے بے پرواہ جلتی آگ سا دہک رہا تھا اور جانتا تھا تمام عمر اسی آگ میں جلے گا۔ جانے کتنی دیر بیت گئی جب پشت پر اس نے آواز سنی۔

''اووہ گاڈ تم اتنی شدید گرتی برف میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اب جمی برف پر دو ہیولے حرکت کرتے دکھائی دیے تھے۔ وہ یورپین نقوش کی لڑکی تھی جو ابھی اندر سے آئی تھی۔ اس کی محویت ٹوٹی اور وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔ اس نے بہت نرمی سے اس عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھا جو سوئمنگ پول کے پانی پر ٹکٹکی باندھے دنیا سے کٹی لگ رہی تھی۔ وہ ایک پہیلی کی مانند تھی اور اس کاروباری مرد کے پاس پہیلیاں حل کرنے کا وقت کہاں تھا۔ اس لمس میں اتنی طاقت تھی کہ تمام بلائیں یک لخت واپس زنبیل میں بند ہو گئیں۔ وہ مسکرائی اور کھڑی ہو کر اس مرد کی پشت پر دیکھا۔ عشق پیچاں کی بیل کے پتے بارش میں چمک رہے تھے اور دوبارہ مڑ کر پانی میں بلبلے کی مانند تحلیل ہوتے بے حد چمکدار آنکھوں والے وجود کو جواب کہیں بھی نہیں رہا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے اس مرد کا ہاتھ تھام کے اندر چل دی۔

وہ یورپین لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی کہ سب ٹھیک تو ہے۔ تواتر سے گرتی برف میں وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔

اس نے مڑ کر اس عورت کو دیکھا اور اس کی پشت پر برف سے جمی بوگن ویلیا کو جس پر چاندی کا گمان ہوتا تھا پھر دوبارہ پیچھے پول میں جمی برف کے وسط میں سونے جیسے وجود کو دیکھا جو انجام سے بے پرواہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ وہیں مسکرا رہا تھا۔ اس کی گرے شرٹ پر جا بجا برف کے ذرات تھے۔ اندر سے آنے والی عورت گہری سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر کھوج مکمل ہونے پر سرد آہ بھرتی اندر کو ہو لی۔ بے حد چمکتی آنکھوں والا بھی شخص سونے کے وجود کو دل کے نہاں خانوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے گھر کے اندرونی راستے کی جانب ہو لیا جہاں اسے تاویلیں دے کر خود سے زیادہ اس عورت کو منانا تھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر گئی تھی۔ عشق پیچاں نے مسکراتے ہوئے دیوار پر اپنی گرفت مزید مضبوط کر لی تھی۔

☆☆

مہرین کنول

دل ہی تو ہے

pakistanipoint

''مجھے رانیہ سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

''کیوں بیٹا اتنی پیاری بچی تو ہے۔ معصوم، خوب صورت، نیک شریف اور کیا چاہیے۔'' روحانہ نے رمیز سے پوچھا۔

''امی! رانیہ کو میں نے اس نظر سے کبھی نہیں دیکھا بلکہ میں نے اسے کبھی صحیح سے دیکھا ہی نہیں۔'' اس نے صاف صاف کہا۔

''اچھا چلو چھوڑو، جب تمہیں کوئی لڑکی پسند ہو تو بتا دینا۔'' وہ تھکی ہاری سی بولیں۔ ایک اچھی بھولا نے کے جوش میں یہ بھول گئی تھیں کہ ان کا اکلوتا سپوت رمیز ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ اتنی بڑی جائیداد کا اکلوتا اور تنہا وارث رمیز ارشد خوب صورت اور وجیہہ تھا جو کتنے ہی دلوں کی دھڑکن تھا مگر وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

☆.....☆

''میں تو بس روحانہ باجی کی وجہ سے رکی ہوئی تھی مگر انہوں نے صاف منع کر دیا ہے اس لیے اب میں تمہاری شادی کی بات رانیہ سے کرنے جا رہی ہوں۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے تو ابھی بتا دو۔'' رابعہ بیگم نے دوٹوک فیصلہ سناتے ہوئے سعد سے پوچھا۔

''اماں میری پیاری اماں! میں تو کب سے آپ سے رانیہ کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ آپ میرے فیصلے کا انتظار نہ کریں فوراً رشتہ پکا کر آئیں۔'' وہ اس کی شرارت پر اس کا کان مروڑنے لگیں اور وہ سی سی کرتا رہ گیا۔

☆.....☆

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں بالیاں گانے گا رہی تھیں اور وہ مہندی کی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ رمیز کی نظر اس پر پڑی تو نظر نے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ اس کا دل چاہا وہ یہ ڈھولکی روک دے یا پھر اس کے ہاتھوں پر اپنے نام کی مہندی لگوا دے۔ رانیہ کی نظر اس پر پڑی تو اس کو اپنی طرف اس طرح دیکھتے پا کر وہ ناگواری محسوس کرنے لگی۔

☆.....☆

''میرا دل تو گھبرا رہا ہے۔ سونیا کا فون آیا ہے پارلر سے، ایک لینڈ کروزر آئی تھی جس میں سے ایک لڑکے نے پارلر سے نکلتے ہی رانیہ کو اغوا کر لیا اور برات ہال میں پہنچ چکی ہے۔ یا اللہ! اب کیا ہوگا۔ کتنی بے عزتی کی بات ہے۔'' رانیہ کی پھوپھو نے دل تھام کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اور ان کے شوہر گھر سے نکلنے ہی والے تھے جب یہ خبر ملی۔ انہوں نے فوراً دل پکڑ لیا تھا۔

ان کے شوہر نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہو گئیں۔

☆.....☆

ہوش میں آتے ہی اس نے کمرے کو دیکھا جو شناسا لگ رہا تھا اور پھر کمرے کے مالک کی تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''رمیز۔'' اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

''ہاں، رمیز۔'' پیچھے سے آواز آئی اور رمیز نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے جھٹک دیا۔

''زیادہ ہوشیاری کی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ اسے دھمکی دینے لگا۔

''اپنی حد میں رہو رمیز، میری آج شادی ہے ابھی اپنی غلطی سدھارو اور مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ۔''

وہ اس کی بات پر ہنسا۔

''بارات تو کب کی لوٹ چکی ہے اور اب تمہاری شادی مجھ سے ہونے والی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر گیا اور قاضی اور کچھ گواہان کو ساتھ لے آیا۔

شناسا چہرے ہی اس کے گواہان تھے جس میں اس کے پھوپھا اور خالو بھی شامل تھے۔ غالباً رمیز نے انہیں بھی دھمکایا تھا۔ کیونکہ ان کے چہروں پر بھی

ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہ رانیہ رمیز بن گئی اور پھر وہ رانیہ کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔

☆.....☆

دو مہینے بعد۔

''رخصتی کے بعد سے رانیہ چپ چاپ اور بجھی بجھی سی رہتی ہے کیا تم خوش نہیں رکھتے اس کو؟'' روحانہ نے رمیز کو آڑے ہاتھوں لیا اور پوچھا۔

''اس نے مجھے اب تک معاف نہیں کیا ہے۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

''تو جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا وہ معافی کے لائق ہے؟'' انہوں نے خفگی سے اس کو دیکھ کر پوچھا۔

''مانتا ہوں مجھ سے گناہ ہوا ہے مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس کو کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔''

''پہلے بات مان لیتے۔ اسے عزت سے بیاہ کر لاتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ رانیہ بہت اچھے مزاج کی ہے۔ مجھے یقین ہے آج نہیں تو کل وہ تمہیں معاف کر ہی دے گی۔'' وہ اسے تسلی دیتی رہیں اور وہ ان کی گود میں سر رکھ کر روتا رہا۔

☆.....☆

آٹھ ماہ بعد۔

''آیئے رانیہ بھابی، ہماری بیگم سے ملیے۔'' سعد نے سونیا کی شادی میں اسے اور رمیز کو گھیرے میں لے کر اپنی بیگم شیزا سے ملوایا جو بہت ہی پیاری لڑکی تھی۔ سعد کے ماتھے پر نہ کوئی شکن تھی نہ کچھ کھونے کا دکھ تھا۔ وہ بہت خوش تھا اور جو بھی اس کے سپنوں میں کھویا ہوا دل تھا وہ اس وقت رو رہا تھا۔ شادی سے واپسی پر اس نے رمیز سے پوچھا۔

''جب آپ کے اور میرے رشتے کی بات چل رہی تھی تب رشتے سے انکار کیوں کیا تھا اور انکار کے بعد زبردستی شادی کیوں کی؟'' وہ پہلی بار اس سے شکوہ کرنے لگی۔

''رانیہ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ پہلے دل شادی کے لیے نہیں مان رہا تھا تب میں نے تمہیں سرسری سا دیکھا تھا اور جب نظر بھر کر تمہیں دیکھا تو تم کسی اور کے نام کی مہندی لگا رہی تھیں۔ میرے دل کو گوارا نہیں تھا اسی لیے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ اب میں شرمندہ ہوں۔ تمہاری نفرت برداشت نہیں ہوتی۔ پلیز مجھے معاف کردو۔'' وہ نم آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔

''آپ کا کیا گیا، آپ کی وجہ سے میری بارات واپس گئی۔ پھوپھو کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ والدین کی بدنامی ہوئی۔ میں وہ سب بھول جاؤں اور آپ کو معاف کردوں کیوں کہ میں آپ کو پسند آ گئی تھی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''میں مانتا ہوں کہ مجھ سے گناہ ہوا مگر میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا آپ مجھے میرا کھویا ہوا مقام، کھوئی ہوئی عزت واپس دلا سکتے ہیں۔'' رانیہ نے اس کی بات کاٹی۔

''میں نے اپنے اور تمہارے رشتے کو ایک باعزت حیثیت دی ہے۔ اسے گالی نہیں بننے دیا۔ پلیز مجھے معاف کردو۔ میں تمہاری سرد مہری برداشت نہیں کر سکتا۔''

رانیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

☆.....☆

ایک سال بعد

کچھ وقت اور گزرا تو رانیہ کو احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے رمیز نے اپنے آپ کو بہت بدل لیا ہے۔ اس کی ضد اور غرور کا بت ٹوٹ چکا ہے۔ پس اسی لمحے اسنے عہد کیا کہ وہ آج اپنے گناہ گار شوہر کو معاف کردے گی۔ کیوں کہ اس بوجھ کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل تھا۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوا تھا تو اب رانیہ کا دل بھی اسے معاف کرنے پر اکسا رہا تھا۔ اس نے دل کی بات مان لی۔ کیا کرتی آخر دل ہی تو تھا۔

.....☆.....

فرح خرم

تیری دوستی سے پہلے

''ہائے امی جان گڈ مارننگ۔'' وہ ان کے گلے سے لگ کر وہیں چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ انہوں نے پیار سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

''بیٹا! دن کے چار بجے ہیں، یہ کون سا گڈ مارننگ ہے۔'' اور وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنس دیا۔

''وہ رات کافی دیر ہو گئی تھی سوتے سوتے امی جان، آنکھ نہیں کھلی۔'' گلاس میں جوس نکال کر اس نے

pakistanipoint

ہونٹوں سے لگالیا۔

''ایک بات بتاؤ، آپ سے پوچھنا تو پہلے چاہیے تھا لیکن خیر.....'' وہ بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔

''جس سے آپ نے شادی کی ہے وہ مسلم ہے۔'' اور وہ مسکرا دیا۔

''اوہ کم آن امی جان! یہ کیا بات ہوئی بھلا انسان ہونا کافی ہوتا ہے مذہب دیکھ کر کون شادی کرتا ہے پسند کی اہمیت ہوتی ہے۔'' وہ اسے دیکھے گئیں۔

''بیٹا! ہم مسلمان ہیں، تم مسلمان ہو، ایک نان مسلم سے شادی کی ہمیں ہمارا اسلام اجازت نہیں دیتا۔'' وہ بڑی نرمی سے اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ چڑ سا گیا۔

''رات سب بہت خوش تھے تمہارے آنے کی وجہ سے، تم سے کسی نے کوئی سوال جواب نہیں کیا، بے

مکمل ناول

pakistanipoint

شک ہم نے تمہیں بے جالاڈ پیار کیا ہے، ہر غلط سلط بات مانی ہے لیکن بیٹا اتنا بڑا فیصلہ تم نے ہمیں بتائے بغیر کیا اور وہ بھی غلط۔''

''اوہ پلیز امی جان! اگر یہی باتیں کرنی ہیں تو بتا دیں میں واپس چلا جاؤں گا۔ اتنے سالوں بعد آیا ہوں اور وجہ آپ بھی جانتی ہیں۔ دادی جان نے زبردستی ایک چھوٹی سی بچی میرے حوالے کر دی میرا دماغ پھٹ جاتا اگر میں یہاں رہتا تو نہیں تھی مجھے وہ پسند مجھے اپنے مقابلے کی لڑکی پسند تھی جو میرے ساتھ موو کر سکے، میرے ساتھ کھڑی ہو تو سامنے والے کے سوالوں کا دوبدو جواب دے سکے۔ ایک ڈری سہمی دبوسی لڑکی مجھے کبھی منظور نہیں تھی۔'' اس نے پھر سے گلاس میں جوس نکالا تب ہی سامنے سے آتی لڑکی پر اس کی نگاہ پڑی۔ لائٹ لیمن کلر کے کاٹن کے سوٹ میں اپنے چہرے کو خوب صورت اسکارف سے چھپائے وہ اندر داخل ہوئی اور سیدھی اندر چلی گئی۔ اس کے دل میں خیال آیا تھا۔ (''کون ہے؟'') ان چند سالوں میں وہ یکسر بدل گئی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور سر جھٹک کر گلاس لیے کھڑا ہو گیا۔

''پلیز امی جان! اسلام کے ٹاپک پر اس سے کوئی بات نہ ہی کرے تو اچھا ہوگا۔'' پھر وہ رکا نہیں، چلا گیا اور وہ اپنے بیٹے کی پشت دیکھتی رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

''امی جان! میں شاپنگ کے لیے جا رہی ہوں، پنکی اور اطہر کے کپڑے لینے، آپ نے کچھ منگوانا ہے تو پلیز بتا دیں۔'' مریم نے بیگ کندھے پر ڈالا۔

''نہیں بیٹا! کچھ نہیں آپ جاؤ، بچوں کو لے کر جا رہی ہو۔'' آیا نے دونوں بچے تھام رکھے تھے۔

''جی امی جان، سلاطین بھی وہیں آ جائیں گے۔ ڈنر آج ہم باہر ہی کریں گے۔'' وہ مسکرا کر ان کے گلے سے لگی اور چلی گئی۔

''خوشنما بیٹا! کیا کر رہی ہو آپ۔'' وہ اس کے کمرے میں آئیں۔

''کچھ نہیں امی جان! کام کر رہی تھی، آپ بتائیں کوئی کام تھا آپ کو، مجھے بلا لیا ہوتا۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''نہیں کام نہیں تھا بس یہ معلوم کرنا تھا کہ آج کل زوباریہ نظر نہیں آ رہی... صبح بھی نہیں ملتی۔ کوئی بات ہوئی ہے تمہاری اس سے۔'' وہ بہت فکر مند تھیں اس کے لیے۔

''امی جان، اس کے پیپر چل رہے ہیں آج کل، مصروف ہو گئی ہے زیادہ اور تو کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ بغور اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔

''کوئی بات ہے امی جان۔'' اسے تشویش ہو رہی تھی۔

''ہاں..... نہیں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' ان کا زوباریہ کا سامنا کرنے کی بالکل ہمت نہیں تھی، ایک ہفتہ گزر گیا تھا اب تک اس کی ٹھیک سے سکندر علی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ خود کو بہت مصروف کرتی چلی جا رہی تھی۔ سکندر علی اپنی دوسری بیوی میں اتنا مگن تھا کہ زوباریہ کا اس کو احساس تک نہیں تھا۔ شام ڈھلے جو جاتا تو پتا نہیں رات کب واپس آتے تھے دونوں۔ اب تک اس کی بیوی سے ملاقات تک نہیں ہوئی تھی یا وہ ملوانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے تم کام کرو۔'' وہ چلی گئیں۔

دن گزر رہے تھے۔ کتنے دن ہو گئے تھے اب تک سکندر علی اور زوباریہ کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا، آج وہ گھر پر تھا تو سوچا دادی جان کے پاس بیٹھے جا کر وہ ان کے کمرے میں آیا تو وہ واش روم میں تھیں۔

''دادی جان!'' اس کی آواز پر وہ پلٹی، کالی سیاہ غزالی آنکھوں میں وہ دیکھتا رہ گیا۔ سرخ وسفید رنگت اس کے ہلکے گرین کپڑوں میں اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ کالے سیاہ بالوں کو چٹیا میں قید کر رکھا تھا۔ چہرے پر ایک عجیب ہی نور تھا۔ نظر اس پر سے ہٹنا بھول گئی تھی تب ہی وہ واش روم سے باہر آئیں۔

''سکندر..... آج دادی جان کی یاد کیسے آ گئی۔'' اس نے اس پر سے نظریں ہٹالیں اور ان کی طرف مڑ گیا۔ وہ ان دونوں کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

''میری پیاری دادی جان آپ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔'' وہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''آج میرا لال گھر پر کیسے ہے؟'' انہوں نے اس کے گال پر پیار کیا۔

''آج سب کے ساتھ ایک دعوت کا انتظام کیا ہے، جان لیزا کے مہمان آج آ رہے ہیں رات کے کھانے پر۔'' سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک ڈائری اٹھائی تھی اس نے۔

''ہزاروں ڈگریاں لے کر علم پر دسترس پا کر
جھلکتے لفظ آنکھوں سے نہ پڑھ پاؤ تو ان پڑھ ہو''

آگے کے سب صفحے خالی تھے بس یہی ایک شعر کئی بار لکھا ہوا تھا۔ اس نے بے دلی سے ڈائری واپس رکھ دی اور دادی جان سے باتیں کرنے لگا۔

''زوباریہ بھابھی آج کیا پہن رہی ہیں۔'' وہ دادی جان کے پاس سے خوشنما کے پاس آ گئی تھی۔

''کیوں آج کچھ خاص ہے کیا؟'' کسی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''جی ہاں بھابھی، آج دعوت ہے جان لیزا بھابھی کی خوشی میں۔'' کتنے آرام سے اس نے کہا تھا۔ یکسر بے خبر کہ سامنے کون مخاطب ہے۔ کتنے اچھے ہونے کے باوجود بھی کتنے سنگدل تھے یہ لوگ مگر نہیں سنگدل نہیں تھے محبت کرتے تھے اپنے بھائی سے اور پھر انہوں نے اسے اپنے بھائی کی حیثیت سے دیکھا ہی کب تھا۔ وہ تو اس گھر کا فرد تھی جیسے خوشنما تھی۔ ایسے ہی وہ تھی سب بے پناہ محبت کرتے تھے مگر اسے بہو نہیں بیٹی کی طرح چاہتے تھے۔

''کہاں کھو گئیں جناب؟'' اس نے زوباریہ کے آگے چٹکی بجائی۔ وہ چونک گئی۔

''آں..... کچھ نہیں، آج تو مجھے اسائنمنٹ تیار کرنے ہیں مسز خان کل چیک کریں گی اور تم جانتی ہو وہ غصے کی کتنی خراب ہیں۔'' وہ بہانہ تلاش کر چکی تھی۔ بھلے اسے محبت نہیں تھی، انسیت نہیں تھی اتنے سالوں تک وہ خود میں مگن رہی تھی مگر جب سے وہ اس کے سامنے آیا تھا وہ اس سے کترا رہی تھی۔ اس کا سامنا جان کر نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ پہلی ملاقات بھولی نہیں تھی۔ اس سیاہ رات کی کہانی اسے ہمیشہ ہی ازبر رہی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھری محفل میں اس کی ذات کے پرخچے اڑا دے۔

''اوکے ایز یو وش۔'' وہ کندھے اچکا کر وارڈ روب میں گھس گئی۔ اس کا عذر پیش کرنا اس کا اپنے بھائی کے سامنے نہ آنا اسے سب معلوم تھا۔ وجہ کیا ہے اپنے بھائی کا شور مچا کر جانا اسے بھولا نہیں تھا۔ جب ولیمے کے دوسرے دن بابا جان نے اس سے ولیمے میں شرکت نہ کرنے کی وجہ پوچھی تھی اور کس طرح اس نے اپنی زبان سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

''کہاں تھیں بیٹا! کب سے تمہیں تلاش کررہی ہوں۔'' سحر علی نے اسے کوریڈور میں آڑے ہاتھوں لیا تھا۔
''وہ امی جان میں خوشنما کے پاس تھی۔'' اپنا دوپٹا صحیح کرتی وہ ان کی طرف مڑی تھی۔
''اچھا ٹھیک ہے، یہ لو اور شام کو یہی زیب تن کرنا۔'' ایک پیکٹ انہوں نے اسے تھمایا اور گال پر پیار کرتی اسے دیکھنے لگیں۔
''امی جان! مجھے اسائنمنٹ تیار کرنے ہیں۔'' وہ معصومیت سے انہیں دیکھنے لگی۔
''ارے میری جان! میں جانتی ہوں تمہارے سب بہانوں کو اور کوئی بہانہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، تم میری بیٹی ہو جیسے خوشنما ویسے تم پریشان مت ہو بیٹا، اللہ مددگار ہے جب ہم برا نہیں کرتے تو ہمارے ساتھ برا نہیں ہوتا۔ تم تو اسلام پر ریسرچ کررہی ہو میری جان اور قرآن کا کتنا ہی حصہ تم نے تفسیر کے ساتھ پڑھ لیا ہوگا پھر تم مایوس کیوں ہوتی ہو۔'' اور وہ بغور انہیں دیکھے گئی کتنی آسانی سے اس کے اندر تک انہوں نے جھانک لیا تھا۔
اس کے وہ الفاظ جو وہ کہہ نہیں پارہی تھی، دل میں دبائے ہوئے تھی کتنے آرام سے انہوں نے حرف بہ حرف اسے کہہ سنائے تھے۔ وہ گردن جھکا گئی تھی۔
''ٹھیک ہے امی جان۔'' پھر وہ چلی گئی۔ شام کو لان میں ایک شور ایک ہنگامہ برپا تھا۔ رنگ برنگی آنچل لہرا رہے تھے۔ اس کی نظریں مستقل سکندر علی اور اس کی بانہوں میں نیم برہنہ جھولتی اس کی بیوی پر تھیں۔ بالوں کو جھولے ایک ادا سے لہرائی وہ ہنس رہی تھی۔ اس کے مہمان بھی ایسے ہی تھے آج اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ نان مسلم ہے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی تھی سکندر علی، پر تو یہ تھا اس کا آئیڈیل؟ وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی جب سلاطین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔
''تمہیں دادی جان بلا رہی ہیں۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
''آؤ بیٹا ان سے ملو یہ میری اور تمہاری اماں جان کی مشترکہ دوست ہیں۔'' بڑے ادب سے اس نے انہیں سلام کیا تھا۔
''ماشاء اللہ بہت پیاری ہے یہ تو۔'' انہوں نے دل کھول کر تعریف کی تو وہ جھینپ سی گئی۔ اسے یہ ماحول بہت گھٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا حالانکہ آج سے پہلے کتنی ہی بار یہاں دعوتوں کا اہتمام ہو چکا تھا مگر آج کی دعوت دل میں گھٹن پیدا کررہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد اندر آ گئی۔ وہ اسٹڈی روم میں اپنے اسائنمنٹ تیار کرنے میں مگن تھی تب ہی باہر سے شور کی آواز پر نکلی تھی اور اچانک ہی جان لیزا سے ٹکرائی تھی اس ٹکر پر اس کے ہاتھ میں جو گلاس تھا وہ ٹوٹ چکا تھا۔ جان لیزا کے کپڑے خراب ہو گئے تھے وہ نہ جانے کس دھن میں اتنی زور سے باتیں کرتی چلی آرہی تھی غصے میں لیزا نے اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھے گئی۔
''نان سینس۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ سکندر علی اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی یہ سب ہو چکا تھا۔
''کون ہے یہ؟ سارے کپڑے خراب کردیے میرے، جاہل۔'' فراٹے سے انگلش بولتی وہ غصہ میں دھاڑ رہی تھی، سکندر علی نے ایک نظر زوبار یہ پر ڈالی تھی۔
''اب کیا کھڑی دیکھ رہی ہو، جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' سکندر علی نے اسے بازو سے پکڑ کر دھکا دیا۔ وہ نازک کمزور سی لڑکی توازن برقرار نہ رکھ پائی، یکدم ہی گر گئی۔ ٹوٹا ہوا کانچ کا ٹکڑا اس کی ہتھیلی میں گھسا تھا مگر وہ اسے نظر انداز کرتا اپنی محبوب بیوی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر نکلتا چلا گیا۔ اس نے جیسے ہی کانچ نکالا، خون کا ایک

فوارہ بہہ نکلا۔ وہ جلدی سے کھڑی ہوئی اور بھاگتی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔ کتنی ہی دیر تک وہ آنسو بہاتی رہی۔ خون تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے سلاطین کو بلایا وہ فوراً اسے اسپتال لے کر بھاگا تھا۔ زوباریہ نے اس کے پوچھنے پر سب بتا دیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ابھی نہیں بتائے گی تو صبح سکندر علی نے شور مچا کر سب کو بتانا ہی ہے۔

☆.....☆.....☆

''مجھے بہت افسوس ہے سحر کہ ہماری اولاد ایسی بھی ہو سکتی ہے۔'' احمد علی آج کے فنکشن پر حواس باختہ تھے، شراب، شباب کیا کچھ نہیں رکھا تھا سکندر علی نے اور پھر ایک غیر مسلم کو زندگی میں شامل کر کے خود بھی غیر مسلموں کے رنگ میں رنگتا جا رہا تھا۔

''کیا کہہ سکتی ہوں میں، نہ جانے کہاں میری پرورش میں کمی رہ گئی ہے۔'' وہ بھی شرمندہ تھیں۔

''کتنی اچھی بیوی کا انتخاب کیا تھا اماں جان نے اس کے لیے اسے تو قدر کرنی چاہیے تھی اس کی مگر۔'' وہ خاموش ہو گئے تھے۔

''وہ تو اسے آج بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے احمد! کل یہ کہہ رہا تھا کہ میری پارٹی میں کسی سے اس کا تعارف میری بیوی کہہ کر مت کروایئے گا، گھن آتی ہے مجھے اس سے۔'' ہاتھوں سے چوڑیاں اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔

''بہت غلط سمت کا چناؤ کیا ہے سکندر نے سحر، بہت پچھتائے گا وہ تم دیکھنا، لیکن پچھتانے کے بعد اس کی زندگی سہل نہیں ہو سکے گی۔'' وہ اپنے غصے کو بہ مشکل ہی روک پا رہے تھے۔

''اللہ نہ کرے احمد! اللہ پاک سے میری دعا ہے وہ جلد اسے راہ راست پر لے آئے آمین۔'' انہوں نے دل سے دعا کی تھی اپنے جگر گوشے کے لیے۔ دو سال کا عرصہ مزید گزر گیا تھا اور ان دو سالوں میں اس نے خود کو اس کے سامنے آنے سے یکسر روکے رکھا تھا۔ اس کی روٹین ہی ایسی تھی وہ رات گئے آتا کہ سب ہی سو چکے ہوتے تھے۔ کتنی ہی بار اس نے اسے شراب کے نشے میں دھت کمرے تک جاتے دیکھا تھا۔ وہ روتی رہتی کہ کیا ہے اس کے نصیب میں۔ اپنی اماں جان کے پاس جاتی ان سے بھی سب کچھ کہتی مگر وہ اسے اس کے بھائی بھاوج کے رویے سے ڈرا کر بہلا دیتی تھیں۔ اب یہاں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ سب کچھ بے معنی تھا سب رشتے بے لوث محبت کرنے والے مگر یہ کیسی محبت تھی ان سب کی جو غلط ہوتا دیکھتے رہتے تھے بس۔

☆.....☆

''مہندی نی مہندی۔'' خوشنما کی شادی کا فنکشن زوروں پر تھا اس نے دل سے حصہ لیا تھا کافی عرصہ بعد آج وہ خوش تھی۔ لیمن کلر کی کلیوں والی فراک پہنے سب لڑکیوں کے ساتھ تالیاں بجانے میں وہ مصروف تھی۔

''زوباریہ بھابھی وہ کیسے لگ رہے تھے۔'' یلو کلر کے دوپٹے میں سے اس نے منہ نکالا تھا۔

''بہت ہی حسین، بہت ہی ہینڈسم ہے جہانگیر۔'' اس کے تعریف کرنے پر وہ شرما سی گئی۔

''ارے..... ابھی سے مت شرماؤ، ابھی تو دو دن ہیں۔'' مریم نے بھی اسے چھیڑا تھا۔ وہ مسکرا کر ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

''ارے واہ، مجھے تو آج پتا چلا تم شرماتی ہوئی کتنی حسین لگتی ہو۔'' مریم نے اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''اچھا اب بس کرو بھئی میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔'' دادی جان نے بھی اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ارے سحر! سکندر نہیں آیا ابھی تک۔'' آج چھ ماہ ہو گئے تھے اسے پھر سے گئے ہوئے۔

چاہتے ہیں کہ میں جان لیزا کی طرح اسے اپنے ساتھ رکھوں تو یہ بالکل ناممکن ہے۔اس کے علاوہ اگر کوئی بات ہے تو بتائیں۔'' اور وہ اس کی بے حسی پر کچھ بھی نہ کہہ سکے۔وہ چلا گیا اور وہ آنکھیں موندے کتنی دیر لیٹے رہے۔

☆.....☆.....☆

''واٹ نانس سینس یار، کیا کیا یہ تم نے۔'' وہ اطہر پر بری طرح چلا رہی تھی وہ بچہ ڈرا سہما ایک کونے سے جا لگا تھا۔

''کیا ہوا جانی۔'' وہ تیزی سے نیچے آیا تھا صرف اسی وجہ سے وہ گھر میں کم رہتا تھا کہ جانتا تھا جان لیزا کو کسی کی بھی کمپنی پسند نہ تھی، اس سے برداشت نہ ہوتا تھا کوئی اس سے بات کرے یا اس کے پاس بھی آئے۔

''یہ دیکھو'' اس نے اپنی وائٹ شرٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جہاں چاکلیٹ کے ہاتھ چھپے ہوئے تھے۔

''بچہ ہے یار کوئی بات نہیں۔'' وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''واٹ ربش، میرا اتنا قیمتی سوٹ خراب ہو گیا۔'' وہ اور زور سے چیخی تھی تب ہی مریم اور سلاطین بھی آ گئے۔اطہر کو ڈرا سہما دیکھ کر اس کی طرف بڑھے تھے۔اطہر اپنے ماں باپ کو دیکھ کر ان کی طرف لپکا تھا ماں سے لپٹ کر منہ اس کے سینے میں چھپا لیا اور رونے لگا۔

''سکندر پلیز! اسے کہنا آئندہ میرے بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھائے گی۔'' سلاطین کو غصہ تو بہت آیا تھا اپنے بیٹے کا گال سرخ دیکھ کر مگر، پی گیا تھا اور مریم نے بھی غصے سے ان دونوں کو گھورا تھا۔

''کول میری جان کول، میں تمہیں دوسرا دلا دوں گا۔'' بڑی بے تکلفی سے اس نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور گال پر پیار کیا تھا وہ مسکرا دی تھی اور بدلے میں ایک گستاخی اس کے ساتھ بھی کی۔دور کھڑی زوبار یہ یہ منظر دیکھ کر جھینپ سی گئی اور اندر واپس آ گئی۔

دن گزر رہے تھے کہ اچانک ہی سکندر علی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی وہ کہیں جا رہا تھا اپنی بیوی کے ساتھ کہ چکرا کے گر پڑا جان لیزا نے گھبرا کر چیخنا شروع کر دیا تھا۔نوکر سب اس کے شور مچانے پر آ گئے تھے اور پھر سب کو اطلاع دے دی اس کے بے ہوش وجود کو سلاطین نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا۔

''کیا رپورٹ ہے ڈاکٹر؟'' دو دن ہو گئے تھے اسے ہاسپٹل میں ابھی تک وہ نیم بے ہوشی میں ہی تھا، ٹھیک طرح سے سانس بھی نہیں لے پا رہا تھا۔جان لیزا بھی پریشان تھی۔

''دعا کریں بس، کہ جو میں سمجھ رہا ہوں ایسا کچھ نہ ہو۔'' ڈاکٹرز کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے۔

''پھر بھی ڈاکٹر پتا تو چلے آخر کہ اچانک ہوا کیا ہے سکندر کو۔'' سحر علی کا رو رو کے برا حال تھا۔

''آئی ایم سوری مسٹر سلاطین کہ یہ انہیں اچانک نہیں ہوا ہے، مے بی پاسیبل کہ اس سے پہلے بھی انہیں یہ اٹیک ہوا ہوگا۔'' وہ یکدم ہی چونک گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' وہ پریشان سا ہو گیا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، شام تک ان کی رپورٹ آ جائے گی پھر ہی کچھ کنفرم ہوگا۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلا گیا تھا اور وہ جان لیزا کی طرف آیا تھا۔

''کیا آپ جانتی ہیں کہ یہ کیا ہوا ہے اچانک بھائی کو؟'' آواز کی سمت مڑی تھی وہ۔

''نہیں۔'' اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اس سے کچھ اور پوچھنا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''امی جان آپ گھر چلی جائیں تھوڑا آرام کر لیں۔'' اس نے ماں کو پیار سے دیکھا تھا۔رو رو کر ان کی

آنکھیں سوج گئی تھیں۔

''نہیں بیٹا! جب تک میرا بچہ ٹھیک نہیں ہو جاتا میں یہیں ہوں۔'' وہ جانتا تھا کہ گھر کا ایک ایک فرد سکندر علی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ وہ انہی کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا سکندر کو امی جان بس دعا کریں آپ۔'' اس کی آنکھوں سے بھی پانی بہنے لگا تھا۔

''انشاء اللہ۔'' انہوں نے پھر سے تسبیح پڑھنا شروع کر دی تھی۔

''زوباریہ بھابھی نہیں آئیں۔'' وہ دو دن سے نہیں آئی تھی سب آئے مگر وہ نہیں آئی تھی اور وہ آتی بھی تو کس حق سے، حق تو اسے کبھی ملا ہی نہیں تھا۔

''ڈاکٹر، ڈاکٹر جلدی آئیں پلیز۔'' سکندر کے کمرے سے نرس بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ سب ہی بھاگے تھے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ شیشے کے باہر سے سب بے چینی سے جھانک رہے تھے۔ سکندر علی کو خون کی الٹیاں لگی ہوئی تھیں اس کا پورا آکسیجن پائپ خون میں لت پت تھا۔ سفید تکیہ، سفید چادر سب سرخ ہو گئی تھی، سب کے لب دعا کر رہے تھے سب ہی سمجھنے سے قاصر تھے کیا ہوا ہے آخر سکندر علی کو اچانک۔

''پلیز آپ میرے ساتھ آئیں۔'' سلاطین اور احمد علی ڈاکٹر کے پیچھے ان کے کمرے میں چلے آئے۔

''سب خیریت تو ہے ناں ڈاکٹر؟'' احمد علی پریشان تھے۔

''مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ سکندر علی کو جگر کا کینسر ہے اینڈ اٹس لاسٹ اسٹیج۔'' ڈاکٹر نے اپنی تشویش ظاہر کر دی تھی اور یہ بات سن کر ان دونوں کا سر چکرا گیا تھا۔

''واٹ.....؟'' سلاطین چکرا گیا۔

''لیکن کوئی علاج؟'' بڑی مشکل سے احمد علی کے منہ سے لفظ نکلے تھے۔

''سوری.....'' ڈاکٹر کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا وہ سر تھام کر کتنی ہی دیر بیٹھے رہے تھے ان کا لاڈلا بیٹا یہ کس آزمائش میں گھر گیا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی اس کے لیے شاید ایک معصوم کو ستانے کی یا شاید ایک نان مسلم کو اپنی زندگی میں لانے کی۔ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ دل کو کیسے تسلی دیں، سب کو کیا بتائیں کیا کہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''اماں جان! یہ کیسا دکھ ملا ہے مجھے؟'' وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔ زوباریہ کی آنکھیں بھی سرخ تھیں۔

''صبر کرو میرے بیٹے، اللہ کی مرضی کے آگے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ بھی رو رہی تھیں اپنا پوتا بے شک انہیں دل و جان سے عزیز تھا۔

''زوباریہ بیٹا! میرے بچے کو معاف کر دینا، اس نے زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ۔ تمہیں تمہارے اصل ''حق'' سے محروم رکھا اس نے۔'' زوباریہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''نہیں بابا جانی، میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں، میں نے کبھی انہیں بد دعا نہیں دی کبھی ان کو برا نہیں کہا، ان کا تو احسان ہے مجھ پر کہ انہوں نے مجھے اپنا نام دیا ہے۔ یہ گھر یہ چار دیواری دی ہے جس میں محفوظ ہوں میں بابا جانی، پلیز آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے رو پڑی تھی، انہوں

نے دست شفقت اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔گھر میں سناٹا سا ہو گیا تھا ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے آنا فانا کس کی نظر کھا گئی تھی اس گھر کو، وہ سلاطین کے ساتھ اسپتال آئی تھی۔ سلاطین اسے چھوڑ کر تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ گیا تھا۔ وہ اپنی معصوم نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور روئے جار ہی تھی جان لیزا نے بڑے غور سے اسے دیکھا تھا۔ اسے یاد آیا کہ یہ وہی لڑکی تھی جو اس رات اس سے ٹکرائی تھی مگر وہ کون تھی؟ اتنے سال تک اسے یہ جاننے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی مگر ''آج'' اس کے رونے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

''کون تھی آخر وہ؟'' یہی جاننے وہ پاس آئی تھی۔

''کون ہو تم؟'' وہ چونک گئی۔ سکندر علی کو دیکھنے میں وہ اتنی محو تھی کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور غصے سے دیکھ رہی تھی۔

''میں......وہ۔'' اس نے سلاطین کو دیکھا تھا جو تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

''ایکسکیوزمی، جان لیزا یہ مسز سکندر علی خان ہیں۔'' اور جیسے کوئی سیسہ تھا جو اس کے کان میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ غصے سے آنکھیں نکالے سکندر کی طرف مڑی اور بہت زور سے چیخی، سلاطین بھی غصے میں آ گیا اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کیا تھا۔

''تمہیں ذرا احساس نہیں ہے ایک بیمار شخص پر چلا رہی ہو؟'' جان لیزا نے اپنا بازو سختی سے کھینچا تھا۔ وہ پاگل ہی ہو گئی تھی جیسے اسے واقعی احساس نہیں تھا کہ سکندر بستر مرگ پر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔

''مائی فٹ یہ میرا شوہر ہے اس نے مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا۔'' وہ غصے سے پاگل ہی ہو گئی تھی۔ زوباریہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ سکندر علی کی آنکھ کھلی تھی، نیم غنودگی میں وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا ہوا ہے بس جان لیزا کے غصے سے پھنکارتے لب و لہجے کو سن رہا تھا۔

''سکندر علی! تم نے مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا، تمہیں کبھی سکون نہیں ملے گا۔'' اس نے بہت زور کا گھونسا مارا تھا اس کے سینے پر وہ بستر پر تڑپ کر رہ گیا تھا۔ اس کے منہ سے پھر سے خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ سانس تیز ہو گئی تھی اور وہ بے حسی کی مثال بس چیخنے میں مصروف تھی۔

''پلیز، پلیز جان لیزا، چپ ہو جائیں آپ، میں صرف ان کی نام کی بیوی ہوں، ان کی طبیعت خراب ہے پلیز، آپ بعد میں لڑ لینا پلیز۔'' وہ جلدی سے پاس آئی تھی۔ سکندر کا سینہ سہلانے لگی تھی۔ سلاطین ڈاکٹر کو بلانے بھاگا تھا۔

''شٹ اپ، مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں طلاق دیتی ہوں اس دھوکے باز آدمی کو۔'' اس نے غصہ میں پھر سے سکندر کے ایک گھونسا مارا۔ زوباریہ نے بہت زور سے اسے پیچھے دھکا دیا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے جا کر گری تھی اور غصے میں بل کھاتی پھر سے اس کی طرف بڑھی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اسے پھر کوئی نقصان پہنچاتی ڈاکٹر آ چکے تھے۔ سلاطین نے جان لیزا کو گھورا تھا اور وہ بھی ان لوگوں کو گھورتی نکلتی چلی گئی تھی، سکندر کی حالت بگڑ گئی تھی۔ خون بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سانس بھی تیز تیز چل رہی تھی اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ چین سے سو گیا تھا۔ زوباریہ اسے دیکھ کر روئے جا رہی تھی دعائیں مانگ رہی تھی کچھ بھی رہا ہو ان کے درمیان کبھی بات کوئی ہو لیکن وہ پھر بھی اس کی احسان مند تھی۔ اس کے نام سے منسوب تھی اس کی عزت اس کی آبرو، اس کا (ک)سی کے مرہون منت تھا۔ وہ اس کے لیے دعا مانگتے مانگتے سو گئی تھی جب رات کے کسی پہر اس کے

کراہنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ فوراً سیدھی ہوگئی تھی۔ تندرست وتوانا مضبوط مرد کتنا لاغر ہوگیا تھا وہ جو آنکھیں چمکتی رہتی تھیں کملا گئی تھیں۔ خون کی الٹیاں کر کر کے اس کے ہونٹوں پر پپڑی جم گئی تھی اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں سے موتی گرنے لگے تھے۔

''کچھ چاہیے۔'' اس نے ڈرپ لگا اس کا ہاتھ تھاما۔ وہ اپنی نقاہت سے چور آنکھوں سے اسے دیکھے گیا دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنے منہ پر لگا آکسیجن ماسک اتارا، وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''زوباریہ، مجھے معاف کردو۔'' وہ تڑپ ہی تو گئی تھی آج اتنے سالوں بعد اس نے پہلی بار اس سے بات بھی کی تو کیا اس نے فوراً اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سانس بہت تیز چل رہی تھی۔

''آپ پلیز کچھ مت کہیں، آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' سکندر علی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا۔ آج پہلی بار اس نے سکندر کے ہاتھوں کی نرمی کو محسوس کیا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا ہاتھ کتنا مضبوط سہارا ہے اس کے اوپر، وہ رو رہی تھی۔

''نہیں، کچھ نہیں ہوا ہے میری طبیعت کو، میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا ہے کبھی تمہارے قریب نہیں آیا، کبھی تمہیں اپنے پاس نہیں آنے دیا کبھی تمہیں قبول نا.....'' اس کی سانس اکھڑ رہی تھی، وہ تیزی سے کھڑی ہوئی تھی ڈاکٹر کو بلانے کے لیے مگر اس نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

''مت کہیں آپ ایسا، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، پلیز آپ ٹھیک ہوجائیں گے کچھ نہیں ہوگا آپ کو۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے رو رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا آج اس نے اس کا احساس بھی کیا تو کب جب وہ اس دنیا کو چھوڑ کر جانے والا تھا۔

''تم.....بس مجھے معاف کردو۔'' وہ رو پڑا تھا۔ اسی لمحے سلاطین اندر آیا تھا وہ پلٹنے والا تھا جب سکندر نے اسے آواز دی تھی۔

''سس.....سلاطین.....پلیز.....مجھے معاف کردو۔'' وہ اپنے بھائی کی طرف آیا اور اس کا ماتھا چوم لیا آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ کیسا درد، کیسا کرب تھا وہ بیان نہیں کر پا رہا تھا اپنی غلطی کا احساس بھی اسے کب اور کہاں ہوا تھا۔

''زوبا.....زوباریہ سے کہو مجھے معاف کردے۔'' وہ دوپٹے سے منہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔

''ایسے مت کہو سکندر، تم ہماری جان ہو، کسی کو تم سے شکایت نہیں ہے یار، ٹھیک ہوجاؤ گے تم۔'' وہ اس کے گلے سے لگ گیا۔

''زوباریہ۔'' وہ پھر اپنی پر درد آنکھوں سے اس کی طرف متوجہ ہوا، وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''پلیز۔'' اس نے بہ مشکل اپنے دونوں ہاتھ جوڑنے چاہے جنہیں تیزی سے زوباریہ نے پکڑ لیا اور ماتھے سے لگائے زار وقطار رونے لگی۔

''مت کریں ایسا، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی اور وہ جیسے بس ایک یہی لفظ سننے کو بے تاب۔ کلمہ پڑھ کر اسے دیکھتا رہا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ آنکھیں پتھر کی بن گئی تھیں۔ ایک دل خراش چیخ زوباریہ کے منہ سے نکلی تھی۔ اس کے ہاتھ سے سکندر علی کا ہاتھ چھوٹ کر گر گیا تھا۔ وہ اپنی آخری منزل کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ زوباریہ کو تو سکتہ ہی ہوگیا تھا۔ کان ابھی بھی اس کی آواز سے مسحور ہو رہے تھے۔

☆.....☆

دن گزر رہے تھے۔ وہ اداس سی ہوگئی تھی۔ دادی جان کے پاس سے ہٹتی ہی نہیں تھی اور پھر جہانگیر نے تو اسے ستانے کی حد ہی کردی تھی وہ سنبھلی بھی نہ تھی کہ ایک نیا غم دیکھنے کو ملا۔ اس کی عزیز از جاں اماں جان بھی اسے چھوڑ کر چلی گئیں۔

وہ بہت ٹوٹ چکی تھی گھر میں سب اس کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن اس کی عصمت و آبرو کے پرخچے اڑانے اس کا گھر داماد جلے پیر کی بلی کی طرح بلبلاتا رہتا تھا۔ وہ کتنا ہی اس سے بچتی وہ پھر آجاتا تھا اسے تنگ کرنے اس نے پھر سے پڑھائی شروع کردی تھی۔

☆.....☆.....☆

''اوہ مادام! یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔'' اور وہ جو اتنے دن سے اس سے چھپتی پھر رہی تھی آج اس کا سامنا ہوگیا تھا، دل سہم گیا تھا اس کا۔ سکندر علی کی موت کے بعد وہ خود کو بے آسرا ہی سمجھنے لگی تھی۔ اس کی زندگی میں بھی حالانکہ اس کا سہارا انہیں تھا صرف اس کے نام کا بھرم تھا اس کا نام اس کے لیے گھنی چھاؤں سے کم نہ تھا مگر اب وہ خود کو کڑی دھوپ میں کھڑا پاتی تھی قلم روک کر اس نے اس کی خباثت بھری نگاہوں میں دیکھا تھا۔

''یہاں کیوں چھپی بیٹھی ہو کیا کروگی اتنا پڑھ کر، کبھی مجھ جیسے ہینڈسم کو پڑھو تو جانو!'' وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ تپ گئی تھی اس کے اس طرح بے تکلف ہونے پر۔

''آپ سے کئی بار کہا ہے کہ یہ گیسٹ روم نہیں ہے، پلیز آپ یہاں سے جائیں۔'' وہ پھر سے اپنی فائل پر جھک گئی اس نے مسکرا کر اس کی فائل ہی گھسیٹ لی۔ وہ اسے گھورنے لگی تلخ۔

''اپنی حد میں رہیے جہانگیر، مجھے یہ بے ہودہ مذاق نہیں پسند۔'' تلخی سے کہتی وہ فائل بند کرکے کھڑی ہوگئی تھی اس نے فوراً ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا اور وہ پھر سے صوفے پر گر گئی تھی۔

''چھوڑو ناں یار، یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ تم اتنی خوب صورت جوان اور حسین ہو، کون کافر تم سے نظر پھیر کر رہ سکتا ہے۔'' وہ غصے سے اسے گھور رہی تھی۔

''اور کیا یونی ورسٹی میں تمہارے دوست نہیں ہوں گے، ایک میں بھی سہی۔'' وہ بڑی خباثت سے اس کی طرف جھکا اور وہ تیزی سے اسے دھکا دیتی کھڑی ہوئی۔

''مجھے فضول بکواس کرنا پسند ہے اور نہ ہی سننا، سمجھے۔'' وہ اسے غصے سے گھور رہی تھی۔

''اور خبردار جو آئندہ مجھ سے اس انداز میں بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے غصے پر مسکرا رہا تھا اور اس کے جانے سے پہلے ہی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آج اس نے بدتمیزی کی ساری حدیں کراس کرلی تھیں۔

''تم سیدھے طریقے سے نہیں مانو گی، مجھے ہی دوستی کا قدم بڑھانا پڑے گا۔'' وہ اس کے قریب آنے لگا۔ وہ الٹے قدم پیچھے ہٹتی چلی جارہی تھی۔

''جہانگیر اسٹاپ اٹ۔'' وہ بک شیلف سے لگ گئی تھی۔

آج اس کو احساس ہوا تھا کہ اب یہ گھر اس کے لیے محفوظ نہیں رہا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹی جارہی تھیں اور وہ دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں لگائے اس پر جھکنے کے موڈ میں تھا جبکہ اس نے مضبوطی سے اس کے سینے کو اپنے ہاتھوں سے دھکا دیا تھا وہ جیسے ہی پیچھے ہٹا وہ بھاگی مگر اس سے پہلے ہی وہ اسے پکڑ چکا تھا۔ وہ

چیخ رہی تھی مگر اس کی آواز باہر بیٹھے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جہانگیر نے بے دردی سے اس کے سر پر ٹکا ہوا دوپٹہ کھینچا اور صوفے پر پھینک دیا اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں تھیں۔ اس نے دل سے اپنے اللہ پاک سے اس وقت اپنی عزت و آبرو کے بچ جانے کی دعا مانگی تھی اور اللہ بھی اس پر مہربان تھا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس نے خود سے قریب کیا تھا کہ دادی جان رحمت کا فرشتہ بن کر آ گئی تھیں۔ جب جہانگیر کا یہ عمل دیکھا تو ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر مارا وہ بلک کر رہ گیا۔

''اس گھر کے داماد ہو اور اس گھر کی عزت پر نقب لگاتے تمہیں شرم نہیں آتی۔'' زوبار یہ دادی جان کے پیچھے چھپ گئی اور وہ کچھ بھی کہے بغیر غصے سے پیر پٹختا چلا گیا۔ وہ ان کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''دادی جان! اگر آپ نہ آتیں تو نہ جانے آج کیا ہو جاتا۔'' وہ اس کا سر سہلا رہی تھیں۔

''میں کیا کروں دادی جان؟ کہاں جاؤں۔'' وہ رو رہی تھی۔

''میں بات کروں گی احمد علی سے تم پریشان مت ہو بیٹا۔''

''نہیں دادی جان، نہیں ایسا غضب بھی مت کیجیے گا، خوشنما کا گھر برباد ہو جائے گا۔'' وہ اسے دیکھے گئیں۔ بالآخر انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ رات اس سے ملنے اس کا بھتیجا موحد آیا تھا دادی جان نے فون کر کے بلایا تھا اور زوبار یہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا کہا تھا۔ وہ لے بھی آیا تھا مگر یہاں ایک نیا ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بغیر اجازت اس کو لانے کی۔'' رحمٰن بیگ کی چیختی چنگھاڑتی آواز سے وہ اور بھی ڈر گئی تھی۔

''بابا جان ہماری عزت ہے یہ، آپ کی بہن ہیں۔'' وہ بخار میں تپتی ہوئی اپنی عزیز از جان پھوپھی کو تھامے ہوئے تھا۔

''یہ اب ان لوگوں کی عزت ہے۔ ہم سے اس کا تعلق ٹوٹ چکا تھا اسی دن جس دن یہ اس گھر سے بیاہ کر گئی تھی، اٹھاؤ اسے اور لے جاؤ کسی یتیم خانے میں جمع کروا دو، اگر وہ لوگ رکھنے پر رضامند نہیں ہیں تو۔'' وہ کانپ ہی تو گئی تھی۔ لرزتی ہوئی اپنے بھائی کے قدموں میں گر گئی تھی۔

''پلیز بھائی! مجھے اس گھر کے کسی بھی کونے میں پڑا رہنے دیجیے گا مگر یتیم خانے میں مت ڈالیں جب تک آپ ہیں میں یتیم نہیں ہوں۔'' موحد اور وانیہ کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں کوئی اتنی بھی نفرت کر سکتا ہے بھلا۔

''ٹھیک ہے، لیکن مفت کی روٹیاں نہیں توڑو گی تم اس گھر کا کچن اور صفائی تمہاری ذمہ داری ہو گی۔'' سنجیدہ بیگم کے دل میں ایک ذرہ برابر نرمی ابھری تھی اور یہی اس کے لیے کافی تھا کہ وہ کم از کم یہاں اپنوں میں محفوظ تو رہے گی کوئی اس کی عزت کو داغ دار تو نہیں کرے گا نا۔

''ٹھیک ہے اسے لے جاؤ اماں جان کے کمرے میں، اب وہی اس کا کمرہ ہے۔'' سنجیدہ بیگم بھی اسے گھورتی چلی گئیں وانیہ اور موحد نے اسے اٹھایا تھا۔ وہ اسے کندھے سے پکڑ کر کمرے میں لے آیا تھا، بخار بہت تیز تھا اسے، وانیہ کے آنسو تھے کہ تھم ہی نہیں رہے تھے۔ موحد نے اسے دوا دی اور چادر اڑھا کر سلا دیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے سو گئی تھی۔ سکون سے مطمئن تھی کہ اب وہ محفوظ ہے احمد علی اور سحر نے اسے بہت روکا تھا مگر اس نے کسی کی بھی بات نہیں مانی تھی۔ وہ جان گئی تھی وہ اب یہاں محفوظ نہیں تھی۔ دن کتنی تیزی سے گزر رہے تھے اس کا ماسٹر ادھورا رہ گیا تھا۔ یہاں کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ پڑھائی کی طرف توجہ کرتی۔ موحد اور وانیہ

بھی اسی سے ٹیوشن لینے لگے تھے۔ وقت کبھی کسی کا غلام نہیں ہوتا اس کا کام تو بس گزرتے رہنا ہے۔ گھرداری کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا پھر بھی اس نے بہت سہولت سے سب کام سنبھالا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بابا جانی!'' وہ اسے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے تھے آج کئی سال بعد وہ اسلام آباد سے لوٹا تھا، وہ خوشی سے اس کے گلے لگ گئے تھے۔

''میرا بیٹا میری جان۔'' وہ بے انتہا خوش تھے، بہت زور سے انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

''میرا چاند آ گیا۔'' یاسمین خان بھی اس کے ماتھے پر پیار کر رہی تھیں گھر ایک دم خوشیوں سے بھر گیا تھا۔ ابتہاج جو اسلام آباد میں بزنس کے بہانے سے اسٹیل ہوا تھا واپس آ گیا تھا۔

''کیسے ہو، آج کتنے دنوں بعد میں نے اپنے لال کو دیکھا ہے۔'' پھوپھی امی کی آنکھیں بھی خوشی سے روشن تھیں۔ اپنے اکلوتے بھائی کے دونوں ہی بیٹے ان کی آنکھ کا تارا تھے۔ وہ بہت محبت کرتی تھیں دونوں بچوں سے۔

''اور بھائی شادی کے لیے کوئی لڑکی پسند آئی۔'' بڑا عام سا سوال تھا نگار کا مگر اس کا دل کہاں راضی تھا کسی اور کے لیے، بارہ سال سے جس کی محبت کا دیپ اس کے دل میں جل رہا تھا وہ اسے بجھانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں کی تڑپ اسفند خان سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''بس باقی باتیں بعد میں پہلے میں ذرا فریش ہو جاؤں، بہت زور کی بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کو ملے گا۔'' بڑی چاہ سے اس نے اپنی ماں کو دیکھا تھا، وہ مسکرا دیں۔

''ہاں ہاں، میرے بیٹے تم آؤ فریش ہو کر، میں کھانا لگواتی ہوں۔'' وہ اپنا بیگ اٹھائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

''بابا جان آپ نے بلایا تھا مجھے۔'' وہ اسٹڈی میں بیٹھے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے فون آف کیا اور ایک ریڈ فائل اس کی طرف بڑھائی۔

''بیٹا! یہ پرپوزل ہمیں رحمٰن بیگ کی طرف سے آیا ہے۔'' نام پر وہ چونکا تھا۔

''لیکن بابا جان، ہم نے ان کے ساتھ بزنس کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔'' اسے آج بھی یاد تھا کس طرح اس نے اپنی بہن کی تذلیل کی تھی ان لوگوں کے سامنے۔

''یس مائی چائیلڈ ..... ارادہ ترک تو کیا تھا لیکن وہ خود چل کر آئے تھے ہمارے آفس تو انکار مجھے اچھا نہیں لگا اور پھر انکار کی کوئی معقول وجہ بھی نظر نہیں آئی مجھے۔'' وہ سر جھکا گیا تھا۔

''تم اسٹڈی کرو یہ فائل، اگر تمہیں کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے انکار کی تو میں سوچتا ہوں۔'' اپنے بیٹے کی دل کی حالت سے وہ واقف تھے اور پھر بزنس میں پرسنل لائف انٹرفیئر کرنا عقل مندی نہیں تھی۔

''اوکے بابا جان! جیسا آپ کا حکم۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ فائل پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

''بھابی! آج کھانے میں کیا پکانا ہے۔'' وہ برتن دھو کر ہاتھ صاف کرتی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''کوفتے اور مٹر پلاؤ بنا لو۔'' وہ آگے بڑھ گئیں پھر پتہ نہیں کس خیال کے آتے ہی پلٹی تھیں۔

''اور ہاں آج کوئی مہمان آ رہا ہے تو کچھ ناشتے کا بندوبست بھی کر لینا۔'' وہ سر ہلا کر کچن میں واپس آ گئی تھی۔

''ہاؤ۔'' وانیہ نے اسے پیچھے سے ڈرایا وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا پکا رہی تھیں آج! میں کچھ ہیلپ کروں۔'' وہ کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر ٹکائے ادھر ادھر جھانکنے لگی۔

''نہیں میری جان!، میں کر لوں گی۔'' اس نے پیار سے وانیہ کے گال پر تھپکی دی تھی۔

''ویسے پک کیا رہا ہے۔'' خوشبو سے اس کا دل للچا رہا تھا۔

''فی الحال ناشتے کا بندوبست، مہمان آ رہے ہیں کوئی۔'' وہ مایونیز پھینٹنے میں مصروف ہو گئی۔

''مہمان..... کون؟'' اس نے ابلے ہوئے آلو کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا تھا۔

''پتہ نہیں بیٹا بس بھابھی نے بتایا اور ہم نے سن لیا۔'' وہ کام میں مصروف ہو گئی۔ تمام کام کر کے فریش ہونے چلی گئی تھی باہر آئی تو بھابھی نے پکارا تھا ''کہ مہمان آئے ہیں پانی لے آؤ ان کے لیے۔'' اور وہ ٹرے میں گلاس لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ ابتہاج رحمٰن بیگ سے فائل پر جھکا کچھ ڈسکس کر رہا تھا تب ہی آواز پر چونک کر دیکھا تھا۔

''پانی.....'' اور اسے اپنے سامنے دیکھ کر جیسے اس کی سانسیں تھم سی گئی تھیں، آج اتنے سالوں بعد وہ پھر اپنی روشن آنکھیں لیے اس کے سامنے کھڑی تھی، اسکائی بلو دوپٹے سے پورے چہرے اور سر کو ڈھانکے وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ سرخ و سفید رنگت اور بڑھ گئی تھی آج سے بارہ سال پہلے والی زوباریہ سے زیادہ حسین ہو گئی تھی۔ وہ اطراف سے بے خبر اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ کبھی کبھی دعائیں کتنی جلدی قبول ہوتی ہیں ابھی پورے راستے وہ اسی کو تو سوچ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اس کی خوب صورتی اس کا بار بار اپنی فراک کو ٹھیک کرنا کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا وہ۔

''رکھ دو، اور جاؤ ناشتہ لگاؤ۔'' سنجیدہ بیگم نے ٹوکا تو وہ ہوش کی دنیا میں آ گیا تھا۔ اور گلاس ٹرے میں سے لے کر ہونٹوں سے لگا لیا وہ چلی گئی تھی۔ ابتہاج بھی رحمٰن بیگ سے فائل ڈسکس کرنے لگا۔

''بھابھی! ٹیبل لگا دی ہے۔'' اس کی سریلی آواز پھر سے کانوں سے ٹکرائی تھی، اس نے پھر اس کی طرف دیکھا تھا، کچھ تو تھا اس کے چہرے پر جسے وہ سمجھنا چاہتا تھا۔ وہ سب کو پلیٹیں سرو کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گھر کے تمام نوکر کہاں گئے آخر دل کی بات زبان تک آ ہی گئی۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔'' رحمٰن بیگ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''جی جی، وائے ناٹ۔''

''آپ کے گھر کے تمام ملازم کہاں ہیں، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہاں تو کئی ملازم تھے۔'' زوباریہ چونکی تھی وہ اسے پہچان ہی نہیں پائی تھی اور پہچانتی بھی کیسے اس سے ایک سرسری سی ملاقات ہی تو ہوئی تھی بس۔

''دراصل ابتہاج یہ سارے کام زوباریہ اپنی خوشی سے کرتی ہے، ایکچوئلی ان کے ہسبینڈ کی ڈیتھ ہو گئی ہے اب اتنا بڑا غم بھلانا آسان تو نہیں ہے ناں، یہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے سب کام کرتی ہیں۔'' سنجیدہ بیگم کی بات پر ابتہاج کے ہاتھ سے گلاس چھوٹا تھا، زوباریہ اسے لزانیہ سرو کر رہی تھی اور اچانک یہ ہو گیا۔ وہ ایک دم ڈر سی گئی تھی وہ بھی گھبرا گیا۔

''آئی ایم سوری۔'' ابتہاج نے اپنی چیئر پیچھے کی تھی۔ سنجیدہ بیگم فوراً اٹھی تھیں۔ رحمٰن بیگ نے اسے گھورا تھا اور وہ ڈر کر نیچے جھکی کانچ کے ٹکڑے سمیٹنے لگی۔

''آرام سے۔'' وہ بولے بغیر نہ رہ سکا تھا اس کا دل تڑپ گیا تھا اتنا بڑا ظلم ہوا تھا اس معصوم کے ساتھ۔

اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ اس کے چہرے پر جو غم کے آثار نمایاں تھے وہ کیا وجہ تھی۔ وہ کانچ سمیٹ کر اندر چلی گئی تھی، سنجیدہ بیگم بھی اس کے پیچھے تھیں۔

''چٹاخ.....'' ایک زوردار تھپڑ کی آواز باہر تک آئی تھی۔ ابتہاج نے فوراً کچن کی جانب دیکھا تھا۔ اس نے غصے سے اپنے دانت بھینچ لیے تھے اور پھر وہ دوبارہ اسے نظر نہیں آئی تھی۔ وہ گھر آتے ہی اپنے بابا جان کے پاس آیا تھا اور اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی اور وہ جانتے تھے کہ انکار پر وہ مانے گا بھی نہیں سو رحمٰن بیگ کے ہاں رشتہ لے کر چلے آئے۔

''لیکن اسفند صاحب یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک بیوہ ہے آپ۔''

''ہمارا اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے ایک بیوہ کا گھر بسا دیا جائے تو ہم اور آپ کون ہوتے ہیں تنقید کرنے والے۔'' ان کی بات انہوں نے کاٹ دی تھی اور اسے کون سا فرق پڑتا تھا وہ تو ویسے بھی اسے اپنے سامنے دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''بہت ہی لکی ہو تم تو بھئی، دس سال ایک حسین آدمی کے ساتھ عیش کیے اور دیکھو پھر تمہارے نصیب میں ایک حسین اور خوبصورت مرد لکھ دیا گیا واہ کیا بات ہے۔'' وہ اپنی بھابھی کی باتوں پر ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی۔

''ہونہہ! یہ مگرمچھ کے آنسو کسی اور کو دکھانا، بڑے گرآتے ہیں تمہیں مرد کو کھانے کے، ایک ہی نظر میں اسے دیوانہ بنا دیا تم نے۔''

''تمہاری ماں کے بھی یہی کرتوت رہے ہوں گے جو میرے اتنے اچھے سسر کو اپنے جال میں پھنسا لیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ تمہیں پسند کیا ہے اس نے، ترس کھایا ہے، تم پر احسان کر رہا ہے تمہاری ذات پر کہ تم جیسی بدنصیب بیوہ کو اپنا نام دے رہا ہے وہ۔'' اور وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ ان کی باتیں بے لگام تیروں کی طرح اس کے دل کو چھید رہی تھیں۔

''واقعی ایک وہ تھا سکندر علی جس نے اس کی ذات پر احسان کیا تھا اور یہ بھی اس کی ذات پر احسان کر رہا تھا۔'' سوچ سوچ کر اس کی دماغ کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔ موحد اور وانیہ اس سے ضد نہ کرتے تو شاید وہ ''ہامی'' کبھی بھی نہ بھرتی۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی شادی جیسے تماشے میں۔ دس سال کا بیتا ہوا ایک ایک لمحہ اس کو اچھی طرح ازبر تھا وہ روئے جا رہی تھی اپنی قسمت کے اس کھیل پر۔ بھابھی کی باتیں سینہ چھلنی کر رہی تھیں۔ آنکھوں سے گرم سیال بہہ رہا تھا۔ دل میں کوئی بھی ارمان، کوئی امنگ، کوئی جستجو نہیں تھی اور وہ ایک بار پھر سے زوبار یہ سکندر سے زوبار یہ ابتہاج بن گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''اتنا تو ٹائم دیں کہ ہم تیاری کر لیں، اور وانیہ کا گریجویشن بھی مکمل ہو جائے گا۔'' سنجیدہ بیگم نے بڑی سہولت سے بات کی تھی تو قیر کی پھوپھی سے۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں محترمہ! لیکن ہمیں جلدی شادی کرنی ہے۔ تو قیر کچھ وقت کے لیے بزنس ٹور پر ملائیشیا جا رہا ہے اور ہم یہی چاہ رہے تھے کہ وہ اپنی لائف پارٹنر کے ساتھ جائے۔'' وہ تو بالکل ہی ہتھیلی

پرسرسوں جمانے کی بات کررہے تھے اور ایک سوائے سنجیدہ کے گھر میں کوئی بھی تیار نہیں تھا۔
''آپ کیا کہتے ہیں رحمٰن؟'' انہوں نے ان ہی کے سامنے سوال داغا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پارہے تھے۔ اتنی جلد بازی کس بات کی ہے۔
''آپ ایسا کریں ناں کہ آپ اپنا ٹور مکمل کرکے آجائیں، آنے کے بعد شادی ہوجائے گی۔'' رحمٰن بیگ کو کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔
''ارے نہیں نہیں، رحمٰن صاحب! اتنا ٹائم تھوڑی لے سکتے ہیں ہم، وہ تو وانیہ بیٹی تو قیر کو پسند آ گئی ہیں نہیں تو ماشاءاللہ کوئی کمی تھوڑی ہے میرے بھتیجے میں۔'' وہ بوکھلا سی گئی تھیں۔
''اچھا آپ پلیز دو دن کا ٹائم دیں ہم سوچ کر.....''
''کیا سوچنا ہے رحمٰن، ایک ہفتے کا ٹائم تو لیا تھا ناں، بس آپ ہاں کریں میری طرف سے تو ہاں ہی ہے۔'' وہ سنجیدہ کو گھور کر رہ گئے تھے جسے ظاہری چمک نے پاگل کیا ہوا تھا۔ وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ رشتہ سمجھ رہی تھی جیسے اب اور رشتے ہی نہیں آئیں گے۔
''یہ ہوئی ناں عقل مندی کی بات، چلو بھئی تو قیر بیٹا مبارک ہو۔ لو، منہ میٹھا کرو۔'' انہوں نے ایک گلاب جامن اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دی۔ وہ مسکرانے لگا۔
''تم بہت جلد بازی کررہی ہو سنجیدہ! پتہ نہیں ملائیشیا میں کیا کرے گا، کیسا سلوک کرے گا میری بیٹی کے ساتھ۔'' انہیں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔
''آپ تو بس وہم ہی پالتے رہا کریں۔ گھر چل کر آیا ہے میری بچی کا نصیب، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔'' وہ خوشی سے پھولے نہیں سمارہی تھیں۔ رحمٰن بیگ خاموش ہوگئے۔
''ٹھیک ہے جیسے تمہاری خوشی، اللہ میری بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھے بس۔'' دل سے دعا نکلی تھی اولاد کے لیے۔
''آمین۔'' ان کے تو پیر زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ رحمٰن بیگ ان کی خوشی سے دمکتی آنکھیں دیکھنے لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

''بیٹا اتنی جلدی کیوں؟'' موحد، وانیہ کے نکاح کا دعوت نامہ دینے آیا تھا۔
''بس پھوپھی جانی، مما کا پتا تو ہے ناں آپ کو۔'' موحد بہت اداس تھا۔ زوباریہ بھی افسردہ سی ہوگئی تھی اتنی چھوٹی عمر میں شادی نہیں کرنی چاہیے۔
''اور یہ اتنی سادگی سے کیوں ہورہی ہے شادی، نہ ہلدی، نہ ابٹن.....! آخر وجہ کیا ہے موحد تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو کیا؟''
''نہیں پھوپھی جانی! ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس مما کی ضد ہے کہ پھر اچھے رشتے نہیں آئیں گے۔'' زوباریہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔
''عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں کیا بھابھی کے۔''
''اللہ خیر کرے، کسے پتھر پڑ گئے ہیں۔'' ابتہاج بھی وہیں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑا سیدھی ہوکر بیٹھ گئی تھی اور جب مسئلہ بتایا تو اسے بھی جلد بازی پر حیرت ہوئی تھی۔
''آپ کہو تو ہم بات۔''
''نہیں ابتہاج! بھائی مجھے کسی خاطر میں نہیں لاتے تو وہ آپ کے ساتھ بھی تلخ کلامی کرجائیں گے اور

مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' اسے اس کا اس طرح کہنا بہت اچھا لگا تھا۔ مطلب اب اس کے دل میں نرم گوشہ نمایاں ہو رہا تھا۔

''اچھا پھر ٹھیک ہے پھوپھی جانی، میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا تب ہی باہر لان سے اندر آتی صبا پر نظر پڑی تھی شولڈر کٹ بالوں کو لہراتی وہ اندر چلی آ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ وہیں چلی آئی تھی۔

''ہائے۔'' نازک سی سفید رنگت کی یہ حسینہ اسے اچھی لگی تھی۔

''آپ کی تعریف۔'' اپنی خوب صورت آنکھیں اس نے پھیلائیں۔

''یہ میرا بھتیجا موحد اور یہ ابتہاج کی کزن ہیں صبا۔'' اس نے باری باری دونوں کا تعارف کروایا تھا۔

''اوہ! نائس ٹو میٹ یو۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے موحد نے قطعی نظر انداز کر دیا۔ یہ بے باکی اسے پسند نہیں تھی۔

''بھابھی! آپ کا بھتیجا آپ ہی کا ہم عمر لگتا ہے۔'' وہ ہاتھ نیچے کر کے ہنس دی اور زوباریہ اسے دیکھے گئی چپ سی لگ گئی تھی جیسے اسے تب ہی ابتہاج اٹھا تھا۔

''او کے موحد، آپ چلو ہم آ جائیں گے انشاء اللہ۔'' وہ چلا گیا تھا۔

''ویری نائس۔'' صبا نے اسے باہر تک جاتے دیکھا تھا۔ زوباریہ اور ابتہاج کی نظر اسی پر تھی۔

''آپ کا بھتیجا تو بہت ہی پیارا ہے بھابھی، مگر ایک بات مجھے بڑی عجیب سی لگی ہے۔'' زوباریہ کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ دوسری شادی کرنا گناہ نہیں ہوتا مگر اس کے لیے ایک بدنما داغ تھا، اس کے باپ کا دوسری شادی کرنا۔

''کیا بات۔'' اس کے بجائے ابتہاج بولا تھا۔

''کیا آپ کے والد نے دوسری شادی کی تھی۔'' اور وہ تو حیران ہی رہ گئی۔ وہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ شارپ تھی۔

''سو واٹ صبا، اس سوال کا مطلب۔'' ابتہاج نے تھوڑا سختی سے کہا تو وہ کندھے اچکا کر ہنس پڑی۔

''یس مجھے کیا، خیر چھوڑو یہ بتاؤ رات کا کیا پلان ہے۔'' اور اس کی سانس بحال ہوئی۔ ٹاپک ہی چینج ہو گیا تھا۔

''ڈنر کا پروگرام پکا ہے۔'' وہ مسکرا دیا اور زوباریہ کا یخ پڑتا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''او کے پھر میں تیاری کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ چلی گئی تو زوباریہ نے سکھ کا سانس لیا۔

''صبا بہت زیادہ شارپ نہیں ہے۔'' بڑی سہولت سے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا تھا۔

''ہم..... بہت زیادہ شارپ ہے تب ہی تو ہمارے ہاں اسے مما کے سوا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اس کا ایٹی ٹیوٹ خاص طور پر مجھے نہیں پسند۔'' اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''اپنی وے تم بھی تیاری کر لو، آئی تھنک سب ہی اپنے اپنے رومز میں تیاری ہی میں مصروف ہیں۔ چھ بجے نکل جائیں گے ہم او کے۔'' وہ سر جھکائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''ماشاء اللہ۔'' پرپل کلر کے ایمبرائڈ سوٹ میں آسمان سے اتری کوئی پری لگ رہی تھی وہ، وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ اسے وہ دن یاد آ گیا تھا جب اس نے پرپل کلر کی فراک زیب تن کی تھی اور نظریں اس پر سے

ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔

''اللہ پاک نے بڑی فرصت سے بنایا ہے تمہیں زوبی۔'' کندھوں سے پکڑ کر اس نے اسے اپنی طرف کیا۔ وہ اس دن کے بعد سے اس سے گھبرانے لگی تھی۔

''آپ تیار ہو جائیں، میں نے آپ کے کپڑے نکال دیے ہیں۔'' اور وہ اس کے گریز پر مسکرا دیا مگر ایک بھرپور جسارت کرنا نہیں بھولا تھا۔ اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''سوری جان من! تمہیں اپنے پاس دیکھ کر ضبط نہیں ہوتا ہے مجھ سے۔''

وہ اسے گھورنے لگی تھی۔ ''ساری لپ اسٹک خراب ہو گئی۔''

''پھر سے لگا لو۔'' وہ ہنستا ہوا اس کے بالوں کو چھیڑتا واش روم میں چلا گیا اور وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی تھی

ڈنر سے پہلے سب سی سائیڈ پر خوب ہلا گلا کر رہے تھے سب ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے تب ہی زوباریہ کے کندھے پر پیچھے سے کسی نے ہاتھ رکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی مڑی تھی۔

''ہیلو زوبا بھی کیسی ہیں آپ۔'' خوشنما کی روشن آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر بڑے پرجوش طریقے سے گلے لگی تھی۔ ابتہاج اس کے پاس آ گیا تھا یقیناً اس کی دوست ہو گی۔

''ہائے بھابھی، اس زوکا پنجرہ خالی ہے کیا ہم مہمانوں کے لیے۔'' جہانگیر کی خباثت بھری نظریں اور اس کی آواز پر اس کی ہنسی غائب ہو گئی تھی۔ اس نے تیزی سے ابتہاج کا بازو پکڑا تھا وہ بھی چونک سا گیا۔

''یہ میرے ہسبنڈ ہیں ابتہاج خان۔'' اپنی دھیمی آواز میں جو سختی وہ لائی تھی، ابتہاج نے بہت تیزی سے اس کا نوٹس لیا تھا۔

''اور ابتہاج یہ خوشنما ہے سکندر علی کی بہن اور میری سب سے اچھی دوست، ہم دونوں نے ساتھ ہی پڑھا ہے اور یہ ان کے ہسبنڈ ہیں مسٹر جہانگیر۔'' اس نے مصافحہ کیا تھا زوباریہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے ابتہاج کو اس کے لمس سے اس کی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ اور مزید اس کے ساتھ چپک سی گئی تھی۔

''اور کیا ہو رہا ہے آج کل بھابھی! بزنس میں ماسٹر کمپلیٹ کیا۔'' ابتہاج چونکا۔ اس نے تو بتایا ہی نہیں تھا کہ اس کی پڑھائی ابھی ادھوری تھی۔

''نہیں، آگے پڑھنے کا موڈ ہی نہیں بنا۔'' اس کے چہرے کی تروتازگی یکدم ہی غائب ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں سناٹا سا تھا۔ وہ حد درجے کوشش کر رہی تھی جہانگیر سے چھپنے کی۔ ابتہاج نے بغور اسے دیکھا تھا جس کی نظریں زوباریہ پر تھیں اور پھر اپنے پہلو میں چپکی کھڑی زوباریہ پر جس کا رنگ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ بڑی کھوجتی نظروں سے اس نے دونوں کو دیکھا تھا۔

''اچھا ہم چلتے ہیں۔ اوکے، پھر ملاقات ہو گی انشاء اللہ۔'' اس نے پھر سے ہاتھ ملایا تھا اور اس کے گال پر پیار کیا تھا۔

''فون نمبر دو بات کریں گے۔'' وہ جاتے جاتے مڑی۔ ابتہاج کے بازو پر ہاتھوں کی سختی تیز ہوئی تھی۔

''سوری خوشی، میرے پاس سیل فون نہیں ہے۔'' اور وہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے سیل فون رکھنا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ یہ بات ابتہاج بھی بخوبی جانتا تھا کئی بار اس نے ضد کی تھی کہ ایک فون رکھ لو اپنا پرسنل اور وہ انکار کر دیتی تھی۔ وہ لوگ چلے گئے مگر زوباریہ کے چہرے پر مسکراہٹ واپس نہ آئی سارا وقت وہ ڈری ڈری سی اسی سے لگی رہی تھی اور ابتہاج کو اس کا اس طرح اس کے ساتھ رہنا جہاں اچھا بھی لگ رہا تھا وہاں سوچ

کا دھارا صرف اس کے جہانگیر سے ڈر جانے پر تھا۔

☆.....☆.....☆

''بہت پیاری لگ رہی ہے میری گڑیا۔'' پنک انارکلی فراک میں وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ توقیر کے تو نصیب کھل گئے تھے۔ خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا، عام سی شکل وصورت والا یہ آدمی زوبار یہ کو تو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔

''آیئے ناں پلیز۔'' اس نے اسٹیج سے ہی ہاتھ کے اشارے سے ابتہاج کو بلایا تھا۔ کاہی گرین ساڑھی پر فل ستاروں کے کام نے اس کی سرخ وسفید رنگت کو اور نکھار دیا تھا۔ سادہ رہنے والی زوبار یہ آج لائٹ سے میک اپ میں آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔ اپنے لمبے گھنے سلکی بالوں کو ابتہاج کی فرمائش پر کھلا ہی چھوڑ دیا تھا کانوں کی گولڈ کی حسین ترین جھمکیاں بار بار اس کے گال سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ تھری پیس سوٹ پہنے اس کے برابر میں آ کھڑا ہوا تھا۔ کتنے ہی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھا یہ کپل۔ وہ حسین تھی تو وہ بھی وجاہت کے تمام ریکارڈ توڑے ہوئے تھا۔ گھنی سیاہ مونچھوں تلے عنابی ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

''پلیز یار، ایک خوب صورت سی تصویر تو لو ہماری۔'' اس نے ارسل کو اپنا سیل تھمایا تھا۔

''او کے مائی سوئیٹ برادر۔'' وہ پوز بنا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''یار پلیز تھوڑا کلوز ہو جاؤ اتنی دور دور ہو۔'' اور ابتہاج نے بے اختیار ہی اس کی نازک سی کمر میں ہاتھ ڈال کر خود سے قریب کیا تھا۔ اچانک افتادہ پر وہ اس پر گر سی گئی تھی۔ ہاتھ فوراً سینے پر رکھا تھا۔ مہندی لگے چوڑیوں سے بھرے ہاتھ بے حد حسین لگ رہے تھے۔ نظروں کا نظروں سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ اس کی حسین زلفیں بکھر کر رہ گئیں اور انہی حسین لمحوں کو ارسل نے کیمرے کی آنکھ میں قید کر لیا تھا۔

''ماشاء اللہ بہت خوب صورت لگ رہے ہیں دونوں بچے۔'' اسفند خان نے مسکرا کر دیکھا تھا۔ اپنے بیٹے کے چہرے کے یہ حسین رنگ انہیں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ یاسمین خان نے بھی نظروں ہی نظروں میں ڈھیروں بلائیں لی تھیں۔

''اسفند! مجھے تو لڑکا بالکل بھی معقول نہیں لگ رہا ہے، کیا سوچ کر اتنی پیاری بچی اس کے پلے باندھ دی۔'' پھوپھی امی دل کی بات زبان تک لے ہی آئی تھیں۔

''پتا نہیں آپا جان حیرت ہے مجھے بھی۔'' یاسمین خان نے بھی تائید کی تھی۔

''پلیز ایک سیلفی ہو جائے۔'' صبا بڑی بے تکلفی سے اس کے بازو سے لگی تھی۔ وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے پیچھے ہوا تھا۔

''جی نہیں سوری مس، مجھے پسند نہیں ہے اجنبیوں کے ساتھ پکس بنوانا۔'' بڑی نرمی سے کہتا وہ آگے بڑھا تھا تب اس نے بے باکی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''اجنبی کہاں ہینڈسم، آپ کی پھوپھی کے حوالے سے رشتہ دار ہیں ہم تو۔'' اپنی لمبی صراحی دار گردن کو تھوڑا اور اکڑایا تھا اس نے وہ دیکھ کر مسکرا دیا۔

''او کے، لیکن پھر بھی اٹس ناٹ فیئر۔'' پھر وہ اس کا ہاتھ سہولت سے ہٹاتا چلا گیا اور وہ اپنے شولڈر کٹ بال اپنی انگلیوں سے سہلاتی اس کی پشت دیکھے گئی لمبا چوڑا، سرخ وسفید گولڈن بالوں اور بڑی بڑی آنکھوں والا یہ لڑکا اسے بے حد پسند آیا تھا۔

''آپ کچھ کھائیں گی؟'' اکرم، نگار کے پاس بیٹھا تھا۔ شوخ چنچل یہ پیاری سی گڑیا اسے اچھی لگی تھی۔ اس نے اپنی ماں سے بات بھی کر لی تھی۔ اپنی پسند کا اظہار کر دیا تھا جسے امینہ خان نے دل سے قبول بھی کر لیا تھا۔

''جی میں نے کھالیا ہے کھانا تھینکس۔'' وہ مسکرادی۔

''اچھا رحمن بھائی، سنجیدہ بھابھی اب اجازت ہے۔'' رخصتی کے بعد ابتہاج کے ساتھ وہ آئی تھی۔ ان دونوں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ ابتہاج نے بڑی شدت سے یہ سب محسوس کیا تھا مگر وہ برا مانے بغیر مسکرادی تھی۔ ان دونوں کے تو پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے جیسے کوئی خزانہ پالیا ہو اپنی بیٹی کی شادی کر کے اس بے تکے آدمی کے ساتھ۔

''اچھا جی رحمن صاحب اللہ حافظ۔'' اسفند خان بھی وہیں چلے آئے تھے اور سب واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

''پھوپھو! ولیمے کی دعوت کے فوراً بعد ہی مجھے ملائیشیا کے لیے نکلنا ہے۔ آپ پلیز کل ہی میرا اور وانیہ کا بیگ پیک کروا دیجیے گا۔'' کمرے میں وانیہ کے پاس وانیہ سے باتوں میں مصروف وہ اس کی طرف گھومی تھیں۔

''ٹھیک ہے میرے بیٹے، اب تم لوگ آرام کرو، صبح ملاقات ہوگی انشاء اللہ۔'' وہ وانیہ کو پیار کر کے چلی گئیں۔

''آپ بھی جائیں، فریش ہو جائیں۔ تھک گئی ہوں گی۔'' اس نے اس حسین سی اپسرا پر ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی تھی اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ باہر آیا اور اپنی جگہ لیٹ کر سو گیا اسے اطلاع دے کر۔

''لائٹ آف کر دو پلیز، میں تھک گیا ہوں بہت۔'' اور وہ اسے دیکھے گئی۔ یہ کیا ہوا تھا اتنی چاہ سے اپنی پسند سے شادی کر کے لانے والا شخص اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ کیوں آخر؟ اور یہی سوچتے وہ نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''آہ.....'' اس کی ساڑھی کا باڈر اس کی سینڈل میں پھنسا تھا شاید کمرے میں گھستے ہی وہ گرنے کو تھی جب ابتہاج نے بڑی سہولت سے اسے تھاما تھا مگر پیر میں موچ آ گئی تھی شاید وہ اسے کندھے سے پکڑتا بیڈ تک لایا تھا اور آرام سے بٹھا دیا۔

''آہ..... ابتہاج بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے موتی گرنے لگے تھے۔

''ایک منٹ میری جان، میں دیکھ رہا ہوں ناں۔'' وہ بھی گھبرا گیا تھا اسے اس طرح روتا دیکھ کر۔

''آرام سے پلیز۔'' اس کی ساڑھی تھوڑی اونچی کر کے اس کے نازک حسین سفید پیر میں سے سینڈل اتاری تھی موچ آ گئی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا پیر تھام رکھا تھا۔

''ٹویسٹ ہو گیا ہے، تھوڑا سا برداشت کرنا پلیز۔'' اس نے بڑے پیار سے اس کی غزالی آنکھوں میں جھانکا تھا اور بس ایک لمحے میں اس نے پیر سیدھا کیا اور زوباریہ کی چیخ نکل گئی تھی اس نے سختی سے اس کے کندھے کو اپنے نازک ہاتھ سے دبوچا تھا مگر ایک لمحے کی تکلیف کے بعد سکون ملا تھا اس نے آنکھیں موند لیں تھیں ابتہاج کی رگ شرارت بھڑکی تھی اس نے اپنے دہکتے لب اس کے پیر پر رکھے تھے وہ یک دم چونک گئی

تھی آنکھیں کھولیں تو وہ شرارت سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا زوباریہ کا دل حلق میں آ گیا تھا۔ اب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کس پوزیشن میں بیٹھی تھی ساڑھی کا پلو گود میں گرا ہوا تھا لمبے گھنے سلکی بال کچھ آگے اور کچھ پیچھے جھول رہے تھے وہ اس کے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے ہونے کے چکر میں لیٹتی ہی چلی جا رہی تھی۔

''اگر مجھ سے یہ تیمارداری کروانی تھی تو کہہ دیا ہوتا ناں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ اپنی نرم نرم انگلیوں سے اس کے آگے آئے ہوئے بال پیچھے کر رہا تھا وہ گھبرا رہی تھی سانس تیز ہو گئی تھی دل زور سے دھڑک رہا تھا اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور وہ مسکرا دیا تھا دھیرے سے اس نے اس کی جھمکی اتاری تھی اور اپنے پیار کی مہر اس کے گال پر ثبت کی تھی اس نے سختی سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں چہرہ اس کے چہرے سے دائیں سائیڈ موڑ لیا تھا۔

''یقین کرو مجھے بڑی جلن ہو رہی تھی ان جھمکیوں سے، میرے حق پر بار بار ڈاکہ ڈال رہی تھیں۔'' دھیما دھیما خمار آلود لہجہ اسے دیوانہ کر رہا تھا اس نے ایک جھٹکے سے اسے سائیڈ میں دھکیلا اور اٹھ کر بھاگی تھی مگر افسوس اس کا پلو اسی کے ہاتھ میں رہ گیا وہ مسکرا کر اٹھا تھا اور پلو سے اسے گھسیٹتا پھر اپنے قریب لے آیا تھا ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ تھی اس کے شنگرفی لبوں پر موجود تل اسے شرارت پر اکسا رہا تھا اور بالآخر اس نے شرارت کر ہی ڈالی تھی وہ کچھ نہ کہہ سکی آنکھیں میچے اس کی سانسوں کی مہک اپنی سانسوں میں اتارتی رہی۔

☆.....☆.....☆

''آپ نے اپنی ضرورت کا تمام سامان رکھ لیا ہے ناں۔'' سادے سے لفظ تھے اس کے بے جان سا لہجہ تھا۔

''جی۔'' وہ سر جھکا کر بس یہی کہہ کر خاموشی سے اپنے بیگ میں سامان رکھنے لگی تھی ریڈ کلر کے خوب صورت چارجٹ کے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی مگر اس نے ایک بار بھی نگاہ غلط اس پر نہ ڈالی تھی ولیمے کی دعوت پر بھی وہ اکیلی ہی رہی اپنے گھر والوں کے ساتھ وہ نہ جانے کن کاموں میں الجھا ہوا تھا یا شاید صرف مصروف ظاہر کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا یہ کیسی خوشی ملی تھی اسے وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی اس کا رویہ اس کو اگنور کرنا وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''چلیں۔'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ اس کی طرف مڑا تھا اور پھر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا وہ بھی اس کی تقلید میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی دل میں خوف تھا ایک سہمی سی سنسنی خیز لہر اٹھی تھی جیسے اس کے ماں باپ نے اس کے فیصلے میں بہت جلد بازی سے کام لیا ہو سو سوچوں کا دھارا اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اسے تو یاد ہی نہیں تھا کہ زندگی میں وہ کبھی روئی بھی ہے یا نہیں اس کا جیون ساتھی اس سے لاتعلق کیوں برت رہا تھا ہزاروں سوال اس کا منہ چڑا رہے تھے ہزاروں وسوسے لیے وہ بس اس کے ساتھ چلتی ہی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''آپی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔'' امینہ خان، یاسمین خان ہی کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

''ہاں کہو امینہ کیا بات ہے؟'' یاسمین جو البم دیکھ رہی تھیں سائیڈ میں رکھ دی۔

''آپی مجھے اکرام کے لیے نگار بہت پسند آئی ہے آپ کا خیال ہے۔''

''ویری گڈ امینہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے مجھے تو نگار بہت ہی پسند ہے لیکن میرے دونوں بیٹوں نے ایک تو اپنی پسند کی شادی کا خیال ظاہر کیا اور دوسرا ان کا کہنا تھا کہ ہم اسے اپنی سگی بہن سمجھتے ہیں۔'' وہ مسکرا دی تھیں۔

''پھر کیا خیال ہے شام کو اسفند بھائی آ جائیں تو چلیں رشتہ لے کر۔'' وہ بہت خوش ہوئیں تھیں۔

''ہاں، ہاں ضرور امینہ! پھر یاور اسلام آباد سے آجائیں گے تو منگنی کر دیں گے۔'' انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

''منگنی نہیں آپی! میں اس کے خلاف ہوں جب بچی ہمیں پسند ہے تو پھر شادی ہی کیوں نہ کر لیں۔'' وہ ان کی بات سے بالکل متفق تھیں۔

''ٹھیک ہے، لیکن اکرام سے اس کی مرضی تو پوچھ لیتیں۔''

''وہ بھی راضی ہے آپی! اس نے ہی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔'' وہ مسکرا دیں۔

''اچھا ہوتا کہ صبا کی بھی شادی ہو جاتی، اب یاور یہیں پاکستان میں سٹل ہونے کا سوچ رہے ہیں تو پھر اسے بھی یہیں بیاہنے کا سوچنا ہے۔'' وہ بہت دھیان سے اپنی بہن کی باتیں سن رہیں تھیں۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے پھر صبا کے لیے بھی کوئی لڑکا ہے کیا نظر میں۔'' انہوں نے امینہ خان کے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔

''جی آپی! وہ زوباریہ کا بھتیجا ہے ناں موحد اس کے لیے سوچا ہے۔'' دل کی بات بڑی آسانی سے کہہ گئیں تھیں وہ۔

''ہمم..... وہ تو ماشاءاللہ بہت ہی اچھا بچہ ہے بالکل زوباریہ کا پرتو ہے لیکن اس کی امی بہت نک چڑی سی ہیں۔'' انہیں بارات والے دن کا ان کا رویہ یاد آیا گیا تھا۔

''آپ زوباریہ سے بات کیجیے گا۔'' امینہ خان نے ان کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔

''اچھا میں ابتہاج سے بات کروں گی تم فکر مت کرو۔'' ان کے تسلی بخش جواب پر وہ مطمئن ہو گئیں اور مسکرانے لگیں۔

☆.....☆.....☆

''فارحہ پلیز میرا بیگ بنا دو، مجھے رات اسلام آباد جانا ہے۔'' ارسل کچھ الجھا ہوا سا لگ رہا تھا۔

''خیریت۔'' وہ ایک دم سے چونک گئی۔

''ہاں خیریت ہے یار، یاور انکل کا فون آیا تھا ہمارا اسلام آباد والا بنگلہ کرائے دار خالی کرنے سے منع کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ بنگلہ ابتہاج خان نے دیا تھا اور ایگریمنٹ بھی پانچ سال کا ہے ابھی تو صرف چند ماہ ہی ہوئے ہیں ایسے کیسے ہم خالی کر دیں۔'' وہ گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتا اس کی طرف گھوما تھا۔

''لیکن ارسل، یاور انکل کیوں خالی کروانا چاہتے ہیں انہیں کیا ضرورت ہے۔'' اسے تشویش لاحق ہوئی۔

''ان کا کہنا ہے کہ کینیڈا سے وائنڈ اپ کرنے کے بعد وہ پاکستان میں سیٹل ہوں گے اور انہیں اسلام آباد پسند آیا ہے صاف ستھرا آلودگی سے پاک شہر۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھکن اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

''اوہ..... تو یہ بات ہے۔'' وہ مسکرانے لگی۔

''یار پلیز! ایک کپ کافی مل سکتی ہے سر میں بہت درد ہے۔'' وہ اپنی کنپٹیاں دبا رہا تھا۔

''اور بچے کہاں ہیں نظر نہیں آ رہے ہیں۔'' کافی دیر بعد کچھ خالی خالی سا لگا تھا اسے۔

''بچے زوباریہ کے پاس ہیں، ٹیوشن دے رہی ہے وہ انہیں۔'' اس نے مسکرا کر اپنے شوہر کو دیکھا تھا اور انٹر کام کی طرف بڑھ گئی تاکہ کافی کا کہہ سکے۔

☆.....☆.....☆

''آپ یہاں ہیں، میں سمجھی آپ کہیں باہر گئے ہیں۔'' بچوں کو ٹیوشن دینے کے بعد وہ مطالعہ کرنے اسٹڈی روم میں آگئی تھی ابتہاج کسی فائل میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی آواز پر اسے دیکھا اور مسکرا کر اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ۔'' وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ لائٹ اورنج کلر کے سوٹ میں اس کی سفید رنگت اجلی اجلی لگ رہی تھی۔

''ایک پروپوزل تیار کرنا ہے اور سمجھ نہیں آرہا کہ کیسے کروں۔'' مسکرا کر کہتا ہوا پھر فائل پر جھک گیا۔ زوباریہ کی رگ شرارت پھڑکی تھی۔

''اچھا کسے پروپوز کر رہے ہیں۔'' دھیمی سی سریلی آواز میں بڑی دلربا بات کہی تھی اس نے، ابتہاج نے نظر اٹھا کر اس کی غزالی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''ہے ایک حسینہ۔'' اس کی شرارت بھری بات کا شرارتی ہی جواب دیا تھا وہ ہنستی چلی گئی تھی۔ ہنستی ہوئی تو وہ اور قیامت لگتی تھی۔ اس کے سفید موتیوں کی طرح چمکتے دانت اور بھی حسین لگتے تھے۔

''میں کچھ مدد کر سکتی ہوں۔'' وہ تھوڑا آگے ہو کر بیٹھی اور فائل اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ ابتہاج کو یاد تھا کہ ابھی کچھ دن پہلے بھی اس نے ایک پرابلم بڑی آسانی سے سولو کی تھی اور وجہ یہ تھی کہ اس نے بزنس کے مضامین بھی پڑھے تھے۔

''شیور۔'' اس نے فائل اس کے آگے کھسکا دی اور لیپ ٹاپ کا رخ اس کی سائیڈ کر دیا اور خود اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پانچ ہی منٹ لگے ہوں گے اس نے ایک بہترین پروپوزل تیار کر دیا اور لیپ ٹاپ کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

''فنٹاسٹک، تم پہلے کہاں تھیں یار۔'' اسے واقعی بہت پسند آیا تھا اور اس نے بہ آسانی اپنے ایک کلائنٹ کو سینڈ بھی کر دیا تھا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ابتہاج ایک بات پوچھوں آپ سے۔'' وہ کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی بات پر نظر اٹھا کر غور سے اسے دیکھا تھا۔

''کیوں نہیں جانِ من غلام آپ کے سوال کا منتظر ہے۔'' اپنا لیپ ٹاپ اس نے بند کر دیا تھا اور ایک ہاتھ سینے پر رکھے جھکا۔ وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔'' وہ بڑی گہرائی سے اس کی براؤن کانچ سی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں.....'' اس نے بس یہی کہا تھا۔

''تو پھر اس سے شادی کیوں نہیں کی۔'' اس کی نظریں اسی پر تھیں۔

''کیا مطلب۔'' وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''مطلب یہ.....آپ اتنے خوب صورت، حسین اور ہینڈسم ہیں یقیناً جسے آپ نے چاہا ہوگا وہ بھی آپ سے کم حسین تو نہیں ہوگی ناں، پھر آپ نے اتنے سال تک شادی کیوں نہیں کی۔'' آج اتنے ماہ بعد بھی اس کے دل و زباں پر ایک ہی بات تھی۔ اس کی بھابھی نے ایسی کیل اس کے دل میں ٹھونکی تھی جو نہ نکلتی تھی اور ناں ہٹتی تھی بس دل کے ایک کونے میں چبھتی رہتی تھی۔

''ہاں یہ بات تو سچ ہے کہ وہ بہت حسین ہے، مجھ سے کہیں زیادہ حسین ہے وہ میرا جنون ہے وہ میرا عشق، میرا سب کچھ ہے وہ۔'' اور وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں اس کی محبت کے ذکر پر روشن ہوگئی تھیں، چہرہ گلال ہوگیا تھا۔ گھنی مونچھوں تلے عنابی لب مسکراہٹ سے اور حسین ہوگئے تھے۔

''تو کیا میری وجہ سے آپ نے اسے نہیں اپنایا۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا مسکراتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

''تم میری جان ہو زوبی۔'' اس نے اس کے نازک ہاتھوں کو اپنی مٹھی میں قید کرلیا تھا۔

''لیکن محبت تو نہیں ہوں ناں، آپ نے میری وجہ سے خود پر اتنا ظلم کیوں کیا ابتہاج۔'' اس کی غزالی آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا۔

''اب کیا کرسکتے ہیں، ظلم تو ہوگیا محبت کے جرم میں۔'' اس نے اپنے مہکتے لب اس کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ دل دھڑکنا جیسے رک سا گیا تھا۔ سانس تھم سی رہی تھی وہ خود کو اس وقت اس کا مجرم محسوس کررہی تھی۔ اسے یک ٹک دیکھے جارہی تھی اور وہ اپنی شرارت پر مسکرا رہا تھا۔ اسے چھیڑے جارہا تھا تب ہی نوری آئی تھی پیغام دینے۔ زوباریہ کو یاسمین نے بلایا تھا۔ وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر آنکھیں صاف کرتی چلی گئی تھی اور وہ مسکرا دیا۔

☆.....☆.....☆

''موحد! تم سے ایک بات کرنی تھی۔'' وہ اپنی پھوپھی جانی سے ملنے آیا تھا اور زوباریہ کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یاسمین خان کی فرمائش کیسے اس کے آگے رکھے۔

''جی پھوپھی جانی کیا بات ہے، آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں، سب خیر تو ہے نا۔'' چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے بڑے غور سے اسے دیکھا تھا۔

''شادی کے بارے میں تمہارا کیا پلان ہے بیٹا۔'' وہ ہنس پڑا۔

''آپ کو میں آزاد اچھا نہیں لگتا کیا؟'' اس نے اپنی پھوپھی کے نرم ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

''شادی تو بہرحال کرنی ہی ہوتی ہے ناں۔'' زوباریہ نے اس کا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ میں لیا تھا۔

''آپ نے کوئی لڑکی پسند کرلی ہے کیا میرے لیے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''ہاں، صبا کیسی لگتی ہے تمہیں۔'' اس نے ڈائریکٹ ہی پوچھ لیا۔

''صبا.....'' تھوڑی دیر کو وہ خاموش ہوگیا۔ ''برائی تو اس میں تھی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ضرورت سے زیادہ بولڈ اینڈ اوور کانفیڈنس تھی۔

''آپ کو پسند ہے میرے لیے۔'' الٹا سوال ہوا تھا۔ اب وہ کیا بتاتی کہ وہ تو نگار کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی مگر نگار کو اکرام کے لیے پسند کرلیا گیا تھا اور اگلے ماہ ان دونوں کی شادی طے ہوگئی تھی۔ صبا بھی اچھی تھی بس تھوڑی تیز اور شارپ تھی۔

''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو سوچ لو، پھر بھائی، بھابھی سے بات کرو۔'' وہ چپ ہوگیا تھا۔

''آپ پلیز مجھے تھوڑا ٹائم دے سکتی ہیں پھوپھی جانی، کیونکہ میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا نہیں ہے۔ وانیہ کے جانے کے بعد وہ گھر اور بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ صبا اچھی لڑکی ہے خوب باتونی ہے گھر میں چہل پہل رہے گی اگر وہ آجائے گی تو۔'' اس نے مسکرا کر اپنے پیارے بھتیجے کو دیکھا۔ نرم وملائم سے لہجے والا مضبوط اور جوشیلا۔ اس کی آنکھوں میں اسے اپنا ہی عکس دکھائی دیتا تھا۔

''لاؤ دکھاؤ میں ایک اور چیز دکھاؤں۔'' اس نے اس کے ہاتھ سے فون لیا اور جب آن کیا تو ان دونوں کا وہ پوز جو ارسل نے وانیہ کی شادی والے دن اچانک لیا تھا، اسکرین پر جگمگانے لگا وہ پھر سے مسکرا دی۔

''چلیں اب آپ بتائیں سوال کیا ہے؟'' اس نے فون ٹیبل پر رکھ دیا۔

''بالکل سچ بتائیں کہ آپ، آج مجھے ٹالیں گے نہیں۔'' وہ بغور اس کی غزالی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آج آپ کو ٹالنے کے موڈ میں ہوں بھی نہیں میں جان من۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا کر نظر جھکا گئی تھی۔

''آپ آج مجھے اپنی محبت کا نام بتائیں گے۔'' اپنے ہاتھوں کی یخ پڑتی انگلیاں اس نے آپس میں پھنسالی تھیں اور وہ مسکراتا ہوا صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر اسے دیکھے گیا۔

''اگر میں کہوں کہ رہنے دو تو پھر۔'' وہ اسے پھر سے چھیڑ رہا تھا اور زوباریہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی تھی بیڈ کے سائیڈ دراز سے اس نے کالی ڈائری نکال کر اس کے سامنے لہرائی تھی۔ ابتہاج کو تو پتنگے لگ گئے وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا تھا۔ زوباریہ نے جھٹ ڈائری کمر کے پیچھے کر لی۔

''یہ غلط بات ہے زوبی دو مجھے۔'' وہ آج اسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ ڈائری لینے کے لیے آگے بڑھتا اور وہ بھاگ جاتی بالآخر اس نے پکڑ ہی لیا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی پھولی پھولی سانسیں اس کے سینے سے جا لگی تھی۔ ابتہاج نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا آج کتنے دنوں بعد وہ اسے بہت زیادہ خوش دیکھ رہا تھا اور خود پر بہت دیر قابو نہ رکھ پایا تھا۔ اپنے نرم گداز عنابی لب اس کے شنگرفی لبوں پر رکھ دیئے تھے۔ اس کی ہنسی غائب ہو چکی تھی۔ آنکھیں پھٹی ہی رہ گئیں تھیں۔ اس لمحے کی اسے توقع نہیں تھی وہ تو بس اسے چھیڑ رہی تھی اور پورے کمرے میں اسے دوڑا رہی تھی ڈائری چھوٹ کر گر گئی تھی۔

''تم ہو میرا عشق زوباریہ، میری محبت اس وقت سے ہے جب تمہارا میٹرک کا رزلٹ آیا تھا۔ میرا دل پہلی بار تمہیں دیکھ کر ایک الگ انداز سے دھڑکا تھا۔'' وہ آہستہ آہستہ اپنی نرم نرم انگلیوں سے اس کے گال سہلا رہا تھا زوباریہ کے دل کی حالت ابتر تھی۔ آج اس کی بانہوں سے اس کا نکلنے کا من نہیں تھا، اپنی بھابھی کے وہ ذلت آمیز الفاظ کسی گہرے کنویں میں جا کر اپنی وقعت کھو چکے تھے۔ وہ مسکرا کر اس کے سینے میں اپنا منہ چھپا گئی تھی اور ابتہاج نے اپنے مضبوط بازو اس کے گرد حائل کر دیئے تھے کہ وہ جو آج تک خود پر پشیماں تھی آج سرخرو ہو گئی تھی اس کی محبت میں پور پور اس کی ہو جانا چاہتی تھی بنا کسی کی باتوں کو سوچے وہ دل سے اس کی ہو جانا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ اکرام اور نگار ایک دوسرے کو پا کر بہت ہی خوش تھے۔ رخصتی کے بعد انہیں اسلام آباد شفٹ ہو جانا تھا البتہ ابھی تک موحد نے جواب نہیں دیا تھا یاسمین کئی بار زوباریہ سے پوچھ چکی تھیں لیکن وہ یہی کہہ دیتی جواب ہی نہیں آیا اور پھر مایوں، مہندی کے بعد خوش اسلوبی سے شادی ہو کر وہ لوگ اسلام آباد روانہ ہو گئے تھے۔ ولیمے کے لیے سب کو ہی جانا تھا مگر ابتہاج کو ملائیشیا بزنس کے سلسلے میں ملائیشیا جانا تھا۔

''بیٹا، ایک کام کرو اس بار زوباریہ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤ، شادی کے بعد تم دونوں ایک ساتھ کہیں گئے بھی نہیں ہو۔'' اس کے بابا نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ اس سے دور رہنے کا تو وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

''لیکن بابا جان نگار کا ولیمہ ہے اس میں بھی تو جانا ضروری ہے۔'' پتا نہیں کس دل سے وہ کہہ رہا تھا۔

''ارے بیٹا رہنے دو، ہم سب ہیں ناں بس، تم دونوں اپنی تیاری کرو۔'' وہ دل سے خوش تھا۔

''او کے تھینکس ہاہا جان۔'' وہ ان کے گلے سے لگ گیا۔ وہ خود بھی جانتے تھے کہ ان کا بیٹا کیا چاہتا ہے اور پھر ارجنٹ پاسپورٹ ویزا بنوا کر دونوں ملائیشیا کے لیے روانہ بھی ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

''پلیز کچھ کھانے کے لیے اسنکیس وغیرہ بھجوائیں۔'' ہوٹل کے منیجر کو انٹر کام پر اطلاع دے کر وہ اس کی طرف بڑھا، وہ تھک گئی تھی تب ہی صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئی تھی۔

''تھک گئیں۔'' وہ بڑے پیار سے اسی کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں..... کبھی اتنا لمبا سفر کیا نہیں ہے ناں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اسی کی طرف دیکھنے لگی جو اپنی آنکھوں میں جہاں بھر کی محبت سمیٹے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہاں مجھ سے بھاگ نہیں سکتیں ہو تم اور کمرے سے باہر میرے بغیر پلیز نکلنا بھی نہیں۔'' اس نے زوبار یہ کا نرم و نازک سفید ہاتھ تھاما تھا۔

''ڈرا رہے ہیں مجھے۔'' اس نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''نہیں جان من بتا رہا ہوں۔'' اس کے ہاتھ پر اس نے شوخ شرارت کی تھی اور اس کے کندھے میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب کیا تھا اس کے کلون کی دلفریب خوشبو اس کے نتھنوں میں گھسی تھی۔

''مجھے ڈر لگتا ہے ابتہاج، آپ جلدی آ جایا کیجیے گا بس.....'' وہ ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے دیکھنے لگی۔ ابتہاج نے اس کے ماتھے پر پیار کیا تو وہ جھینپ کر نظر جھکا گئی تھی۔

''اور کتنا انتظار کرواؤ گی۔'' اس نے اسے خود میں سمویا تھا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے خوشیاں راس نہیں ہیں ابھی میں یقین تو کر لوں کہ میری دعاؤں کا مجھے بہترین ثمر ملا ہے، میرے صبر کا مجھے بہت ہی میٹھا پھل ملا ہے۔'' وہ اس کے شرٹ کے بٹن سے کھیل رہی تھی وہ مسکرا دیا۔ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ ناک ہوا۔ اسے پتہ تھا کہ ناشتے کا جو آرڈر دیا تھا وہ آیا ہوگا۔

☆.....☆.....☆

''آ..... چھ..... چھ..... چھوڑو۔'' وہ نیند میں بڑبڑا رہی تھی جب ابتہاج کی آنکھ کھلی۔ اس نے تیزی سے لائٹ آن کی تھی اسے بغور دیکھا تھا جس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔

''اماں جان۔'' وہ چیختی ہوئی اٹھی تھی ابتہاج گھبرا گیا۔

''زوبی۔'' اس کے پکارنے پر وہ اس کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا وہ اکثر ایسے ہی ڈر جایا کرتی تھی مگر پھر تھوڑی ہی دیر میں سنبھل بھی جاتی تھی۔

''بس میری جان! بس کیا ہوا ہے بتاؤ مجھے۔'' اس نے بڑے پیار سے اسے خود سے الگ کر کے چہرے صاف کیا تھا۔

''ابتہاج وہ دن کیوں نہیں نکلتا میرے ذہن سے پتہ نہیں کیا ہو جاتا اگر دادی جان۔'' اور آگے وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

''میں ہوں ناں تمہارے ساتھ کچھ نہیں ہوگا تمہیں۔''

''بس کرو تم سو جاؤ میں جاگ رہا ہوں۔'' اس نے اسے آرام سے لٹا دیا تھا چادر سینے تک تانے وہ کھوئی کھوئی سی چھت گھورنے لگی۔

کتنی ہی دیر تک وہ ایسے ہی لیٹی رہی تھی ماضی کی چند تلخ یادیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں اور کتنی ہی دیر بعد اسے یاد آیا تھا کہ اس نے تو خواب میں وانیہ کو دیکھا تھا جسے وہ کسی اجنبی کے چنگل سے چھڑا رہی تھی۔ اب اس کی فکر بڑھ گئی تھی وانیہ کی شادی کے بعد پتا نہیں وہ کس حال میں ہوگی کیا کر رہی ہوگی پھر اسے یاد آیا تھا کہ وہ بھی تو ملائیشیا ہی آئی تھی توقیر کے ساتھ نہ جانے کس گلی کس بستی میں رہتی ہوگی وہ۔ موحد کا فون بھی نہیں آیا تھا۔ وہ پھر سے پریشان ہوگئی اس کے بھائی بھاوج نے اس کی بات نہیں مانی تھی اسے جھڑک دیا تھا کتنی ہی دیر تک وہ سر تھامے بیٹھی رہی تھی۔

مجھے پھر سے اسکول کا بستہ تھما دو ناں میری ماں
زندگی کا یہ سفر مجھے بہت مشکل لگتا ہے

صبح ابتہاج کی میٹنگ تھی۔ وہ اسے تسلی دے کر چلا گیا تھا۔ ابتہاج کو واپسی میں دیر ہوگئی تھی وہ دن بھر سوچنے کے بعد اب فریش ہو کر خود کو آئینے کے سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی بھوک بھی ستا رہی تھی صبح ناشتے میں جو جوس اور ایک سلائس کھایا تھا وہی کافی تھا اس کے لیے لیکن اب بھوک بہت ستا رہی تھی وہ کمرے میں ٹہلنے لگی تھی تب ہی لاک کھلنے کی آواز پر وہ مڑی تھی۔ ابتہاج تھکا تھکا سا اندر آیا تھا وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھ گئی۔

''کیسے ہیں آپ۔'' اس کا لیپ ٹاپ اس کے ہاتھ سے لیا تھا۔

''بہت تھکا ہوا، ہوں۔'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

''بھوک لگی ہے؟'' اس نے اس کے چہرے سے اندازہ لگایا۔

''بہت زیادہ۔'' وہ مسکرا دی۔

''مجھے معلوم تھا، میں آرڈر دیتا ہوا آیا ہوں، آ رہا ہے کھانا تب تک میں ذرا فریش ہو جاؤں۔'' وہ اس کی ناک پر انگلی مارتا ہوا واش روم میں گھس گیا تھا۔ کھانا بھی آ چکا تھا۔ دونوں کھانا کھا کر ٹی وی لگا کر بیٹھ گئے تھے آج اسے ابتہاج بہت مختلف لگ رہا تھا۔ وہ بغور اسے دیکھے جا رہی تھی وہ ٹی وی دیکھ ضرور رہا تھا لیکن دماغ کہیں اور ہی تھا۔ شاید تب ہی گردن گھما کر اسے دیکھا تھا جو اسی کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ کتنی ہی دیر دونوں ایک دوسرے کو چپ چاپ دیکھتے رہے اور پھر شاید اسے احساس ہوا تھا کہ وہ پریشان ہے۔

''ابتہاج!'' کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔'' اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''کچھ نہیں میری جان، تم پریشان مت ہو۔'' وہ اسے ٹالنا چاہ رہا تھا۔

''نہیں کچھ تو ہے آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں، آپ بتائیں۔'' اتنا خاموش تو وہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو بہت شرارتیں کرتا رہتا تھا پل پل ہنستا اور ہنساتا تھا۔ آج اداس تھا تو وہ پریشان ہی تو ہوگئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے کل تھوڑا لیٹ جاؤں گا۔ میں سو جاؤ تم سارا دن لگتا ہے روتی ہی رہی ہو۔'' اس نے نرمی سے اس سے کہا۔ اور زوباریہ نے بڑے ہی استحقاق سے اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا وہ اس کا سر سہلانے لگا تھا۔ دل کی دھڑکنوں کی آواز بھی بے ترتیب تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس پریشانی کی وجہ کیا ہے۔

☆..........☆..........☆

''خبردار اگر میرے آگے تم نے کبھی زبان بھی کھولی تو، جان سے مار دوں گا میں۔'' اس نے بڑی بے دردی سے وانیہ کو دھکا دیا تھا۔

''مار دو مجھے جان سے، پل پل مارنے سے بہتر ہے ایک ہی بار جان سے مار دو۔'' وہ ہذیانی سے انداز میں

pakistanipoint

چلا رہی تھی وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا۔
''مار ہی دوں گا میں تمہیں، جس دن تم میرے کام کی نہ رہیں، اس دن موت ہی کے حوالے کروں گا تمہیں میں۔'' اس کے بال بڑی بے دردی سے اپنی مٹھی میں قید کیے تھے وہ بلک کر رہ گئی تھی۔
''تم جیسی عورتیں میری جوتی کے نیچے رہتی ہیں۔ صرف فائدہ اٹھاتا ہوں میں تم جیسی عورتوں سے اور کام ختم ہو جائے تو زندگی بھی ختم۔'' بڑی بے دردی سے اس نے اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کیا تھا اور پھر دور دھکا دیا تھا۔ وہ نرم و نازک سی بیڈ کے پاس جا کر گری تھی۔
''شام کو تیار ہو جانا، ایک پارٹی آئی ہوئی ہے اور مجھے ہر حال میں یہ کنٹریکٹ چاہیئے۔'' اس نے ایک پیکٹ اس کی طرف پھینکا تھا جس میں بڑا ہی نازیبا ڈریس تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

شادی کے ایک ماہ میں اس نے اتنی تلخی دیکھی تھی کہ ہر وقت بس اپنے اللہ سے اپنی زندگی کی آسانی کی دعا مانگتی تھی۔ اس کے ماں باپ نے بہت بڑا ظلم کیا تھا اس کے ساتھ یا شاید اس کے ماں باپ نے اس کی پھوپھی جانی سے جو نفرت کی تھی اس کا خمیازہ وہ بھگت رہی تھی۔ اس ایک ماہ کے تیس دنوں میں ہر روز اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی روح کی بھی دھجیاں اڑائی جاتی تھیں۔ توقیر نے تو کبھی اسے اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ ایک نگاہ الفت بھی ڈالتا مگر روز رات ایک نیا دکھ ایک نیا غم اس کے جسم اس کی روح کو تار تار کرنے کو حاضر رہتا تھا۔ آج بھی نہ جانے کون وحشی اس کے جسم کو خراج تحسین بخشنے آنے والا تھا۔ وہ تھک گئی تھی اپنی بے قدری پر اپنی ذلت پر بس رونا باقی رہ گیا تھا جب کہ توقیر جیسے ظالم اور جابر شخص کے پاس نرمی اور احساس کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

''گڈ مارننگ۔'' لائٹ پنک سوٹ میں اجلی نکھری نکھری سی وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔
''یار اٹھایا نہیں تم نے۔'' اس نے ایک انگڑائی لی اور اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھ بیٹھا تھا۔
''کل آپ بہت تھک گئے تھے شاید، بہت بے خبر سو رہے تھے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کی اتنی میٹھی نیند توڑ دوں۔'' وہ بڑی چاہ سے اس کے سفید سندر مکھڑے کو دیکھ رہا تھا چلتا ہوا اس کے پاس آیا، تب ہی فون بج اٹھا۔
''السلام علیکم بابا جان۔'' اسفند خان نے آج کی میٹنگ کے حوالے سے بات کرنی تھی وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا ان لمحوں میں پھر اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔
''بابا جان! آپ میری بات نہیں سمجھ رہے۔'' وہ اپنی کنپٹیاں دبانے لگا تھا۔
''بیٹا! ایک بار پھر سوچ لو بہت بڑا لاس ہو گا انکار کی صورت میں۔'' وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔
''بابا جان پیسہ انسان کی عزت نفس سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ آج کچھ پیسوں کے لیے میں اس کی کہی بات مان بھی لیتا ہوں تو ضمیر کو کیسے سمجھاؤں گا میں بابا جان۔'' وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھے تھے تب ہی تھوڑا ناراضگی سے بولے تھے۔
''پھر تمہیں اپنا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' بس یہی کہہ کر فون بند کر دیا وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی گفتگو سے لگ رہا تھا بات بہت سیریس ہے ایسے وہ کبھی پریشان نہیں ہوا تھا تب ہی وہ اس کے پاس

آ کر بیٹھ گئی تھی۔
''مجھے بتانے کی بات نہیں ہے کیا؟'' اس نے ایک لمبا سانس خارج کر کے اسے دیکھا تھا کل سے اب تک وہ بھی الجھی سی گئی تھی۔
''بتائیں، کل سے وہ کیا بات ہے جو آپ کو اتنا پریشان کر رہی ہے۔'' اس نے ابتہاج کو غور سے دیکھا۔
اس نے ایک لمبا سانس کھینچا تھا۔
''جس بزنس ٹور کے سلسلے میں، میں یہاں آیا ہوں بس اس میں کچھ مسئلہ ہو رہا ہے تم پریشان نہ ہو، ان شاء اللہ میں سنبھال لوں گا۔''
''تو پھر۔'' ابتہاج کے چہرے پر اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر مسکراہٹ در آئی تھی۔
''تو پھر یہ کہ کیا کریں، بزنس میں اچھے برے سب ہی لوگوں کو فیس کرنا پڑتا ہے ناں۔'' ابتہاج نے اس کے ماتھے پر آئے چند بال پیچھے کیے تھے۔
''ابتہاج! آپ ٹھیک تو ہیں، خبردار اگر کُرتُ گھناؤنا کام کیا آپ نے تو۔'' اس کا لہجہ آج پہلی بار اتنا سخت دیکھا تھا۔ اس کی رگ شرارت پھڑکی تھی۔
''اور اگر کر لیا تو۔'' وہ تھوڑا اس کی طرف جھکا تھا۔
''تو میں خود کو مار لوں گی۔'' اس کی غزالی سیاہ آنکھیں غصے سے اور پھیل گئیں تھیں تو شنگرفی لبوں پر سکڑنے سے وولائنیں نمودار ہوئی تھی ابتہاج نے ایک چھوٹی سی جسارت کر ڈالی تھی اس کے لبوں کا حسین تل اور حسین ہو گیا تھا نظر شرم سے جھک گئی تھی اس نے اپنے دل کے مندر میں قید کر لیا تھا یہ منظر اور اس کے بالوں کو چھیڑتا ہوا فریش ہونے چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''سر آپ پلیز روم نمبر 108 میں چلے جائیں آپ کو وہیں فائل ملے گی۔'' اس کے کولیگ نے اطلاع دی۔
''اوکے......!'' وہ آگے بڑھا۔ ابھی وہ کوریڈور میں ہی تھا کہ ایک وجود لڑکھڑاتا ہوا اس سے ٹکرا گیا۔ وہ بدحواس سا ہو گیا۔ ٹکرانے والی اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ ابتہاج نے غیر ارادی طور پر اسے سنبھالا اور اس کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ یہ تو شناسا چہرہ تھا۔ وہ اس چہرے کو کیسے بھول سکتا تھا۔ ابتہاج نے فوراً اس کے نیم عریاں جسم پر اپنا کوٹ ڈالا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس پر گر گئی۔
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں اس حال میں، کیا کر رہی ہے۔ لگتا تھا کہ وہ کسی نشے کے زیر اثر ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کے پیچھے کوئی آتا، اس نے لمحوں کو ضائع کیے بغیر وانیہ کے ہوش و خرد سے بیگانے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں بھرا اور تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆..........☆..........☆

''تم نے اسے لے جانے کیسے دیا، کہاں تھے تم۔'' توقیر اپنے اسسٹنٹ پر دھاڑ رہا تھا۔
''آئی ایم سوری سر، پتا نہیں وہ کب گئے خبر ہی نہیں ہوئی۔'' وہ شرمندہ سا تھا۔
''ڈیم اٹ۔'' اس نے ایک زوردار مکا مارا تھا دیوار پر سونے کی چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا اسے خوف کھا رہا تھا۔
''شی از اوکے؟'' ڈاکٹر سے ابتہاج نے پوچھا تھا وہ اسے لے کر اپنے منیجر کو فون کرتا سیدھا ہاسپٹل

آیا تھا۔

''یس، آپ مل سکتے ہیں۔'' وہ تیزی سے روم میں گیا تھا وانیہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

''وانیہ۔'' اس نے پکارا تھا۔ وانیہ نے آنکھیں کھولیں تو حیرت سے آنکھیں پھٹی ہی رہ گئی تھیں اس کا شناسا، اس کا اپنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ یکدم ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ ایک امید، ایک خوشی کی کرن پھوٹی تھی اس کے اندر۔

''انکل مجھے یہاں سے لے چلیں پلیز، وہ آدمی نہیں حیوان ہے، مجھے مار دے گا وہ، پلیز مجھے لے چلیں پھوپھی جانی، مما، بابا کے پاس۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے گڑگڑا رہی تھی۔ اس نے اس معصوم سی اپنی بھتیجی کو سینے سے لگا لیا تھا۔

''ایزی بیٹا، ایزی۔'' وہ اس کا سر ہلا رہا تھا۔ اس کی غصے سے کنپٹیاں پھٹ رہی تھیں اس کا بس چلتا تو وہ توقیر کو زندہ ہی گاڑ دیتا اگر وہ سامنے ہوتا تو ڈاکٹر نے اسے ڈسچارج کر دیا تھا وہ اسے اپنے فلیٹ پر لے آیا تھا زوباریہ ابتہاج کا انتظار کر رہی تھی، لاک کھلنے کی آواز پر دروازے کی سمت دیکھا تھا تو مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ ابتہاج کے پہلو میں اس کی جان سے زیادہ عزیز بھتیجی تھی۔ اس کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ چہرہ کملایا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے اس کے غم کی داستان سنا رہے تھے۔ لمحوں کے ہزارویں حصے میں وہ اس کی طرف بڑھی تھی اور وانیہ خود کو اس کے حوالے کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خود پر بیتی ایک ماہ کی ایک ایک لمحے کی داستان بتاتی گئی زوباریہ کا دل ڈوب رہا تھا۔ اپنے خواب کا مطلب آج اس کے سامنے تھا۔ اسے اپنے بھائی اور بھاوج پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ اسے چپ کروا رہی تھی اور وہ اپنے خون سے مل کر پرسکون ہوگئی تھی کہ اب اسے جہنم بھری زندگی سے چھٹکارا مل ہی جائے گا۔

☆.....☆.....☆

''سر! وہ توقیر کی مسز ہیں، اور اپنے بزنس کو بڑھانے کے لیے اور اپنے کلائنٹ کا دل خوش کرنے کے لیے وہ ان کو پیش کرتا ہے۔''

یہی بزنس ہے اس کا۔'' ابتہاج نے اپنا سر تھام لیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسا آدمی تھا جسے رحمٰن بیگ نے بغیر کسی چھان بین کے اتنی دور اپنی بیٹی کو سونپ دیا تھا۔

''تم ایک کام کرو کوئی وکیل ہائر کرو، میں وانیہ کو اس جہنم میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

''او کے سر۔'' منیجر چلا گیا تھا، اس نے تھک کر اپنی چیئر کی بیک سے سر ٹکا دیا تھا۔

''تم فکر مت کرو میری گڑیا ابتہاج کچھ نہ کچھ ضرور حل نکالیں گے اس مسئلے کا۔'' زوباریہ نے اس کا چہرہ صاف کیا اور اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔ وہ بھی مطمئن ہوگئی تھی اسے یقین تھا کہ اب اس کو اس جہنم سے آزادی مل ہی جائے گی۔

☆.....☆.....☆

''وہ ہوتا کون ہے مجھ سے وانیہ کو طلاق دلوانے والا۔'' توقیر نوٹس سائیڈ میں پھینک کر کمرے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں پھرکیاں لگ گئی تھی وہ تین دن سے تلاش میں تھا لیکن کچھ پتا نہیں چلا تھا کہ آخر ابتہاج اسے کہاں لے کر گیا ہے یہ بات تو منیجر کو بھی نہیں پتا تھی کہ آخر ابتہاج سر رکے کہاں تھے۔

''سر، مجھے نہیں معلوم ان کا کیا رشتہ ہے لیکن بہت قریبی ہی ہوگا تب ہی۔'' وہ چپ ہو گیا تھا اور توقیر غصے

سے اس کی طرف بڑھا تھا اس کا گریبان اپنی مٹھیوں میں جکڑ کر اس پر چنگھاڑا تھا۔

''پتا کرو کون سے کونے میں چھپا بیٹھا ہے وہ، جاؤ۔'' اس نے اپنے اسسٹنٹ کو دھکا دیا تھا وہ لڑکھڑا کر دور گرا تھا اور سر جھکائے چلا گیا۔ توقیر نے غصے میں کرسی کو لات ماری تھی نوٹس کو اگنور بھی نہیں کر سکتا تھا کل لازمی اسے کورٹ میں پیش ہونا ہی تھا اور پھر پہلی ہی پیشی میں فیصلہ وانیہ کے حق میں سنا دیا گیا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جائے گا اسے تو بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔ توقیر کو وہاں کے قانون کے حساب سے اپنی بیوی کو غلط استعمال کرنے کے جرم میں جیل کی ہوا کھانے کو ملی تھی۔ وانیہ اپنی پھوپھی جانی سے گلے لگ کر ان کا شکریہ ادا کرتے نہ تھک رہی تھی اور پھر ایک ہفتے کے بعد وہ لوگ واپس اپنے ملک آ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

''رحمٰن کچھ دن سے دل بہت گھبرا رہا ہے میرا، وانیہ کا کوئی تو کانٹیکٹ نمبر ہوگا ناں۔'' اپنی پیاری سی بیٹی سے بات کرنے کو بے تاب تھیں وہ۔

''نہیں ہے کوئی کانٹیکٹ، میں توقیر کی پھوپھی کے گھر بھی گیا تھا وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ رابطہ نہیں ہو رہا۔'' رحمٰن بیگ ڈھے سے گئے تھے۔

''پتہ نہیں کس حال میں ہوگی میری بچی، پتہ نہیں کیوں میں نے بغیر سوچے سمجھے اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی میں کیا۔'' وہ رو دی تھیں۔

''اللہ پاک سب اچھا کرے گا، پریشان مت ہو سنجیدہ! انشاء اللہ وہ بہت خوش ہوگی۔'' رحمٰن بیگ نے سنجیدہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی حالانکہ پریشان تو وہ خود بھی تھے۔ ایک ماہ میں ایک مرتبہ بھی توقیر نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

''انشاء اللہ۔''

دروازہ کھول کر موحد بڑی عجلت میں آیا تھا۔

''پھوپھی جان کا فون آیا ہے، انہوں نے ہمیں بلایا ہے اپنے گھر۔'' رحمٰن بیگ نے نخوت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''آج سے پہلے کبھی ہم گئے ہیں اس کے گھر کیا؟'' لہجے کی تلخی پر موحد کو غصہ آ گیا۔

''یہی نفرت ہے آپ لوگوں کی جو میری بہن کے ساتھ اتنا برا ہوا ہے۔'' آج وہ پہلی بار اتنی اونچی آواز میں بات کر رہا تھا۔

''پھوپھی جانی اگر آپ کی سگی بہن نہیں تھیں تو کم از کم یہ تو سوچتے کہ وہ آپ کے باپ کی بیٹی تھی۔ آپ پر جان چھڑکتی تھیں انہوں نے آپ کو اپنے غم سے آشنا نہیں کیا آپ لوگوں سے کبھی نفرت نہیں کی اور کیا دیا آپ نے ان کو، سوچیں کم از کم اب تو سوچیں۔'' غصہ سے اس کی کنپٹیاں جل رہی تھیں۔

''موحد! دماغ ٹھیک ہے تمہارا کیسے بات کر رہے ہو تم۔'' سنجیدہ بیگم غصے سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''دماغ تو آپ لوگ اپنا ٹھیک کر لیں مما آپ نے جلد بازی میں وانیہ کو جس دلدل میں دھکیلا تھا چلیں اور اس کا حال دیکھیں۔'' رحمٰن بیگ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ سنجیدہ بیگم بھی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' اور پھر موحد نے تمام بات سنائی تھی۔ رحمٰن بیگ ڈھے گئے تھے۔ اتنا بڑا دکھ اور دھوکا ملا تھا اور مداوا کس نے کیا اس نے جس سے انہوں نے ہمیشہ نفرت ہی کی تھی، ہمیشہ دھتکار ہی دیا۔ وہ چاہتی

تو نفرت کا بدلہ لے سکتی تھی مگر نہیں وہ تو واقعی میں اسد بیگ کی بیٹی تھی۔ محبت اور وفا کی مٹی سے گندھی ہوئی رحمٰن بیگ شرمندہ سے سر جھکا گئے تھے سنجیدہ بیگم کی تو زبان ہی تالو سے جا چپکی تھی۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا دل ڈوب رہا تھا کتنا منع کیا تھا زوباریہ نے بھی اس شادی کے لیے اور کس بری طرح جھاڑا تھا اس محبت کی گندھی لڑکی کو۔

''بہت برا کیا ہے آپ لوگوں نے بابا جانی۔'' وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبائے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''کہاں ہے وانیہ۔'' انہیں اپنی ہی آواز لگتا تھا کہ بہت دور سے آ رہی ہے۔ اپنی ساس کے وہ الفاظ ان کے کان میں گونج رہے تھے۔

''اللہ کے خوف سے ڈرا کرو سنجیدہ ایسا نہ ہو کہ جب مکافاتِ عمل کا وقت آئے تو تم برداشت ہی نہ کر سکو۔'' کتنا برا کیا تھا انہوں نے زوباریہ کے ساتھ، ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ اتنے برے گھر میں جائے کہ ہر وقت صرف دکھ ہی دکھ پائے مگر واقعی اس کی قسمت بہت اچھی تھی یا اماں جان کی دعاؤں کا اثر تھا کہ دوبارا اس کی قسمت کھلی اور وہ بھی چاند کو شرماتی ہوئی۔

''پھوپھی جانی کے گھر، اس نے یہاں آنے سے انکار کر دیا ہے۔'' وہ بھی رو پڑا تھا۔ اتنا بڑا دکھ ملا تھا وانیہ کی صورت میں۔ صحیح کہا تھا کسی نے کہ کرتے ماں باپ ہیں اور بھگتنا اولاد کو پڑتا ہے۔ کتنی ہی دیر کمرے میں سناٹا رہا تھا کوئی کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ لفظ تھے کہ ختم ہی ہو گئے تھے تب ہی رحمٰن بیگ تھکے تھکے سے بولے تھے۔

''چلو سنجیدہ وانیہ کو لینے۔'' وہ کھڑی ہو گئیں تھیں۔ بے تاب تھیں اپنی بیٹی سے ملنے کو، آنسو صاف کرتیں رحمٰن بیگ کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔ موحد نے بھی اپنے ماں باپ کی تقلید کی تھی اور تینوں تھوڑی دیر بعد ہی ''خان ولا'' کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

''بی بی جی موحد صاحب آئے ہیں۔'' زوباریہ نے دوپٹا ٹھیک کیا اور کھڑی ہو گئی۔ وانیہ بے خبر، پرسکون سو رہی تھی اس نے وانیہ کے ماتھے پر پیار کیا اور ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی سلام کر کے موحد کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''وانیہ کہاں ہے؟'' سنجیدہ بیگم کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''سو رہی ہے وہ بے خبر، پریشان مت ہوں بھابھی، وہ اب ٹھیک ہے۔'' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں تھیں زوباریہ نے آگے بڑھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا وہ اس کے گلے لگ کر اور رو دیں۔

''تمہارا یہ احسان میں عمر بھر نہیں بھولوں گی زوباریہ۔'' انہوں نے چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

''کیسا احسان بھابھی! وہ بیٹی ہے میری، میں نے کبھی اسے خود سے الگ نہیں سمجھا، بھلے آپ دونوں نے مجھے محبت کے قابل نہیں سمجھا لیکن موحد اور وانیہ کو میں نے اپنی جان سے زیادہ چاہا ہے۔'' زوباریہ نے اپنی بھابھی کے چہرے سے آنسو صاف کیے تھے اور رحمٰن بیگ جو کب سے دل میں شرمندہ ہو رہے تھے زوباریہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''مجھے معاف کر دو زوباریہ۔'' زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ لفظ ٹوٹ رہے تھے زوباریہ کا دل تڑپ گیا۔ اس نے فوراً اپنے بھائی کے ہاتھ پکڑ کر اپنے لبوں سے لگا لیے اور اتنے دنوں سے دل میں جو درد تھا آنکھوں کے ذریعے سب بہا دیا تھا۔

''نہیں بھائی جان! ایسا مت کریں، مجھے آپ لوگوں سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ بس خدارا مجھے شرمندہ مت کریں۔'' رحمٰن بیگ کی بھی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

''بہت نفرت کی ہے ہم نے تم سے اور..... تم نے تو ہمیں خرید ہی لیا۔''

''کس نے کس کو خرید لیا ہے بھئی، ہمیں بھی تو پتا چلے آخر۔'' ابتہاج کی آواز پر وہ فوراً سیدھی ہوگئی تھی اور چلتی ہوئی اس کے برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میرا کچھ کمال نہیں ہے بھائی جان! یہ سب ان کا احسان ہے بلکہ ان کی محبت ہے جس کا ثبوت انہوں نے دے دیا ہے۔'' زوباریہ نے ابتہاج کے بازو پر اپنا سفید نازک ہاتھ رکھا تھا وہ مسکرا دیا تھا۔

''کوئی احسان نہیں ہے کسی کا بھی کسی پر، یہ تو اللہ پاک کا شکر گزار ہونا چاہئے ہمیں کہ ہماری بیٹی ہمیں واپس مل گئی ہے۔'' وہ زوباریہ کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

''وانیہ کے ساتھ بہت برا ہوا ہے، لیکن یہ شکر ہے کہ بہت کچھ اور مزید برا ہونے سے بچ گیا ہے۔'' سنجیدہ بیگم کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

''میں دیکھتی ہوں وانیہ کو۔'' زوباریہ اندر بڑھی موحد بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ وانیہ اٹھ چکی تھی مگر لیٹی ہوئی تھی شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ جب زوباریہ نے اس کو پکارا تھا اور اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''وانیہ بیٹا دیکھو کون آیا ہے۔'' اس نے موحد کی طرف اشارہ کیا تھا اور وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی تھی اور موحد کے سینے سے لگ گئی۔

''بھائی..... میں نے منع کیا تھا ناں۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی موحد نے اپنی بہن کو خود میں سمو لیا۔ اس کے خود کے بھی آنسو اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''بس میری گڑیا، بس اب کچھ نہیں ہوگا۔'' موحد نے اس کا سر اونچا کر کے ماتھے پر پیار کیا تھا زوباریہ نے باری باری دونوں کو پیار کیا۔

''اللہ پاک تم دونوں کا یہ پیار ہمیشہ ایسے ہی سلامت رکھے، آمین۔'' زوباریہ کی بھی آنکھیں چھلک رہی تھیں۔

''وانیہ! بیٹا مما، بابا بھی ہیں۔'' زوباریہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے زوباریہ کی طرف دیکھا تھا روشن چمکدار آنکھیں ماند پڑ گئی تھیں، حسین چہرہ کملا گیا تھا اتنے دنوں میں جو کچھ بھی اس پر گزری تھی سب اس کے معصوم سے چہرے پر رقم تھا اور وہ آنکھوں سے ہی کہہ رہی تھی۔

''مجھے نہیں ملنا۔''

''وانیہ! ہمیں محبت کا سبق پڑھنا ہے ہمیشہ، جتنا بھی دکھ ہو، درد، تکلیف ہو ہمیں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے میری جان، ماں باپ ہمارے لیے گھنا سائے دار درخت ہوتے ہیں یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں قسمت والوں کو ان کی چھاؤں کی ٹھنڈک ملتی ہے میری جان ماں باپ کے جیسا کوئی نہیں ہوتا ہے تمہیں بہت جرأت اور طاقت کا مظاہرہ کرنا ہے بیٹا۔'' اور وہ دونوں ہی بہن بھائی اپنی پیاری سی پھوپھی جانی کی باتیں سن رہے تھے۔

''تھینکس پھوپھی جانی، اللہ پاک نے ہمیں آپ کی صورت میں بڑا ہی حسین تحفہ بخشا ہے۔'' موحد نے اپنی عزیز از جان پھوپھی کے ہاتھ چوم لیے۔ زوباریہ نے دونوں کو گلے لگا لیا۔

''چلو اب جاؤ فریش ہو جاؤ نیچے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وانیہ نے زوباریہ کو پیار سے دیکھا اور

فریش ہونے چلی گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ لوگ نیچے آ گئے تھے ڈرائنگ روم میں گھر کے سب ہی لوگ جمع تھے وانیہ پر نظر پڑتے ہی سنجیدہ بیگم بے قراری سے اس کی طرف بھاگی تھیں۔ رحمٰن بیگ بھی اپنی بیٹی کی طرف بڑے بے تاب ہو کر بڑھے تھے۔

''وانیہ میرا بچہ۔'' وہ اسے گلے لگا گئے۔

''میں نہیں چاہتی تھی شادی کرنا، زبردستی آپ لوگوں نے میرا نصیب پھوڑ دیا، میری عزت کو سر بازار تار تار کر کے رکھ دیا اس شخص نے۔'' وہ پھر سے بکھر رہی تھی، ماں باپ اسے تھامے چپ کروا رہے تھے۔

''بس میرا بیٹا بس، غلطی ہو گئی۔'' سنجیدہ بیگم رو رہی تھیں۔

''آپ نے کتنے آرام سے کہہ دیا..... میرا سوچا ہے مجھے کس قابل نہیں چھوڑا اس حیوان نے۔'' اب ابتہاج اٹھ کر آیا تھا وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ کس طرح وانیہ کی روح کی دھجیاں اڑائی گئیں تھیں۔

''بس بیٹا! ہمیں معاف کر دو ہماری وجہ سے تم نے بہت تکلیف، بہت ذلت جھیلی۔ میں اور کیا کہوں؟'' رحمٰن بیگ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ وانیہ واپس اپنے گھر چلی گئی تھی پر جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اسے بھولنا اتنا آسان نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

''ابتہاج۔'' وہ فون میں کچھ دیکھ رہا تھا اس کے پکارنے پر اس کی طرف گھوما تھا۔

''جی جان ابتہاج۔'' تھوڑا جھک کر اس نے کان میں سرگوشی کی تھی زوبار یہ کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''آئی لو یو..... ابتہاج۔'' اور یہ چند لفظ ابتہاج کے دل پر ٹھنڈی پھوار کی طرح پڑے تھے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا تھا ابتہاج نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''بس۔'' اس کی رگ شرارت پھڑکی تھی وہ اسے چھیڑ رہا تھا تب ہی اس نے نگاہیں اٹھائیں۔

''مجھے واقعی آپ سے محبت ہو گئی ہے ابتہاج۔'' وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور وہ تمام تر محبتیں اپنی آنکھوں میں سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر میں ثبوت مانگوں تو.....'' اس کا تو دل ہی حلق میں آ گیا تھا۔ ابتہاج کی مضبوط بانہوں میں وہ پرسکون تھی جھینپ کر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''اوں..... ہوں ثبوت دو جان من۔'' اس کی گرفت میں اور سختی آئی تھی۔

اور وہ جانتی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے وہ کیا ثبوت ہے جو وہ مانگ رہا تھا۔ وہ دیوار جو اتنے ماہ سے اس نے اپنے اور اس کے درمیان کھڑی کر رکھی تھی وہ آج اسے گرانی تھی وہ اب چاہتی تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی بانہوں میں قید ہو جائے۔

''میری محبت کا ثبوت تو میں نے تمہیں کئی بار دیا ہے بتاؤں کیسے۔'' اس نے نا سمجھی میں اس کی طرف دیکھا تھا پھر اس کی شرارت کو سمجھ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف جھکتا، اس نے اسے دھکا دیا اور اس کی بانہوں سے نکلتی چلی گئی اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ پھر اس کی قید میں تھی۔ ہنستے ہنستے اس نے اس کے سینے پر اپنا سر ٹکا دیا تھا۔ ابتہاج نے اس کے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اپنی مضبوط بانہوں میں سمو لیا تھا کہ کرب کے بعد زندگی کا یہ سفر سب سے حسین اور خوبصورت تھا۔

☆ختم شد☆.....

ثمر افضل

سودا

شاہ زر کوٹ پہن کر اسماء کو مسلسل آوازیں دے رہا تھا مگر وہ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ شاہ زر نے ٹائی ہاتھ میں پکڑی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا جو صبح کے نو بجا رہی تھی۔

''اسماء! میں نے کتنی آوازیں دی ہیں مگر مجال ہے جو آپ نے ایک کا بھی جواب دیا ہو۔'' اس نے کچن میں آتے ہی اسماء سے کہا جو کہ بڑے بڑے پتیلے شیلف پر رکھ رہی تھی۔

''آپ کو بتا کر تو آئی تھی۔'' اسماء نے شاہ زر کے پاس آ کر اس کے ہاتھ سے ٹائی لی اور ٹائی کی ناٹ باندھنے لگی۔ ''بابا کا آرڈر تھا کہ دیگیں چڑھا دی جائیں!'' اسماء نے پتیلوں کو دیگ سے تشبیہ دی تھی۔

''اور میرا ابھی دل کر رہا ہے کہ ملازموں کو کہہ دوں کہ اپنی بی بی کا سامان اٹھا کر کچن میں رکھ دو۔'' شاہ زر نے اسماء کے ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگائے۔

''اب کیا کیا جائے جب تک آپ اپنے ہاتھوں سے میری ٹائی نہ باندھ دیں میرا آفس جانے کا دل ہی نہیں کرتا۔''

''اور جب تک بابا میرے ہاتھوں سے یہ لنگر نہیں بنوا لیتے انہیں سکون نہیں آتا۔'' اسماء نے اپنے ہاتھ چھڑائے اور شاہ زر کا بازو پکڑ کر رخ دروازے کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ جائیں! نہیں تو لیٹ ہو جائیں گے۔ مجھے بہت کام ہے۔''

شاہ زر کو کچن سے نکال کر اسماء واپس شیلف کی طرف بڑھی اور ضروری سامان ایک جگہ اکٹھا کرنے لگی۔ صبح سے ہی وہ کھانے کی تیاری شروع کرتی تب جا کر دوپہر تک کھانا تیار ہوتا تھا۔ اس کی شادی کو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ اتنے عرصے میں وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ شاہ زر اور اس کے بابا وحید بہت کھلے دل کے مالک تھے۔ ان کے دل میں غریبوں کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا اور یہ تو ہر مہینے

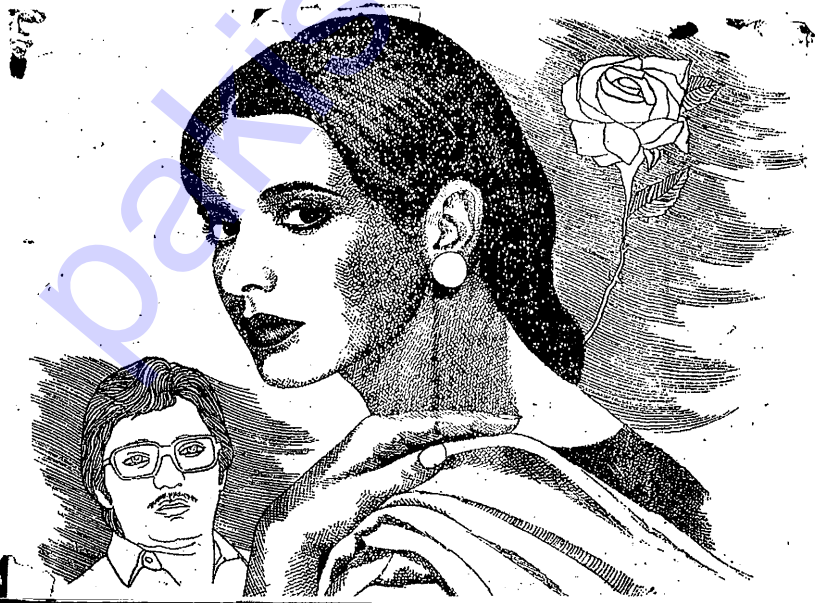

pakistanipoint

ہی ہوتا تھا کہ گھر میں بڑی مقدار میں کھانا بنایا جاتا اور سب ملازم اور ان کے بچوں کی دعوت کی جاتی۔ مہینے میں ایک دن ضرور ہوتا جس دن وہ ملازم نہیں اس گھر میں مہمان بن کر آتے تھے۔ اضافی کھانا مدرسے میں بھیج دیا جاتا۔ اسماء کے لیے یہ سب کسی مشقت سے کم نہیں تھا کیوں کہ آج کے دن سب ملازم چھٹی پر ہوتے تھے اور ویسے بھی بابا کا آرڈر تھا کہ ''کھانا تو اسما بیٹی ہی بنائے گی'' ایک دفعہ تو اس نے شاہ زر سے پوچھ ہی لیا۔

''شاہ زر! اس سب کی کیا ضرورت ہے اور جب میں نہیں تھی تو تب بھی تو یہ سب ملازم ہی بناتے تھے۔''

''جی نہیں! جب آپ نہیں تھیں تب میں اور بابا مل کر کھانا بنایا کرتے تھے اور جب ماما زندہ تھیں وہ بنایا کرتی تھیں۔ بابا کہتے ہیں اگر نیک کام کرنا ہی ہے تو اپنے ہاتھ سے کیوں نہیں؟ اگر تمھیں مشکل ہو رہی ہے تو میں اور بابا مدد کروا دیا کریں گے۔''

شاہ زر نے اسے مدد کی پیشکش بھی کی تھی مگر وہ کیسے اپنے شوہر سے مدد لیتی وہ بھی کھانا بنانے کے معاملے میں۔ شروع شروع میں اس نے سب خوشی خوشی کیا مگر اب بے زار ہونے لگی تھی۔ ڈھیر و ڈھیر کھانا بنانا اسے بہت عجیب لگتا تھا مگر وہ خاموش تھی۔ ایک چپ اس کے ہونٹوں پر تھی جسے وہ چاہ کر بھی نہیں توڑنا چاہتی تھی کیوں کہ ہر لڑکی کی طرح اس کی تربیت میں بھی سر جھکا دینا شامل تھا اور ہر فیصلے پر اس کے جھکائے گئے سر پر ہمیشہ وحید صاحب نے دست شفقت رکھا تھا جب کہ اس کے شوہر کے دل میں اس کے لیے محبت اور بڑھ گئی تھی۔ جب سے وہ بیاہ کر آئی تھی اسے اس گھر میں خوشیوں کے سوا کچھ نہیں ملا تھا اور اس کے نزدیک خوشیوں کے بدلے یہ مشقت گھاٹے کا سودا نہ تھی۔

☆.....☆

''اماں تمہارے پاس فیس نہیں ہے تو کوئی بات نہیں یہ مہینہ بھی گزر سکتا ہے۔''

ساجد کی بات پر سکینہ تو اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا بیٹا کب اتنا سمجھدار ہوا کہ اس کی مشکلوں کو سمجھنے لگ گیا اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔ گھر کے حالات نے اسے چھوٹی سی عمر میں سمجھ عطا کر دی تھی۔

''تین مہینے کی اکٹھی دے دینا مشکل تو ہو گا۔ شروع شروع میں ہیڈ ماسٹر روز بلا کے کہیں گے بعد میں بھول جائیں گے۔'' ماں کی نظریں مسلسل خود پر جمی دیکھ کر اس نے اپنی عقل کے مطابق ماں کو تسلی دی۔ سکینہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو پلو سے صاف کیا۔ وہ جانتی تھی اب ساجد نے شکایات کرنا چھوڑ دی تھیں ورنہ یہی ساجد تھا جو ایک مہینے فیس نہ دینے پر شور کیا کرتا تھا۔

''مجھے اسکول نہیں جانا، ہیڈ ماسٹر فیس نہ دینے پر سب کے سامنے مجھے مارتے ہیں۔ مجھے سارا دن کلاس کے باہر کھڑا رکھتے ہیں۔''

اور آج وہ کیسے کہہ رہا تھا کہ ایک مہینہ اور چل جائے گا۔

''میں آج تیری فیس کے لیے کسی سے پیسوں کا پوچھتی ہوں۔''

سکینہ نے اسے تسلی دی اور اسکول بھیج کر خود بیٹھی سوچنے لگی کہ کس سے پیسے ادھار مانگے۔ وہ جس گھر میں کام کرتی تھی وہاں اسے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا، وہ وہاں سے پیسے نہیں مانگنا چاہتی تھی۔

☆.....☆

رہنے دے کچھ تو میرے کاسے میں نعمتیں
تجھ کو خدا کا واسطہ میری انا نہ مانگ

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی اسٹڈی روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک دو بار اس نے آس پاس نظر بھی دوڑائی۔ ''کہیں کوئی آ ہی نہ جائے۔'' وہ دل میں یہی دعائیں مانگ رہی تھی کہ کوئی اس

طرف نہ آجائے کیوں کہ کوئی اسے یہاں دیکھ لیتا تو ضرور اس سے پوچھتا کہ تم یہاں کیا لینے آئی ہو جب کہ تمہارا یہاں کوئی کام نہیں مگر کیا کرتی وہ، آج مجبور ہو کر آئی تھی۔ یہ قدم اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ ابھی اسے یہاں آئے چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی یہ سب کیسے ہوگا مگر اس کی ساتھی ملازمہ نے اسے آج ہی بتایا تھا۔

''تو چپ کر کے جا اور پہلا دراز کھولنا جتنی ضرورت ہو خاموشی سے نکال کر لے آنا۔''

وہ آتو گئی تھی مگر کافی گھبرا رہی تھی کہ یوں کسی کو بتائے بغیر وہ کیسے لے آتی؟ مگر مجبوری بھی تھی۔ اس کے بیٹے کی اسکول کی دو ماہ کی فیس دینا تھی اور اس کی تنخواہ مہینے کے شروع میں ہی ختم ہوگئی تھی۔ بیٹے کے پیپر سر پر تھے اور اسکول والے فیس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مجبوراً اس نے خود کو یہ قدم اٹھانے پر رضامند کر لیا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ڈگمگاتے قدموں سے وہ اسٹڈی ٹیبل تک آئی اور لرزتے ہاتھوں سے اس نے پہلا دراز کھولا۔

''پہلے دراز میں سے لے آنا پیسے!'' ساتھی ملازمہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

اس نے جھٹ سے دراز واپس بند کر دیا۔ ''نہیں! میں یہ نہیں کر سکتی۔''

وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل جانا چاہتی تھی مگر اس کے قدم انکاری تھے۔ دماغ کہہ رہا تھا کہ یوں کسی کی اجازت کے بغیر پیسے نکالنا غلط ہے مگر دل کہہ رہا تھا کہ اپنی اولاد کے لیے تو اتنا سا کام نہیں کر سکتی؟

اس نے ایک لمبا سانس خارج کیا اور دوبارہ دراز کھولا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے چند نوٹ اٹھا لیے، چند نوٹ ہاں یہی قیمت تھی اس کی عزت نفس کی سو سو کے چند نوٹ اور بس! اپنی خودداری کی قیمت وہ لگا چکی تھی مگر نہیں ایک ماں کی خودداری کی قیمت اس کی ممتا ہوتی ہے وہ اپنے بیٹے کے لیے اپنی عزت نفس تو کیا اپنی جان کی قیمت بھی لگا سکتی تھی۔ وہ دراز بند کر کے مڑی ہی تھی کہ سامنے اسماء کو کھڑا پایا۔ اس کی دل کی دھڑکن رک گئی تھی۔ سانس آنا بند ہوگئی اور آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوگئی تھیں۔

اسماء خطرناک تیور لیے اسے گھور رہی تھی۔ اس کی غضب ناک آنکھیں سامنے کھڑی ملازمہ کی روح فنا کر رہی تھیں۔

''کیا کر رہی ہو یہاں؟''

''بی بی وہ!'' اس نے مٹھی زور سے بند کی۔ وہ ان پیسوں کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاتھ آگے کرو!'' اسماء نے درشت لہجے میں کہا تو سامنے والے کی روح کانپ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اسٹڈی روم سے باہر لے گئی۔ وہ ملازمہ کو دراز سے پیسے نکالتے ہوئے دیکھ چکی تھی اور روایتی بیویوں کی طرح اسے کہاں گوارہ تھا کہ اس کے شوہر کی حلال کی کمائی کوئی چوری کر لے۔

''تمہاری ایسی کون سی ضرورت تھی جو ہم نے پوری نہیں کی؟'' اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑا۔

''بی بی جی!'' سامنے سفید چادر اوڑھے ملازمہ نے التجا کی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''بس! تم جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو دوسروں کے احسان کا بدلہ یوں چکاتے ہیں کیا کچھ نہیں کرتے ہم لوگ مگر نہیں..... تم لوگوں کے پیٹ ہیں کہ بھرتے ہی نہیں!''

ہال میں باقی ملازم بھی آواز سن کر آگئے تھے۔

''بی بی جی مجھے معاف کر دیں!'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگی مگر اسماء کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''مجھے ایک بات بتاؤ، ہماری محبت کا یہی صلہ ہے۔ آج تم نے چوری کر کے یہ بتا دیا ہے کہ تم جیسے

لوگوں کے ساتھ جتنا بھی بھلا کرلو مگر تم لوگ جس تھالی میں کھاتے ہو اس میں چھید کرنے سے باز نہیں آتے۔''

وہ ہاتھ جوڑے بس روتی جارہی تھی۔ اس کے پاس اپنے دفاع کے لیے الفاظ نہیں تھے جب کہ سامنے والا اس کی عزت اپنے پاؤں تلے روند رہا تھا۔ سب ملازموں نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کررہے تھے۔

''آجانے دو بابا کو، میں بھی تو انہیں بتاؤں جن ملازموں کے لیے وہ اتنا سب کرتے ہیں وہ ان کی غیر موجودگی میں چوریاں کرتے پھر رہے ہیں۔'' اسماء غصے سے صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ ملازمہ اپنے شکستہ وجود کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی۔ آج کا دن اس کے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔

☆.....☆

ہوتی ہے اور طرح غریبوں کی چھان بین
شاہوں کے احتساب کا مطلب کچھ اور ہے

وحید شاہ اور شاہ زر ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے مگر ہال کا ماحول دیکھ کر دونوں باپ بیٹوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ملازمہ فرش پر بیٹھی رو رہی تھی جب کہ اسماء صوفے پر بیٹھی تھی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا۔ سلام کی آواز پر اسماء نے سر اٹھایا۔ ان دونوں کو دیکھ کر سب ملازم منظر سے ہٹ گئے۔ سلام کا جواب اسماء کی طرف سے دیا گیا۔ جب کہ ملازمہ شرمندگی کے مارے سر بھی نہیں اٹھا سکی۔

''بیٹی اسماء یہ نیچے کیوں بیٹھی ہیں؟'' وحید صاحب نے اسماء سے پوچھا۔

''بابا میں اسٹڈی روم میں گئی تو یہ محترمہ وہاں کھڑی دراز سے پیسے نکال کر گن رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے پیسے چھپانے کی بھی کوشش کی۔'' اس نے ساری بات بتادی۔ ''بابا آپ نہیں جانتے یہ لوگ آپ کی محبت کا غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آپ ان کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے اور یہ لوگ.....'' اسماء نے نفرت بھری نگاہ ملازمہ پر ڈالی۔

''بس! بہت بول لیا آپ نے!'' وحید صاحب کی آواز میں کچھ تو تھا جس نے اسماء کو مزید بولنے سے روک دیا تھا۔ ''میں نے آپ کی بات سن لی ہے اب انہیں بولنے دو۔'' وحید صاحب نے ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔

''جی! وہ صاحب مجھے معاف کردیں۔'' ملازمہ نے روتے ہوئے کہا۔ ''میرے بیٹے کی دو ماہ کی فیس دینی ہے اور بچے کا کل پیپر ہے اگر فیس نہ دی تو وہ بچے کو پیپر نہیں دینے دیں گے۔ میں نے نجمہ (ملازمہ) سے بات کی تو اس نے کہا کے اسٹڈی روم.....''

''بس! میں جانتا ہوں تمہیں کیا بتایا گیا ہے۔'' وحید صاحب نے تاسف سے اسماء کو دیکھا۔

''مگر بابا اس نے چوری کی ہے؟'' اسماء کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ ایسی حرکت بھی کر سکتی ہیں؟'' انہوں نے کوئی چوری نہیں کی۔ گھر میں موجود سب ملازم یہ بات بخوبی جانتے ہیں۔ کوئی بھی کسی بھی وقت اسٹڈی روم میں جاسکتا ہے اور وہاں سے اسٹڈی ٹیبل کی پہلی دراز سے بنا کسی کی اجازت کے جتنی مرضی چاہے رقم نکال سکتا ہے۔ یہ رقم ان لوگوں کے لیے ہی رکھی جاتی ہے تاکہ انہیں اپنے ہاتھ ہمارے سامنے نہ پھیلانے پڑیں۔ یہ سب میں ان لوگوں کی مدد اور اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں۔ جب کوئی کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے تو نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی بدلے کی امید کی جاتی ہے۔ رہی بات چوری کرنے کی تو جائیں دیکھیں، اسی ٹیبل کی دوسری دراز میں سونے کی گھڑی پڑی ہے اور پانچ سال سے وہیں کی وہیں ہے۔ یہ بہن یہاں اس وقت سر جھکائے کیوں بیٹھی ہیں، کیوں کہ انہیں کسی ملازم نے تفصیل نہیں بتائی اور ان

کی نظر میں آج انہوں نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر پیسے نکالے ہیں اور پکڑی گئی ہیں۔ اسماء جانتی ہیں آپ کہ انسان چوری کب کرتا ہے؟''

وحید صاحب کے پوچھنے پر اس نے سر نہیں اٹھایا بلکہ جھکے ہوئے سر کو ہی نفی میں ہلا دیا۔

''جب اس کی بے بسی حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ مفلسی انسان کو ایک ایسے اندھے کنویں میں لا پٹختی ہے جس سے صرف وہ اسی وقت نکل سکتا ہے جب وہ اپنی سب سے عزیز چیز کی قیمت لگائے اور انسان کے پاس اس کی عزت نفس سے قیمتی کیا ہوسکتا ہے! انسان اپنی عزت کی قیمت لگاتا ہے۔ یہ جو چند نوٹ انہوں نے ابھی بھی اپنی مٹھی میں پکڑ رکھے ہیں یہی ان کی عزت کی قیمت ہے، یہ چند سرخ نوٹ!'' وحید صاحب نے ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔

''اسماء! میں نے آپ کو بیٹی کہا ہی نہیں بلکہ بیٹی مانا بھی ہے۔ مجھے لگتا ہے شاہ زر نے آپ کو اسٹڈی روم کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''بابا! میرے ذہن میں یہ بات آئی ہی نہیں۔ مجھے لگا اسماء کو پتا ہوگا۔'' شاہ زر نے جلدی سے وضاحت دی۔

''میں چاہوں تو انہیں اپنے ہاتھ سے بھی دے سکتا ہوں۔'' وحید صاحب نے اسماء کے جھکے سر پر اپنائیت سے ہاتھ رکھا۔ وہ جو کب سے ضبط کیے بیٹھی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آج پہلی بار بابا نے اس سے اس طرح بات کی تھی۔

''غریبوں کی ایسے مدد کرو کہ دائیں ہاتھ سے دو اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو اور میں چاہتا ہوں کہ میرے ملازموں کو میرے آگے اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ملازم اپنا ضمیر مار مار کر میرے پاس آئیں اور اپنا خالی دامن میرے آگے پھیلائیں اور میں بڑے فخر سے ان کی مدد کا دکھاوا کروں... نہیں میں ان لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور میں نہیں چاہتا ایک بندہ دوسرے بندے کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ ہاتھ انسان کو صرف اللہ کے آگے پھیلانے چاہئیں۔ رزق تو اللہ دیتا ہے اور میں تو صرف اللہ کے عطا کردہ رزق سے ان لوگوں کو دیتا ہوں۔''

''بابا مجھے معاف کردیں۔''

''معافی مجھ سے نہیں ان سے مانگو۔'' وحید صاحب نے ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔

اسماء نے بھیگی نظروں سے اس وجود کو دیکھا جس پر کچھ دیر پہلے وہ زبان کے تیر چلا رہی تھی۔ اسماء کو دل سے شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس نے ملازمہ کے سامنے ہاتھ جوڑے ہی تھے کہ اس نے جھٹکے سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں بی بی جی! کیوں گناہ گار کر رہی ہیں۔''

''مجھے معاف کردیں آپ!'' اسماء نے اس سے معافی مانگ لی تو ملازمہ وہاں سے چلی گئی اور شاہ زر بھی اپنے کمرے میں چینج کرنے چلا گیا۔ وحید صاحب اس کے پاس آئے۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے میرے کہنے پر معافی مانگ لی۔''

''غلطی میری تھی تو معافی بھی مجھے ہی مانگنی چاہیے تھی نا۔'' اسماء نے مسکرا کر بابا کو دیکھا۔

''ایک اور بات! یہ ملازم ہمارے لیے پورا مہینہ کام کرتے ہیں۔ ایک دن ہم ان کے لیے کام کرلیں گے تو کوئی بڑی بات نہیں! آخر ہمیں بھی تو اندازہ ہونا چاہیے نا کہ چند پیسے دے کر ہم ان سے کتنی محنت کرواتے ہیں۔''

اسماء بابا کی بات کا اشارہ سمجھ گئی تھی کہ بابا اس سے ملازموں کے لیے کھانا بنانے کے لیے کیوں اصرار کرتے تھے۔ آج اسے اپنی اس غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔☆☆

تسنیم شریف

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں سب سے اچھا وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے برا وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ (ابن ماجہ)

''دودھ'' باعث غذا و شفا.....!

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولیدؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (اپنی خالہ) حضرت میمونہؓ کے گھر گئے۔ حضرت میمونہؓ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے نوش فرمایا، میں دائیں جانب تھا اور خالد بن ولیدؓ بائیں جانب۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب پینے کا حق تمہارا ہے (کہ تم دائیں جانب ہو) اگر تم اپنی خوشی سے خالد بن ولیدؓ کو ترجیح دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔'' میں نے عرض کیا۔ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش فرمودہ پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔''

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی بہت تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ مجھے کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

زرینہ جونیجو۔ لاڑکانہ

حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت

حضرت مولانا رومیؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام ایک شخص کے غلام تھے۔ وہ امیر اپنے تمام غلاموں میں لقمانؑ ہی کو بہت کمزور اور بدرو پاتا تھا۔ وہ امیر سب غلاموں کو میوہ چننے کے لیے باغ میں روانہ کیا کرتا تھا۔ حضرت لقمانؑ بھی ان سب غلاموں کے ساتھ جاتے تھے۔ سر سے پیر تک عقل مجسم مگر صورت کالی رات کی طرح سیاہ تھی۔ وہ غلام جو میوے جمع کرتے، ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے۔ ایک بار امیر کو خبر ہو گئی۔ اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا کہ لقمانؑ کھا گیا۔ امیر، لقمانؑ پر خفا ہوا اور ان پر سختی کرنے لگا۔ حضرت لقمانؑ نے عرض کی کہ اے مالک! خدا کے پاس بے ایمان بندے کی بخشش نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آزمائش کی جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور ایک جنگل میں تو سوار ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب تیرے گھوڑے کے ساتھ دوڑیں۔ اس کے بعد بھیدوں کے کھولنے

والے اللہ عزوجل کی امداد سے تو اصلی چور کو پا جائے گا۔

امیر نے گرم پانی تیار کرایا اور سب غلاموں کو خوف کے مارے پینا پڑا اور پھر ان سب کو جنگلوں اور کشت زاروں میں خوب دوڑایا۔ اس دوڑ دھوپ سے ان کا جی مالش کرنے لگا اور آخر کار سارا کھایا پیا نکل گیا اور لقمانؑ کو جو قے ہوئی بالکل صاف ہوئی اور ان کے معدے سے صرف پانی نکلا۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت یہ کچھ کر سکتی ہے تو مالک الملک اللہ عزوجل کی حکمت کھوٹے کھرے کو الگ کر دکھانے میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔

(حکایت رومیؒ۔ مولانا رومیؒ)

کالے قول

☆ اگر تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں تو کچھ نہ کہو۔

☆ خود اپنی مدد، دنیا کی بہترین اور مضبوط ترین مدد ہے۔

☆ اس قدر نہ پھیلو کہ سمٹ ہی نہ سکو۔

☆ صرف انسان ہی نہیں قدرت بھی تبدیلی کو پسند کرتی ہے۔

☆ ہم درد ساتھ ہو تو درد آدھا رہ جاتا ہے۔

☆ کرۂ ارض ایسا بدنصیب گھر ہے جس کے مکین جھگڑالو ہیں۔

☆ ڈوبتے ہوئے کو بچاتے ہوئے خود ڈوب جانا بھلائی ہے یا بے وقوفی؟

☆ موت، بس زندہ رہنا سکھاتی ہے۔

☆ پریشان انسان کے تکیے میں کانٹے ہوتے ہیں۔

☆ زندگی، خواب، خواہش اور خوف کو ہینڈل کرنے کا فن ہے۔

☆ کاروبار حیات کو کاروبار سمجھنے والے گھاٹے میں رہتے ہیں۔

☆ مسل کی طرح عقل بھی مضبوط کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لیے کتابوں کا جم جوائن کرنا ہوگا۔

☆ سوال جتنا مشکل ہوگا جواب اتنا ہی آسان ہوگا۔

☆ جوانی میں بڑھاپے کی تیاری کر لو۔

☆ دنیا میں آنے کا راستہ ایک، جانے کے بے شمار

☆ کچھ نہیں کرو گے تو کچھ نہیں ہوگا۔

☆ زیادہ سمجھ دار اور زیادہ بے وقوف میں کچھ فرق نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کسی کی نہیں سنتے۔

امیمہ ظہیر۔ کراچی

میر کی نازک مزاجی

میر تقی میر جب لکھنو چلے، تو گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے۔ دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی، یہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے، کچھ دیر کے بعد پھر اس نے بات کی۔

میر صاحب، چیں بہ جبیں ہو کر بولے۔

"صاحب قبلہ! آپ نے کرایہ دیا ہے، بے شک گاڑی میں بیٹھیے مگر باتوں سے کیا تعلق؟"

اس نے کہا۔ "حضرت کیا مضائقہ ہے، راہ کا شغل ہے، باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔"

میر بگڑ کر بولے۔ "خیر آپ کا شغل ہے، میری زبان خراب ہوتی ہے۔"

لکھنو پہنچ کر جیسا کہ مسافروں کا دستور ہے، ایک سرائے میں اترے، معلوم ہوا آج یہاں مشاعرہ ہے۔ رہ نہ سکے، اسی وقت غزل لکھی اور

مشاعرہ میں شامل ہوئے۔ ان کی وضع قدیمانہ تھی۔ کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ، اک پورا تھان کمر سے بندھا، ایک رومال پٹڑی دار تہہ کیا ہوا اس میں آویزاں، کمر میں ایک طرف تلوار، دوسری طرف کٹار، ہاتھ میں جریب۔ غرض جب داخل محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنو، نئے انداز، نئی تراشیں، بانکے ٹیڑھے جوان جمع، انہیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ میر صاحب بے چارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ اور بھی دل تنگ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ شمع ان کے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی۔ بعض اشخاص نے پوچھا۔ ''حضور کا وطن کہاں ہے؟'' میر صاحب نے فی البدیہہ کہا:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

سب کو معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی، صبح ہوتے ہوتے شہر میں مشہور ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سنا اور دو سو روپیہ مہینہ کر دیا۔

(مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' سے ماخوذ)

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ انجم۔ لاہور

پیارا پاکستان

☆ بڑی نہیں مانتی تو چھوٹی کا رشتہ دے دیں۔ پاکستان میں ایسے رشتے ہوتے ہیں۔

☆ پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں کینو صبح 120 روپے درجن اور شام کو 120 میں تین درجن ملتے ہیں۔

☆ پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں ون وے بھی دونوں طرف دیکھ کے کراس کیا جاتا ہے۔

☆ پاکستانیوں کی بڑی پیشن گوئیوں میں سے ایک ''اس نے کال کاٹ دی بس آنے والا ہوگا۔''

☆ پاکستانی وہ واحد قوم ہے جن کے قریب سے تیزی سے گاڑی گزر جائے تو کہتے ہیں ''حرام کا مال ہے''۔

☆ موبائل چالیس ہزار کا اور بیلنس زیرو۔ ایسے لوگ صرف پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔

☆ پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں لوگ لڑنے سے پہلے کہتے ہیں تو ہاتھ تو لگا اور لڑنے کے بعد کہتے ہیں تو نے ہاتھ لگایا کیسے۔

☆ پاکستان میں سب کچھ کہنے کے بعد کہتے ہیں اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔

☆ پاکستانیوں کی شادی میں سب سے اہم رسم لڑائی ہوتی ہے۔

☆ مجھے تم سے اتنی محبت ہے جتنا پاکستان پر قرض ہے۔

☆ پاکستانی قوم ٹریفک کے اشارے نہیں سمجھتی لیکن آنکھوں کے اشارے سمجھنے میں پی ایچ ڈی ہے۔

ثناء عمران۔ کراچی

غلط فہمی

کسی کو پانے کے لیے ہماری ساری خوبیاں بھی کم پڑ جاتی ہیں اور کھونے کے لیے ایک غلط فہمی ہی کافی ہوتی ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

شوخیاں

لڑکا: ''تم بدل گئی ہو۔''

لڑکی: ''اب رنگ گورا کرنے والی کریم ختم ہو گئی تو میرا کیا قصور۔''

☆

لڑکی: ''شام کو میری شادی ہے۔ اب کیوں آئے ہو میری زندگی میں؟''

لڑکا: ''ٹینٹ لگانا ہے اور کیٹرنگ کا کام بھی ہمیں ملا ہے۔ اب کیا کام دھندہ بھی چھوڑ دیں؟''

☆

شوہر اپنی ساس سے۔ ''آپ کی بیٹی میں ہزاروں خامیاں ہیں۔''

ساس: ''ہاں بیٹا..... اسی وجہ سے تو اسے اچھا شوہر نہیں ملا۔''

جویریہ قادری۔ حیدرآباد

رہائش

حضرت علی بن مغیرہؒ نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ رات دن قبرستان میں ہی رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خلف بن سالمؒ آپ کے پاس آئے اور پوچھا۔ ''آپ کہاں رہائش رکھتے ہیں؟'' اس پر آپؒ نے جواب دیا۔ ''میں وہاں پر رہتا ہوں جہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں اور جہاں پر سب برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔''

انہوں نے پوچھا۔ ''وہ کون سی جگہ ہے، جہاں آپ رہتے ہیں؟''

حضرت علی بن مغیرہؒ نے فرمایا۔ ''میں قبرستان میں رہتا ہوں۔''

حضرت خلف بن سالمؒ نے پھر پوچھا۔ ''کیا آپ کو رات کے وقت قبرستان میں تاریکی سے ڈر نہیں لگتا؟''

آپؒ نے فرمایا۔ ''جب رات ہوتی ہے تو میں اس وقت قبر کی تاریکی کو یاد کر لیتا ہوں۔ پھر مجھے رات کی تاریکی سے کوئی خوف نہیں آتا۔''

پھر انہوں نے پوچھا۔ ''قبرستان کے ہولناک مناظر کا بھی آپ کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔''

حضرت علی بن مغیرہؒ نے فرمایا۔ ''میں قیامت کے روز کا ہولناک منظر یاد کر لیتا ہوں تو پھر مجھے قبرستان کا منظر کیسے ڈرا سکتا ہے۔''

آپ کا یہ جواب سن کر حضرت خلف بن سالمؒ نے خاموشی اختیار کر لی۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

کبھی میں سوچتا ہوں!

☆ ہمیشہ خوشیوں کو ڈھونڈو کیونکہ غم بغیر ڈھونڈے مل جاتے ہیں۔

☆ عادتیں بے شک آپ کی ہوتی ہیں مگر آپ دوسروں کے لیے ہوتے ہیں۔

☆ بے موقع گفتگو انسان کو لے ڈوبتی ہے۔

☆ زندگی کا مفہوم سمجھ میں آتے آتے، ساری زندگی بیت جاتی ہے۔

☆ محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں مگر محبت پھیلانا سب کے لیے ممکن ہے۔

☆ کامیابی ایک بہت حسین تتلی ہے، جس کے پیچھے بھاگنے والے بہت سے لوگ اپنے آپ سے بھی بچھڑ جاتے ہیں۔

☆ بے انصافی کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو جانے والا ہی سچا بہادر ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

.....☆.....

صدف سعد

ردا کی ڈائری

مہوش جواد کی ڈائری سے

تابش دہلوی کا کلام

احوالِ شوق ہم سے بمشکل کہا گیا
پوچھا کسی نے حال تو بس دل کہا گیا
عہدِ وفا سے پہلے نہ تھا اس کا کوئی نام
اب جس کو چارہ گر، کبھی قاتل کہا گیا
اربابِ عشق مصلحت اندیش ہو گئے
اِک زخمِ آرزو تھا جسے دل کہا گیا
محرومیوں نے خوب پناہیں تلاش کیں
میں تھک گیا جہاں اسے منزل کہا گیا
مجھ کو سنا کے میری ہی آوازِ بازگشت
کس کس کو میرا مدمقابل کہا گیا
تابش تمام دہر کی قدریں بدل گئیں
اس دور میں تو حق کو بھی باطل کہا گیا

فرزانہ شوکت کی ڈائری سے

خوب صورت کلام

وفا کے قید خانوں میں
سزائیں کب بدلتی ہیں
بدلتا دل کا موسم ہے
ہوائیں کب بدلتی ہیں
میری ساری دعائیں
تم سے ہی منسوب ہیں ہم دم
محبت ہو اگر سچی
دعائیں کب بدلتی ہیں
کوئی پا کر نبھاتا ہے
کوئی کھو کر نبھاتا ہے
نئے انداز ہوتے ہیں
وفائیں کب بدلتی ہیں

مہرین حنا کی ڈائری سے

ساغر صدیقی کی غزل

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو
آج ہم بھی تیری وفاؤں پر
مسکرائیں تو کیا تماشا ہو
یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو
بندہ پرور! جو ہم پہ گزری ہے
ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو
ہم اگر اتفاق سے تم کو
بھول جائیں تو کیا تماشا ہو
وقت کی چند ساعتیں ساغر
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

شہلا رضا کی ڈائری سے

اختر شیرانی کی خوب صورت غزل

مرے چمن کی فضا تم کو یاد کرتی ہے
بہار اور اس کی ہوا تم کو یاد کرتی ہے
جو چھیڑتی تھی تمہاری حسین زلفوں کو
وہی شریر صبا تم کو یاد کرتی ہے

تم ایک دن جسے سمجھتی تھیں میرے غم کا غرور
وہ آنسوؤں کی حیا تم کو یاد کرتی ہے
جفائے ناز کی عادت سہی تمہیں لیکن
مری غریب وفا تم کو یاد کرتی ہے
ہے جس کی آرزو اختر کو مدتوں سے مگر
ہوئی نہیں جو خطا تم کو یاد کرتی ہے

نمرہ نعیم کی ڈائری سے

جگر مرادآبادی کی غزل

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کتنا حسیں گناہ کیے جا رہا ہوں میں
مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں
گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں
یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں!
مجھ سے ادا ہوا ہے جگر جستجو کا حق!
ہر ذرے کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

کنول صدیقی کی ڈائری سے

شکیل بدایونی کی غزل

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا کہ یہ دل نے بددعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
نئی صبح پر نظر ہے مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے
جو نقاب رخ اٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اُٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے

نادیہ ناز غوری کی ڈائری سے

چراغ حسن حسرت کا کلام

یارب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا
جو ہاتھ جگر پر ہے وہ دستِ دعا ہوتا
اِک عشق کا غم آفت اور اس پہ یہ دل آفت
یا غم نہ دیا ہوتا یا دل نہ دیا ہوتا
اُمید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا
غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

ثناء جویریہ کی ڈائری سے

محسن بھوپالی کی غزل

اپنا آپ تماشا کر کے دیکھوں گا
خود کو خود سے منہا کر کے دیکھوں گا
وہ شعلہ ہے یا چشمہ کچھ بھید کھلے
پتھر دل میں رستہ کر کے دیکھوں گا
کب بچھڑا تھا، کون گھڑی تھی یاد نہیں
لمحہ لمحہ یکجا کر کے دیکھوں گا
وعدہ کر کے لوگ بھلا کیوں دیتے ہیں
اب کے میں بھی ایسا کر کے دیکھوں گا
کتنا سچا ہے وہ میری چاہت میں
محسن خود کو رسوا کر کے دیکھوں گا

امیمہ ظہیر کی ڈائری سے

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کا کلام

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی!
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی
اِک لحظہ بہے آنسو اک لحظہ ہنسی آئی!
سیکھے ہیں نئے دل نے اندازِ شکیبائی
جلووں کے تمنائی جلووں کو ترستے ہیں
تسکین کو روئیں گے جلووں کے تمنائی

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی!
یہ بزم محبت ہے اس بزم محبت میں
دیوانے بھی شیدائی فرزانے بھی شیدائی

ثانیہ احمد کی ڈائری سے

امید فاضلی کی غزل

یادوں کی گھنی چھاؤں بھی رخصت ہوئی گھر سے
اِک اور سفر کے لیے لوٹ آؤ سفر سے
فطرت کا تقاضا ہے کہ فطرت کا ہو اظہار
خوشبو ہے تو لہرائے جو بادل ہے تو برسے
بستی کا یہ عالم کہ نظر ابر کی جانب
اور ابر کا یہ حال کہ دو بوند کو ترسے
جل اُٹھتے ہیں یادوں کی منڈیروں پر سرِ شام
جو خواب بچا لایا تھا جلتے ہوئے گھر سے
اِتنا بھی کم احوال نہ سمجھے مجھے دنیا
چھلکا ہوا اک حرف ہوں اس دیدۂ تر سے
اندر سے اصولوں کی طرح ٹوٹے ہوئے لوگ
بک جائیں تو دیکھو نہ تعجب کی نظر سے

زہرا تبسم کی ڈائری سے

مصطفیٰ زیدی کی خوب صورت غزل

کسی اور غم میں اتنی خلش نہاں نہیں ہے
غمِ دل مرے رفیقو! غمِ رائیگاں نہیں ہے
کوئی ہم نفس نہیں ہے کوئی راز داں نہیں ہے
فقط ایک دل تھا اب تک سو وہ مہرباں نہیں ہے
مری روح کی حقیقت مرے آنسوؤں سے پوچھو
مرا مجلسی تبسم، میرا ترجماں نہیں ہے
کسی آنکھ کو صدا دو، کسی زلف کو پکارو
بڑی دھوپ پڑ رہی ہے کوئی سائباں نہیں ہے
انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے

شاز یہ رضوی کی ڈائری سے

شبنم رومانی کی غزل

چپ ہوں خود اپنے باب میں جیسے
آگ برسی ہو خواب میں جیسے
آئینہ آنسوؤں سے بھیگ گیا
عکس ہو جوئے آب میں جیسے
زندگی کا سفر، عجیب سفر
کوئی چلتا ہو خواب میں جیسے
وہ نظر، وہ نظر ہے کتنی بلیغ
سادہ کاغذ جواب میں جیسے
خواہشوں کے تراشتا ہوں بدن
روحِ آزر سحاب میں جیسے
ربط کرتا ہوں زندگی میں تلاش
غلطی ہو کتاب میں جیسے

نازلی کی ڈائری سے

حبیب جالب کا کلام

اِس شہرِ خرابی میں غمِ عشق کے مارے
زندہ ہیں یہی بات بڑی بات ہے پیارے
یہ ہنستا ہوا چاند، یہ پُرنور ستارے
تابندہ و پائندہ ہیں ذروں کے سہارے
حسرت ہے کوئی غنچہ ہمیں پیار سے دیکھے
ارماں ہے کوئی پھول ہمیں دل سے پکارے
ہر صبح، مری صبح پہ روتی رہی شبنم!
ہر رات مری رات پہ ہنستے رہے تارے
کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غمِ جاناں
کب تک کوئی اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے

ندرت ناصر کی ڈائری سے

احمد فراز کی غزل

اپنی محبت کے افسانے کب تک راز بناؤ گے
رسوائی سے ڈرنے والو بات تم ہی پھیلاؤ گے

اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت
ترک محبت کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے
ہجر کے ماروں کی خوش فہمی جاگ رہے ہیں پہروں سے
جیسے یوں شب کٹ جائے گی جیسے تم آجاؤ گے
زخم تمنا کا بھر جانا گویا جان سے جانا ہے
اس کا بھلانا سہل نہیں ہے خود کو بھی یاد آؤ گے
چھوڑو عہد وفا کی باتیں کیوں جھوٹے اقرار کریں
کل میں بھی شرمندہ ہوں گا کل تم بھی پچھتاؤ گے
رہنے دو یہ پند و نصیحت ہم بھی فراز سے واقف ہیں
جس نے خود سوزخم سہے ہوں اس کو کیا سمجھاؤ گے

حمیرا اقبال کی ڈائری سے

جمیل الدین عالی کی غزل

بہت دنوں سے مجھے تیرا انتظار ہے آجا
اور اب تو خاص وہی موسم بہار ہے آجا
کہاں یہ ہوش کہ اسلوب تازہ سے تجھے لکھوں
کہ روح تیرے لیے سخت بے قرار ہے آجا
گزر چلی ہیں بہت غم کی شورشیں بھی حدوں سے
مگر ابھی تو ترا سب پہ اختیار ہے آجا
وہ تیری یاد کہ اب تک سکون قلب تپاں تھی
تری قسم ہے کہ اب وہ بھی ناگوار ہے آجا
غزل کے شکوے، غزل کے معاملات جدا ہیں
مری ہی طرح سے تو بھی وفا شعار ہے آجا
بدر رہا ہو زمانہ مگر جہانِ تمنا!
تیرے لیے تو ابد تک بھی سازگار ہے آجا

منیرہ اقبال کی ڈائری سے

پروین شاکر کا خوب صورت کلام

سبھی گناہ دھل گئے سزا ہی اور ہو گئی
مرے وجود پر تیری گواہی اور ہو گئی
رفو گرانِ شہر بھی کمال لوگ تھے مگر
ستارہ ساز ہاتھ میں قبا ہی اور ہو گئی
بہت سنبھل کے چلنے والی تھی پر اب کے بار تو
وہ گل کھلے کہ شوخی صبا ہی اور ہو گئی
یہ میرے ہاتھ کی لکیریں کھل رہی تھیں یا کہ خود
شگن کی رات خوشبوئے حنا ہی اور ہو گئی
اندھیرے میں تھے جب تلک زمانہ سازگار تھا
چراغ کیا جلا دیا ہوا ہی اور ہو گئی
نجانے دشمنوں کی کون سی بات یاد آ گئی
لبوں تک آتے آتے بدعا ہی اور ہو گئی

نازیہ کنول کی ڈائری سے

انور شعور کی غزل

وہ جب سے انکار کے بجائے مجسم اقرار ہو گئے ہیں
کچھ اور پیچیدہ ہو گئے ہیں کچھ اور دشوار ہو گئے ہیں
نہ جانے کارِ جہاں بڑھا کر وہ عہد کس دن نبھائیں آ کر
ہزار ہفتے گزر چکے ہیں ہزار اتوار ہو گئے ہیں
نہ پوچھ دنیا کی بے ثباتی کہ دیکھتے دیکھتے ہمارے
بسے بسائے نگار خانے قدیم آثار ہو گئے ہیں
میں ایک بے مایہ شخص ان کی نگاہ کا کیا جواب دیتا
یہ پانچ چھ نقش کھنچ گئے ہیں یہ چند اشعار ہو گئے ہیں
نمٹا کے دنیا سے جب تم آئے بھی اب تو خوب آئے
جب اس نگر کے محل دو محلے تمام مسمار ہو گئے ہیں
ملے نہ تھے تم تو شہر بن تھا لباس میرے لیے کفن تھا
ملے ہو جب سے مزار بھی گھر قفس بھی گلزار ہو گئے ہیں
شعور دنیا کی دسترس سے بچی نہ مصل کی ابرو تک
منافقوں کے بھی سر یہاں تو علم سردار ہو گئے ہیں

مہ جبیں تاج کی ڈائری سے

سحر انصاری کا کلام

محبت کا گماں ہونا بھی بہت ہے
کہ اب یہ لفظ بھی رسوا بہت ہے
میں انسان کو خدا کیسے سمجھ لوں
خدا کو بھی خدا کہنا بہت ہے
یہ آنکھیں اور کیا دیکھیں کسی کو
ان آنکھوں نے تجھے دیکھا بہت

تسنیم شریف

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

جواز

کہتے ہیں کہ جب کوئی اپنا بہت عزیز بہت پیارا بچھڑ جائے تو انسان اپنے جینے کا جواز، زندہ رہنے کے بے معنی سہی لیکن بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے تاکہ اگر کبھی وہ بچھڑ جانے والا مل جائے تو ان سے زندگی کا جواز نہ مانگے اور اگر مانگے تو وہ جھٹ سے کہیں کہ تیری یادیں تھیں، کچھ نشانیاں کچھ وعدے کچھ ذمہ داریاں تھیں جن کو نبھانے کے لیے جینا پڑا..... مجبوری تھی سمجھا کرو۔ جس طرح تمہیں بچھڑ جانے کی مجبوری تھی اسی طرح ہمیں زندہ رہنے کی مجبوری تھی۔ مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور مروت ہمیشہ انسان رشتوں سے نبھاتا ہے اپنے گہرے اور عزیز رشتوں سے اور رشتے نبھانا آسان بھی نہیں ہوتا۔

نبیلہ عزیز کے ناول ''ایسا اہلِ دل ہو'' سے اقتباس

مریم خانم۔ لاہور

مائیں

ہم تینوں کی مائیں غریب تھیں۔ ہماری ماؤں نے شفقت کی چادر میں ہمارے افلاس کو پناہ دی۔ ماں بچوں کا پیٹ بھرنے کی امید پر خود سب سے آخر میں کھانا کھاتی تھی۔ اپنے منہ کا نوالہ بچوں کو کھلانا، ہمارے لیے کتابی محاورہ نہیں، ہماری ماؤں نے ہمیں اسی طور پر پالا تھا۔ 1985ء میں درویش نے عید الفطر ملکوال میں منائی۔ چاندرات کو قصبے کے چھوٹے سے بازار میں ایک برقع پوش ماں کو دیکھا جو اپنے بیٹے کے لیے پلاسٹک کی جوتی خرید رہی تھی۔ پانچ یا شاید چھ روپے کی اس بے وقعت جوتی کو پہنتے ہوئے اس بچے کی آنکھوں میں جو خوشی اتری وہ خوشی اس ملک کے سب بچوں کے لیے مانگنا جرم نہیں۔ تب ہمارے ملک کی کل آبادی نو کروڑ تھی۔ آج اس ملک میں نو کروڑ بچے ہیں۔ ان میں سے ڈھائی کروڑ کو اسکول کا دروازہ میسر نہیں ہے۔ ہماری ماؤں نے پانچ روپے کے بستے اور دس پیسے کی ماہانہ فیس والے اسکول میں پڑھا کر ہمیں ایک امانت سونپی تھی۔ جمہوریت اس لیے نہیں مانگتے کہ فلاں چودھری، فلاں سردار اور فلاں وڈیرا ایم این اے بن جائے گا۔ جمہوریت اس لیے مانگتے ہیں کہ ہمارے بچے چائے خانوں اور پنکچر لگانے کی دکانوں پر غربت بیچنے کے بجائے کتاب اور قلم سے کھیلنا سیکھ سکیں۔ جنوری 2014ء میں بھائی اصغر ندیم سید کو گولی لگی تو ایک سرکشیدہ بیٹے کو ماں نے گوجرانوالہ سے اپنا خیال رکھنے کا پیغام بھیجا۔ مائیں بیٹوں کے لیے ایک مسلسل دعا کا نام ہیں۔ بیٹے نے کہا: ''اماں میں کچھ غلط نہیں کر رہا۔'' ہم پر ایک ایسی لڑائی تھوپ دی گئی کہ ہتھیار ڈالنے گنجائش نہیں۔ ہم ہتھیار ڈال بھی دیں تو تحفظ کی

ضمانت نہیں۔ ہم نے ستر ہزار جانیں دے کر وہ لڑائی جیت لی۔ وہ لڑائی ایک بڑی جنگ کا حصہ تھی۔ بچوں کے لیے کتاب جوانوں کے لیے روزگار اور بزرگوں کے لیے احترام کی جنگ ہماری غریب ماؤں کی امانت ہے۔ اس جنگ کی میعاد متعین نہیں ہوتی۔ سانس میں توسیع نہیں مانگی جاتی۔ ماؤں کے نام پر لڑی جانے والی جنگ میں ہتھیار نہیں ڈالے جاتے۔

از وجاہت مسعود

محمد فیصل گدی۔ کراچی

اس ماہ کا فلسفہ

ہمیں خلوص و محبت کی تلاش اس لیے رہتی ہے کہ اس کی ہماری دنیا میں بہت کمی ہے اور اگر یہ بھی وافر مقدار میں ہو جائے تو اس کی بھی ہمارے دل اور زندگی میں کوئی اہمیت رہے اور نہ وقعت رہے۔

مہر و وفا کو اپنوں میں نہ ہرگز تلاش کر
یہ بات کس خلوص سے بیگانہ کہہ گیا

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کے نمک پارے

☆ اس کی یاد میں جام اٹھا لیا اور پھر بریڈ پر لگا کر فٹافٹ کھا لیا۔ دکھ اپنی جگہ بھوک اپنی جگہ۔

☆ اگر چاند کو پتا چل جائے کہ کیسی کیسی شکلوں کو میرے چاند، میرے چاند کہہ کر پکارا جاتا ہے تو چاند ہم پر ہی آ گرے۔

☆ میرے ہر مسئلے کا ایک ہی حل ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

☆ حالات کچھ ایسے ہیں کہ کرکٹ ٹیم کا استقبال ٹماٹروں سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔

☆ پیسہ آنے جانے والی چیز ہے۔ محبت بھی ساتھ چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ ساتھ رہتا ہے تو بس چائے پراٹھا۔

☆ سبز چائے صرف اس وقت آپ کا وزن کم کرتی ہے جب اسے کاشت کرنے کے لیے آپ خود پہاڑوں پر چڑھ جائیں۔

☆ اچھی بیوی وہ جو اچھی طرح ستائے۔ بری بیوی وہ جو بری طرح ستائے۔

☆ جو لوگ سردیوں میں نہیں نہاتے ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ یہ ہی وہ معصوم لوگ ہیں جو آنے والے وقت کے لیے پانی بچاتے ہیں۔

☆ سردی ہو یا گرمی، کچھ لوگ بار بار، مستقل لگاتار اور مسلسل زہر ہی لگتے ہیں۔

ثناء جویریہ۔ کراچی

اس ماہ میں

بھائیوں کی اقسام!

بھائیوں کی تعریف کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ بھائیوں کی کافی قسمیں آپ اپنے اردگرد دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وافر مقدار میں بازاروں اور گلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ اقسام پیش خدمت ہیں تاکہ بہنیں جان سکیں کہ ان کے خوف صورت..... میرا مطلب کہ خوب صورت بھائی کس قسم کے ہیں۔

مددگار بھائی: یہ بھائی کافی تعداد میں گلیوں کی نکڑوں پر نظر آتے ہیں۔ کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ اوہو! کوئی بات نہیں ابھی دروازہ کھولیں۔ شاید آپ کو تین چار بھائی نظر آجائیں جن کے دانت باہر نظر آرہے ہوں گے جیسے کسی ٹوتھ پیسٹ کی تشہیر کر رہے ہوں۔ آپ اس قسم کو فضول نہ سمجھیں۔ یہ بہت کارآمد ہیں۔ ہم نے انہیں یونہی مددگار نہیں کہا۔ یہ تو گلیوں میں کھڑے ہی اس لیے ہوتے ہیں تاکہ مشکل وقت میں جب کوئی آپ کی

مدد کرنے والا [illegible] آپ کی مدد کریں۔ یہ اپنے گھر کا کوئی کام [illegible] کریں، آپ کا حکم دل و جان سے بجا لائیں گے۔ اسی لیے تو لڑکیوں کو اپنے بھائیوں کے علاوہ سب کے بھائی اچھے لگتے ہیں۔ کیا کریں اپنوں کو تو اصلیت کا پتا ہوتا ہے نا۔

معصوم بھائی: یہ قسم انتہائی نایاب ہے۔ میرے خیال میں پورے پاکستان میں ایک دو فیصد ہوں گے۔ اس قسم کے پیچھے ماں کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ معصوم بھائی لڑکیوں کو تو درکنار لڑکوں کو بھی نہیں دیکھتے۔ ایسے بھائی پانا ہر بہن کا خواب ہوتا ہے۔ میری پیاری بہنو! ضروری نہیں کہ آپ کا ہر خواب پورا ہو۔ ہم نے بھی ایسے بھائیوں کے بارے میں صرف سنا ہے، دیکھا آج تک نہیں۔ مہربانی فرما کر اگر آپ میں سے کوئی ایسے کسی بھی بھائی کو جانتا ہو تو ہمیں ضرور مطلع کرے۔ ہم اس پر ٹکٹ لگائیں گے۔ ایک تو یہ کہ لوگ دیکھ لیں اور دوسرے اس سے اچھے پیسے بھی کمائے جا سکتے ہیں۔

ماڈرن بھائی: یہ قسم خاص جگہوں پر نظر آتی ہے۔ مثلاً شادیوں، سینما گھروں، نمائشوں، بازاروں اور گرلز کالج کے باہر۔ جہاں آپ ان کا معائنہ کر سکتی ہیں۔ لڑکیوں کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ اپنے سر میں چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ کمبخت جوئیں بھی تو موقع نہیں دیکھتیں۔ اب وہ لڑکی کو دیکھیں یا سر میں کھجلی کریں۔ ماڈرن بھائی سب کچھ بھول سکتے ہیں لیکن چشمہ لگانا نہیں بھولتے۔ ارے بابا اس کے پیچھے بھی ایک راز ہے۔ ویسے تو میں اپنے بھائیوں کی باتیں کسی کو بتاتا نہیں، لیکن قارئین کی معلومات میں اضافے کے لیے بتا دیتا ہوں کہ یہ محض اس لیے کہ لڑکیوں کو پتا نہ چلے وہ ان میں سے کس کو گھور رہے ہیں۔ بھائیوں کی یہ صرف چند اقسام تھیں۔ امید ہے کہ ہمارے پیارے بھائی اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ شکریہ یا واہ واہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب آپ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے ہوئے اچھے تو نہیں لگتے نا...... ورنہ لوگ آپ پر ”اپنے منہ میاں مٹھو“ والا محاورہ چست کر دیں گے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

زندگی کا اصل راز

نماز کے دوران غیر اختیاری وسوسے آنے کی وجہ سے مایوسی یا پریشانی کا شکار ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ دراصل انسان کا دل ایک سپر ہائی وے کی مانند ہے اس پر شاہی سواریاں بھی گزرتی ہیں، امیر کبیر بھی چلتے ہیں۔ غریب اور فقیر بھی گزرتے ہیں۔ خوب صورتوں اور بدشکلوں کی بھی یہی گزرگاہ ہے۔ نیکوکاروں، پارساؤں اور دین داروں کے علاوہ کافروں، مشرکوں، مجرموں اور گناہ گاروں کے لیے بھی یہی شاہراہ عام ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اس شاہراہ پر جو ٹریفک خود بخود آئے اسے خاموشی سے گزر جانے دیا جائے اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے بند کرنے یا اس کا رخ موڑنے کی کوشش کی گئی تو دل کی سڑک پر پہیہ جام ہو جانے کا شدید خطرہ ہے۔ اس راستے کا ٹریفک سگنل صرف سبز بتی پر مشتمل ہے، اس میں سرخ بتی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز کے علاوہ یا نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی زندگی کا اصل راز یہی ہے۔

(قدرت اللہ شہاب)

عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کی حقیقت

اگر عورت کو رونے کے لیے کاندھا میسر نہ ہو تو

وہ مضبوط ہو جاتی ہے محتاج نہیں رہتی۔ ایک بار اسے دلاسہ نہ دو تو اگلی بار کبھی آپ کے سامنے بکھرا ہوا وجود لے کر نہیں آئے گی۔ ایک بار وہ بات سنانا چاہے گی اور تم کہو کہ پھر کسی وقت بتانا میں ابھی مصروف ہوں تو کبھی نہیں بتائے گی۔ جب اسے میری ضرورت تھی تب میں مصروف ہوتا تھا جب وہ سنانا چاہتی تھی تو میں بے توجہی دکھاتا تھا اس نے کہنا چھوڑ دیا وہ مضبوط ہوگئی۔ اسے اکیلا رہنا آ گیا تھا۔

ملک جواد نواز۔ ڈی آئی خان

اس ماہ کے ادبی چٹکلے

جواب

ایک مشاعرہ میں فراق کے بعد سامعین کی طرف سے ایک نوجوان شاعر زبیر رضوی سے کلام سنانے کی فرمائش کی گئی۔

مشاعرے کے سیکریٹری نے زبیر کو مائیک پر بلایا تو وہ نہایت نیاز مندی سے جھجکتے ہوئے کہنے لگا:

''قبلہ! فراق صاحب کے بعد میں کیوں کر شعر پڑھ سکتا ہوں؟''

فراق نے یہ سن کر فرمایا:

''واہ میاں! تم اگر میرے بعد پیدا ہو سکتے ہو تو میرے بعد شعر کیوں نہیں پڑھ سکتے؟''

کنور کی دو آنکھیں

نینی تال کلب میں مشاعرہ ہو رہا تھا اور نظامت کر رہے تھے جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر۔ مشاعرے کے اختتام پر جب بشیر بدر اور وسیم بریلوی پڑھنے کے لیے باقی رہ گئے تو انہوں نے اپنی محبت کا اظہار کیا:

''یہ دونوں میری آنکھیں ہیں۔ میں کس کو پہلے بلاؤں اور کس کو بعد میں۔''

بشیر بدر خود ہی اٹھ کر مائیک کے پاس آ گئے اور بولے:

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ عالی جناب کنور صاحب اب ایک آنکھ سے محروم ہو رہے ہیں۔''

گنجا سر اور شیطان کی دھولیں

ایک دن سید انشا، نواب آصف الدولہ صاحب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے اتار کر رکھ دی تھی۔ منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب صاحب کی طبیعت میں چہل آئی، ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول ماری۔ انشاء نے جلدی سے ٹوپی پہن لی اور کہنے لگے۔ ''سبحان اللہ بچپن میں بزرگوں سے سنا کرتے تھے، وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھاتے ہیں تو شیطان دھولیں مارتا ہے۔''

جویریہ بانو۔ لاہور

اس ماہ کی غزل

کل اک ادیب و شاعر و ناقد ملے ہمیں
کہنے لگے کہ آؤ ذرا بحث ہی کریں
کرنے لگے یہ بحث کہ اک ہندو پاک میں
وہ کون ہیں کہ شاعر اعظم کہیں جسے
میں نے کہا ''جگر'' تو کہا ڈیڈ ہو چکے
میں نے کہا ''جوش'' کہا قدر کھو چکے
میں نے کہا ''ساحر'' و ''مجروح'' و ''جاں نثار''
بولے کہ شاعروں میں نہ کیجیے انہیں شمار

شاعر: دلاور فگار
پسند: عثمان سعد

.....☆.....

نورین ملک

ذرا ایسے کہنا

اندھیری رات

چاند اندھیری راتوں کا
نیند سے جاگا صدیوں کا
جھانک رہا ہے دریچوں سے
خواب کی روشن کرنوں سے
بند ہیں میرے کمرے کے دریچے
سوچ رہی ہوں اٹھ کر باہر جاؤں
یا سناٹوں میں
میں بھی ایک روشن ستارہ بن جاؤں
ہاتھ پکڑ کے چاند کا
بادل بادل بن کر پھیل جاؤں
سونی اندھیری راتوں میں
نیند سے جاگی آنکھوں میں

صالحہ محمود

دعائیں

کیا دعاؤں کا فیض ہے مجھ پر
اپنی منزل کو پالیا میں نے
آج ماں نے مجھے دعائیں دیں
آج سب کچھ کما لیا میں نے

راؤ تہذیب حسین تہذیب

نظم

بہت مصروف ہو جاناں
مرے میسج پڑھے تم نے

نظر انداز کر ڈالے

مری سب شاعری تم نے پڑھی ہنس کے بھلا دی نا؟
مری چاہت بھری وہ نظم
تمسخر میں اڑا دی نا؟
کبھی چاہت میں کہتے ہو بلا کی شاعرہ ہو تم
کبھی کہتے ہو تم جیسی کہاں کوئی اپسرا ہو گی
کبھی تم دوست کہتے ہو
کبھی تم جان کہتے ہو
کبھی تم اس تعلق کا بہت ہے مان، کہتے ہو
بتاؤ تو اصل میں تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟
میں سچ میں اپسرا ہوں کیا؟
کئی کا مان بھی ہوں میں؟
محبت، دوستی، چاہت کے
لائق ہوں نا ئیں جاناں؟
چلو یہ بھی نہ بتلاؤ
بس اتنا ہی بتا دو نا!
سنا دو نا!
میں تم کو اچھی لگتی ہوں؟
میں تم کو سچی لگتی ہوں؟
فقط اتنا ہی بتلا دو
تم اپنی زندگی میں کمی میری محسوس کرتے ہو؟
بتاؤ نا؟

سباس گل

غزل

بچپن کے ہیں خواب سہانے، تتلی، پھول اور میں
کہاں سے لائیں اب وہ زمانے تتلی، پھول اور میں
دردرتوں کی خوشبو سانجھی ایک ہی جیسا روگ
ڈھونڈ رہے ہیں ساتھ پرانے، تتلی، پھول اور میں
نفرت سے ہے نفرت ہم کو پریت ہماری ریت
پیار کے ہیں انمول خزانے تتلی، پھول اور میں
جیون راہ میں کون کہاں پر بچھڑے کیا معلوم
مل لیتے ہیں کسی بہانے تتلی، پھول اور میں
چاند، ستارے، خوشبو، امتیاز شبنم اور صبا
قدرت کے شاہکار فسانے تتلی، پھول اور میں

ایس امتیاز احمد

سیلف پنشمنٹ

دیکھو پھر سے آ گئی ہے
یخ بستہ شام دسمبر کی
اب روز وہ اداس لڑکی
دھند کو خود میں اتارے گی
ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کو
اپنے آپ میں سمالے گی
یاد کر کے کچھ پرانی باتیں
ماتھے کی تپش بڑھالے گی
رات ہوتے ہی اپنے آنسو
چپکے سے وہ بہالے گی
بے سبب سی الجھن کا
کس کس کو سبب بتائے گی؟
نیند کو ملتوی کر کے وہ
رتجگے کو گلے لگائے گی

سیدہ عروج فاطمہ

موسم

کوئی موسم تو ایسا ہو
کہ
دل کے زخم بھر جائیں
اگر ایسا نہیں ہوتا
تو پھر کتنا ہی اچھا ہو
کہ
ساری خواہشیں دل کی
وہ سارے خواب اور ارمان
یونہی گھٹ گھٹ کے مر جائیں
مجھے آزاد کر جائیں

ملک جواد نواز

نظم

اے دل یہ بجا ہے کہ تیرا حق ہے میرے اوپر
بے روزگاری میں مگر مانگ نہ مجھ سے حقوق
اجالا ہوتے ہی ڈھل جاتے ہیں
اندھے اجالے
کوئی آتا نہیں دیکھنے
پھر اگتے ہوئے چھالے
تجھ کو تو فقط تقاضائے محبت کی پڑی ہے
روزگار کی مگر اس سے مصیبت ہی بڑی ہے
غم روزگار کا اک بار تو ٹل جانے دے
تیری ہر جائز تمنا کو میں پورا کروں گا
گر تو نے مجھے پھر ان کی طرف مائل کیا
اور خیالات میں گر تو نے کوئی پتھر پھینکا
تجھ کو بھی میں صندوق میں رکھ چھوڑوں گا
اک زمانے سے پڑی ہیں جہاں اسناد میری

محمد اسلم ملک

.....☆.....

صالحہ محمود

سند یس

افشاں علی ـــــــ حیدر آباد

محبتوں کی چاشنی اور دعاؤں کی مٹھاس لیے ردا کے تمام قارئین ہر دل عزیز اور محترم صالحہ محمود اپیا سمیت پڑھنے والی تمام بصارتوں کو ''افشاں علی'' کا پر خلوص سلام قبول ہو۔ اتنی طویل غیر حاضری کے لیے معذرت! زندگی کے جھمیلوں اور بکھیڑوں کو سمیٹتے سمیٹتے زندگی تو رواں دواں ہے ہی مگر ردا کا ساتھ ہر پل، ہر ماہ ہمارے ہمراہ ہی رہا ہے بالکل کسی سکھی ساتھی کی طرح۔ یہ ہی تو محبت واپنائیت ہے جو صالحہ اپیا کی دن رات کی محنت ومحبت بطور انعام ہمیں ملتی ہے۔ یہ صالحہ اپیا کا محبت وخلوص ہی ہے جو میرا نام میرے کام کے ساتھ ردا کا حصہ بنتا ہے۔ ردا سے جڑی میری ہر تحریر باعث فخر ہے جیسے کہ گزشتہ ماہ جنوری میں ختم ہونے والا میرا مکمل ناول ''جزیرہ دل میں عشق نزول'' اسے پڑھنے اور سراہنے والی تمام قارئین بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ!

کبھی کبھی مجھے حیرت سے دیکھتا ہے قلم
پہنچ سکے کسی صورت میری صدا تجھ تک

اور بالآخر میری صدا آپ سب کے دلوں تک پہنچ ہی گئی اور آپ سب نے اسے سراہا کر میرے قلم کا حق ادا کر دیا۔ پیاری شازیہ جمیل، پیاری سکینہ عروج، پیاری کوثر اور پیاری امیمہ ظہیر آپ سب کی مبارکباد مجھ تک بہ آسانی پہنچ گئی۔ میری تحریر کو پسندیدگی کی سند دینے پر بہت شکریہ۔ اس کے علاوہ کچھ پیاری بہنوں نے جن میں دعا فاطمہ، زہرا اکبر، اور صائمہ کنول کے نام شامل ہیں انہوں نے مزید لکھنے کی فرمائش کی ہے تو انشاء اللہ آپ سب کی پسندیدگی اور صالحہ اپیا کے تعاون کے ساتھ میں جلد ہی اپنی تحریر بھیجوں گی۔ آپ سب کی محبتوں کا بہت شکریہ! پیاری سی بہن تحسین کوثر میں تہہ دل سے آپ کی محبت کی مشکور ہوں کہ آپ کو میرا ناول مدتوں یاد رہے گا اور مجھے آپ کی محبت مدتوں یاد رہے گی۔ المختصر میرے اس خوب صورت ناول پر صالحہ اپیا کے تعاون اور آپ سب بہنوں کے خوب صورت سندیسوں نے جان ڈال دی۔ اب بات ہو جائے فروری کے شمارے کی۔ فروری کی مناسبت سے سرورق بہت خوب صورت لگا۔ گوشہ آگہی میں صالحہ اپیا کی باتیں ہمارے تو دل میں اتر گئیں، اب بس اللہ ان حکمرانوں کے دلوں میں بھی اتار دے۔ عائشہ ذوالفقار کو بیٹے کی بہت بہت مبارکباد اور ساتھ ہی شازیہ مصطفیٰ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں، سلسلے وار دونوں ناول تو بہت ہی عمدہ جا رہے ہیں مگر اس کے ساتھ مکمل ناول بھی بہت اچھے تھے۔ اگلی اقساط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ افسانے بھی اس بار سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے ''دل ہی تو ہے'' گو کہ اس عنوان سے دو افسانے شامل رہے مگر دونوں ہی افسانے ایک دوسرے سے مختلف۔ ''انیتا اختر'' کے افسانے کے لیے اتنا ہی کہوں گی کہ اپنے تو اپنے ہی ہوتے ہیں۔ ''شہلا گل صالح'' تو

لکھتی ہی اچھا ہیں ''وہ تیرے نصیب کی بارش'' مہرین کنول نے بھی اچھا لکھا۔ واقعی یہ نصیبوں کی بارش ہی ہوتی ہے نصیب کا لکھا انسان کو کبھی بھی کہیں بھی مل ہی جاتا ہے۔ ''امبرین ناز'' کا نام بھی نیا نہیں انہوں نے بھی اپنا افسانہ بخوبی لکھا۔ ''نظیر فاطمہ'' نے بالکل ٹھیک کہا، ہیرا نام رکھ دینے سے کوئی ہیرا نہیں ہو جاتا اصل پہچان صورت سے نہیں بلکہ سیرت سے ہی ہوتی ہے۔ اب بات ہو جائے ان دو افسانوں کی جنہوں نے اس ماہ دل کو چھو لیا اور ردا کی جان رہے تسنیم شریف کا ''یہ تیری دنیا'' اور زرقا بھٹی کا ''وہ ایک تھپکی جو گراں گزرتی ہے'' دونوں ہی افسانے ٹاپ آف دا لسٹ رہے۔ ''تسنیم شریف'' کے افسانے کا ایک ایک لفظ گویا دل پر اترتا ہوا محسوس ہوا۔ بہت عمدہ افسانہ۔ ''زرقا بھٹی'' نیا نام مگر بہت بہترین سبق آموز افسانہ، واقعی ایک پیار کی تھپکی انسان کے حوصلے بلند کرتے ہوئے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، الغرض اس ماہ میں شامل سبھی تحریریں بہت اچھی تھیں، باقی سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ سندیسے میں پیاری بہنوں ثناء کنول اللہ دتہ، گیتی آراء، صبا عبدالغنی، فریدہ فرید، عانیہ نیازی اور فرزانہ شوکت کی کمی محسوس ہوئی۔ آپ سب بھی جلد حاضری دیں۔ اب اجازت چاہوں گی انشاء اللہ پھر حاضری ہوگی ایک نئے ناول وسندیسے کے ساتھ ردا میں اور آپ سب کے دلوں میں، مجھے اپنی دعاؤں میں اور میرے نام کو اپنے ذہن و دل میں یاد رکھیے گا۔ شکریہ!

سیدہ عروج فاطمہ ـــــ ملتان

السلام علیکم، امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اس بار ملتان میں بس برف باری نہیں ہوئی سردی نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔ شکر ہے اب موسم نے انگڑائی لے لی ہے۔ رداڈائجسٹ کا فروری کا شمارہ جونہی ملا سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا۔ عائشہ کو بیٹے کی پیدائش کی ڈھیروں مبارکباد۔ شازیہ کی صحت یابی کے لیے دعائیں۔ صالحہ آپی میں آپ کی بات سے متفق ہوں کہ ضرورت مندوں کی مالی مدد ضرور کرنی چاہیے۔ میٹھے بولوں میں تو واقعی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ناامید دلوں کو تسلی ملتی ہے۔ عائشہ ذوالفقار کے ناول ''تیری محبتوں میں رہنا ہے'' کے بارے میں کیا کہوں۔ عائشہ رلا دیا آپ نے۔ پہلی قسط بہترین ہے۔ ڈاکٹر زخرف کا یہ کہنا کہ میں نے آج تک صرف آپ کی تعریفیں سنی ہیں صرف تعریفیں.....اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ اتنی مضبوط اور قابل لڑکی میری خاطر اپنا آپ گنوا دے اور پھر ڈاکٹر ماریہ کے یہ الفاظ تو پھر آپ اس ذہین اور قابل لڑکی کے درد کی دوا کیوں نہیں بن جاتے۔ (بہت بہت بہت بہت داد عائشہ) اب آتے ہیں افسانوں کی جانب، پہلی باری انیتا اختر کے افسانے ''دل ہی تو ہے'' کی (اچھا تھا یہ افسانہ) دوسرا افسانہ ہماری بہت اچھی مصنفہ شہلا گل سحر صالح کا تھا ''دل ہی تو ہے'' کزنز کی یہ کہانی شروع سے آخر تک خوشگوار تھی۔ شہلا آپی آپ مجھے تبصروں میں یاد رکھتی ہیں اور میرے لکھنے کے انداز کو سراہا اس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ قارئین آپ سب کا بھی بے حد شکریہ کہ سب احباب نے میرے افسانے ''دکھ کا دریا ہوں میں'' کی تعریف کی۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بتانی تھی کہ ردا میں شائع ہونے والی شاعری میری ذاتی شاعری ہوتی ہے۔ شکریہ تحسین کو ثر آپ کو میری نظم پسند آئی۔ افسانہ وہ تیرے نصیب کی بارشیں ٹھیک تھا اسے مزید دلچسپ بنایا جاسکتا تھا۔ وہ افسانہ جس نے میرا دل جیت لیا وہ تھا ''یہ تیری دنیا'' مصنفہ تسنیم شریف نے

[illegible] بوریت کا احساس [illegible] کے باوجود ذہن تازہ دم ہو [illegible] دل بے خبر پرانے موضوع پر لکھا گیا [illegible] سے گزارش ہے کہ انداز تحریر میں ذرا [illegible] لا ئیں اور نئے موضوعات پر لکھیں۔ افسانہ ہیرا سنجیدہ موضوع پر لکھا گیا ہے لیکن ہیرا کا کردار کچھ زیادہ ہی مزاحیہ بنادیا گیا تھا۔ مصنفہ فرح خرم کو قسط وار ناول ''تیری دوستی سے پہلے'' لکھنے پر دلی مبارک باد ہاں مگر یہ ضرور کہنا چاہوں گی اس میں رومینس پر کچھ زیادہ ہی لکھ دیا گیا ہے۔ سعدیہ جواد کی نظم پسند آئی۔ ردا کی ڈائری میں مختلف شاعروں کی شاعری پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ سندیسے کی محفل میں اس بار خوب رونق لگی تھی۔ اب مجھے دیں اجازت زندگی رہی تو پھر حاضری لگواؤں گی۔

امیمہ ظہیر ـــــــ کراچی

صالحہ اپیا اور ردا کے تمام اسٹاف کو سلام۔ آپ کی بہت عرصے سے خاموش قاری ہوں مگر پچھلے ماہ اس خاموشی کو توڑ کر ایک مختصر خط لکھا تھا۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرے خط کو جگہ دی، اسی لیے دوبارہ حاضر خدمت ہوں۔ ڈیئر اپیا اس دفعہ کا ٹائٹل بہت خوب صورت تھا۔ خوب صورت پس منظر نے ماڈل کی دل کشی میں خوب اضافہ کیا۔ گوشہ آگہی میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔ ردائے جنت بے حد خوب صورت اور ایمان افروز سلسلہ ہے۔ اب بات ہوجائے سلسلہ وار کہانیوں کی۔ ''بانہوں کے حصار میں'' اپنے اختتام کی جانب گامزن لگ رہی ہے، امید ہے آخر میں سب اچھا ہوگا۔ ''میں مسیحا'' ایقان علی کی کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اس دفعہ عائشہ کی ''دل ہے آوارہ'' موجود نہیں تھی۔ مگر مکمل ناول ''تیری محبتوں میں رہنا ہے'' نے محفل لوٹ لی۔ بہت عمدہ کہانی ہے۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ فرح خرم نے بھی اچھا لکھا۔ اپیا یہ مکمل ناول تو آپ ایسے منتخب کیا کریں جو واقعی مکمل ہوں اور ایک ہی نشست میں پڑھے جائیں۔ یہ اگلی قسط کا انتظار تو کوفت میں مبتلا کردیتا ہے۔ ''دل ہی تو ہے'' میں انیتا اختر نے حقیقت پر مبنی افسانہ لکھا۔ ماں باپ کے سوا باقی تمام رشتے بس دکھاوے کے ہی ہوتے ہیں۔ ''یہ تیری دنیا'' اور ''وہ ایک تھپکی'' بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں۔ اس مہینے کا سب سے بہترین افسانہ میری نظر میں شہلا گل سحر کا تھا۔ اسے پڑھ کر ابتدا سے اختتام تک خوش گوار احساسات میں گھرے رہے۔ ''دل بے خبر'' میں ہادی کو سزا ضرور ملنی چاہیے تھی۔ خوشبو میں نادیہ ناز غوری اور خالدہ سمیع کا انتخاب اچھا تھا۔ اس دفعہ ردا کی ڈائری میں سب بہت عمدہ کلام شامل تھا۔ اتنی بہترین غزلیں تھیں کہ سب کی سب میری ڈائری کا حصہ بن گئیں۔ اس ماہ میں محمد فیصل گدی کا انتخاب لاجواب تھا۔ دعا طاہر نے بھی اچھی معلومات شیئر کیں۔ ثناء عمران ہمیشہ بہترین نگارشات بھیجتی ہیں چاہے وہ تیکھی باتیں ہوں یا لطیفے، ان کا انتخاب ہمیشہ لاجواب ہوتا ہے۔ ذرا پھر سے کہنا میں سیدہ عروج فاطمہ کی نظم ٹاپ پر رہی۔ سندیسے : بڑا بارونق تھا۔ عروج فاطمہ کا خط دیکھ کر فرزانہ شوکت کی یاد آگئی۔ کیوں کہ دونوں ہی کی شاعری شائع ہوتی ہے تو عروج کا خط دیکھ کر فرزانہ کی کمی محسوس ہوئی۔ اب فرزانہ شوکت آپ کو لازماً اگلے ماہ سندیسے کی محفل میں شامل ہونا ہے۔ میری اس ریکویسٹ پر ضرور لبیک کہیں۔ سب دوستوں نے بہت اچھے سندیسے لکھے۔ اشعار میں ماہ جبیں تاج، فہد حسن، شاہین اختر اور نادیہ ناز غوری کے اشعار بہت پسند آئے۔ میرے

pakistanipoint

اقتباسات پسند کرنے پر تمام دوستوں کا تہہ دل سے شکریہ اور آپ کا بھی شکریہ کہ آپ اپنے میگزین میں ہمیں اتنی محبت سے جگہ دیتی ہیں۔ انشاء اللہ فرصت ملی تو اگلے ماہ بھی سندیسے کی محفل میں شامل ہوں گی تب تک کے لیے خدا حافظ۔

ثنا جویریہ ـــــ کراچی

ردا کا بہار دکھاتا ٹائٹل دل میں اپنی جگہ بنا گیا۔ سب سے پہلے قمروش کو پڑھا۔ کہانی اختتام کی جانب جارہی ہے۔ میرا خیال ہے اربش سالار کو معاف کر دے گی کیوں کے عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایقان علی کو پڑھا۔ عماد کی موت نے بہت اداس کیا۔ انتہائی دل گداز قسط لکھی اس دفعہ ایقان علی نے۔ ''دل ہے آوارہ'' کو نہ پا کر موڈ خراب ہو گیا۔ پلیز آپی قسط وار کہانی ڈراپ نہ کیا کریں۔ رائٹرز سے بھی گزارش ہے کہ ہم ہر مہینے قسط کا انتظار کرتے ہیں اور جب وہ شائع نہ ہو تو دل بہت خراب ہوتا ہے تو پلیز آپ لوگ پہلے سے ہی ایڈوانس میں چار پانچ قسطیں لکھ لیا کریں۔ ''تیری محبتوں میں'' عائشہ کے مکمل ناول کی اٹھان بہت خوب ہے۔ پڑھ کر دل میں ٹھاہ کر کے لگا۔ کمال کی روانی تھی تحریر میں۔ ''تیری دوستی سے پہلے'' بے حد رومانٹک اسٹوری۔ سنجیدہ بیگم اور رحمٰن صاحب نے تو خراب رویے کی حد ہی کر دی۔ وہ دونوں شاید مکافات عمل بھول گئے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا کیا ان کی اولاد ضرور بھگتے گی۔ اس دفعہ ناولٹ غائب تھا مگر افسانوں نے ناولٹ کی کمی پوری کر دی۔ انیتا اختر نے بہت اچھا لکھا۔ سب سے اچھا افسانہ شہلا گل کا لگا۔ شروع سے ہی انجام کا اندازہ تھا مگر پھر بھی اچھا لگا۔ ''یہ تیری دنیا'' بہت کم لفظوں میں بہت اچھا پیغام دیا۔ زرقا بھٹی غالباً نیا نام ہے، ان کے افسانے نے بھی دل میں جگہ بنائی۔ امبرین ناز اب کسی نئے موضوع کے ساتھ دوبارہ آئیں۔ اس دفعہ ردا کی ڈائری میں سب کا انتخاب ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ خوشبو اور اس ماہ میں ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھے۔ سندیسے میں ان دوستوں کی بے حد کمی محسوس ہوئی جن کی نگارشات خوشبو اور اس ماہ میں شامل ہوتی ہیں۔ پلیز فرزانہ شوکت ایس امتیاز، عروج فاطمہ، عانیہ نیازی آپ لوگ ضرور شامل ہوں۔ اس دفعہ شہلا گل کا خط بھی شامل تھا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ آخر میں آپی آپ کے اور سب اسٹاف کے لیے بہت دعائیں۔

زرمینہ گل ـــــ کوئٹہ

اس دفعہ کا ٹائٹل دیکھا تو رہا نہ گیا اور ہم نے ایک بار پھر قلم اٹھا لیا۔ اس دفعہ ردا بہت جلدی مل گیا تو دو دن میں ہی سارا پڑھ لیا اور اب تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ گوشہ آگہی میں آپ نے بہت اچھی بات لکھی کہ اگر مالی مدد نہ کر سکیں تو کم از کم محبت اور توجہ سے کسی کا غم تو بانٹ سکتے ہیں۔ ردائے جنت ہمیشہ کی طرح لاجواب رہا۔ بانہوں کے حصار میں تو بازغہ کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔ علی شاہ کے صبر کو آفرین ہے۔ ہمیں یقین ہے بے چارے کو صبر کا میٹھا پھل ضرور ملے گا۔ میں مسیحا، ایقان علی یہ کیا کیا آپ نے، عماد اور سونیا کو مار ڈالا۔ شاید اب ساجدہ بیگم کو ساری دولت تو مل جائے مگر جوان کی اصل دولت تھی وہ اس سے محروم ہو گئیں۔ ایسی عورتوں کے ہاتھ پچھتاوے ہی آتے ہیں۔ عائشہ ذوالفقار کا تو نام ہی کافی ہے۔ سب سے پہلے تو عائشہ کو بیٹے کی بہت بہت مبارکباد۔ اللہ اس بچے کو صحت و سلامتی کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور والدین کے لیے نیک اور فرمانبردار بنائے۔ آمین! اللہ تعالیٰ ہماری پیاری شازیہ کو بھی جلد از جلد صحت نصیب فرمائے آمین! اس دفعہ تمام افسانے اچھے تھے مہرین کنول اور نظیر فاطمہ کے افسانے اچھے لگے۔ شہلا گل اور انیتا اختر کے افسانے ٹاپ پر رہے۔ زرقا بھٹی کا افسانہ

سبق آموز تھا امبرین ناز نے بہت حساس موضوع پر لکھا ہادی نے ایک انتہائی معمولی بات پر ثنا کو اتنی بھیانک سزا دی۔ ہادی ہرگز معافی کے لائق نہیں تھا۔ ایسے آدمیوں کو تو سو کوڑے لگانے چاہئیں۔ خوشبو میں محمد فیصل گدی کا اقتباس پسند آیا۔ عائشہ مری نے بھی بہت اچھا لطیفہ بھیجا۔ عائشہ ہمارے لیے نیا افسانہ لے کر کب آرہی ہیں؟ اور سندیسے کی محفل کو بھی رونق بخشیں۔ ثنا عمران کی تیکھی باتیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ''اس ماہ میں'' سارے کا سارا بیسٹ تھا۔ ڈائری میں محسن نقوی، فیض احمد فیض اور قتیل شفائی کے کلام نے چار چاند لگا دیے۔ امیمہ ظہیر کی دعا بھی دل میں اتر گئی۔ سندیسے میں سب کے تبصرے پسند آئے۔ کچن میں سوپ کے ساتھ ساتھ انڈوں کی تراکیب بھی موجود تھیں۔ سنگھار میں بھی اس دفعہ ٹوٹکے موجود تھے۔ امید ہے سب کو میرا تفصیلی تبصرہ پسند آئے گا۔

عظیم بانو مختار۔ سمندری

سب سے پہلے تو عائشہ کو بیٹے کی بہت بہت مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ بچے اور اس کے والدین پر ہمیشہ مہربان رہے آمین۔ شازیہ مصطفیٰ کے لیے بھی دعا ہے کہ جلد از جلد صحت یاب ہوں آمین۔ فروری کا ٹائٹل دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ ماریہ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ ردائے جنت پڑھ کر دل کو یک گونہ سکون ملا اور دینی معلومات میں اضافہ ہوا۔ سب سے پہلے ایقان علی کو پڑھا۔ کہانی بہت زبردست ہے۔ عماد اور سونیا کی موت کا تو سوچا بھی نہیں تھا۔ یقیناً اگلی قسط میں پتا چلے گا کہ سونیا کے گھر والوں کا ان کی موت پر کیا ردعمل تھا۔ ساجدہ بیگم کے انجام کا بھی انتظار ہے۔ پھر پڑھا فرح خرم کو۔ فرح خرم بہت اچھا موضوع لائیں اور گھریلو کشمکش کو بہت خوب صورتی سے لفظوں میں ڈھالا۔ میرے خیال میں زوباریہ کو ابتہاج کی محبت قبول کر لینی چاہیے۔ کبھی کبھی بہت زیادہ انتظار بھی بدظن کر دیتا ہے۔ ناول پر فرح کی گرفت مضبوط رہی اور شروع سے آخر تک کہیں بھی بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ عائشہ ذوالفقار کا ''تیری محبتوں میں'' ڈاکٹرز کی محبتوں کا احوال تھا۔ یہ زخرف ماریہ کو اتنا رلا کیوں رہا ہے۔ ماریہ سے بھی شادی کر لے۔ اللہ نے تو مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ افسانوں میں انیتا اختر کا افسانہ بہت اچھا تھا۔ حمزہ جیسے لوگ قدم قدم پر ملتے ہیں۔ جو محبت کے نام پر لڑکیوں کو دھوکا دیتے ہیں اور پھر ساری زندگی پچھتاووں میں گزرتی ہے۔ شکر ہے حوریہ بچ گئی۔ شہلا گل کے افسانے میں تمام کزنز کی نوک جھونک مزا دے گئی۔ مہرین کنول کے افسانے میں بھی کزنز تھے مگر سازشی اور سازشیں کتنی ہی ہوشیاری سے کی جائیں بالآخر منہ کی کھاتی ہیں۔ تسنیم شریف کا افسانہ بہت تلخ اور سفاک تھا۔ حقیقتیں واقعی تلخ اور سفاک ہوتی ہیں۔ دل بے خبر میں امبرین ناز نے مرد کی جھوٹی مردانگی کا پردہ چاک کیا۔ جس کا نشانہ ہمیشہ معصوم عورت بنتی ہے۔ زرقا بھٹی کے افسانے کا آخری پیراگراف پورے افسانے کی جان تھا۔ نظیر فاطمہ نے نو دولتیوں کے چھچھورے پن کو بہت اچھی طرح اجاگر کیا۔ اور اصل ہیرے کی پہچان کروائی۔ اس ماہ کی معلومات بہت اچھی لگیں۔ تمام سلسلے زبردست تھے۔ خوشبو میں حضرت علی کے اقوال زریں ہمیشہ درس دیتے ہیں۔ آپ ہر ماہ حضرت علیؓ کے اقوال ضرور شامل کیا کریں۔ تزئین نبیل اور عائشہ مری کے لطائف پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ حسن مجیب کی ڈائری سے جگر مرادآبادی کی غزل بہت پسند آئی۔ تاجدار عادل کی غزل بھی اچھی تھی۔ اس ماہ کے دونوں اقتباس زبردست تھے۔ اب قارئین بہت اچھا انتخاب بھیجنے لگے ہیں۔ تیکھی باتیں ہمیشہ کی طرح لاجواب تھیں۔ ذرا پھر سے کہنا میں عروج فاطمہ

کی نظم پسند آئی۔ اس دفعہ صالحہ آپی کی نظم شامل نہیں تھی تو ان کی بے حد کمی محسوس ہوئی۔ پلیز آپی اپنی ضرور کوئی نظم دیا کریں۔ تمام سندیسے بھی محفل کی رونق بنے ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ اجازت۔

افشاں صغیر ـــــــ ٹنڈو آدم

اس دفعہ کا ہرا بھرا رداڈائجسٹ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ پہلے صفحے سے آخری صفحے تک ہر چیز لاجواب تھی۔ اس دفعہ کا ردائے جنت بہت معلوماتی تھا۔ نبی پاکؐ کے مزاج مبارک کے نئے پہلو سے آشنا ہوئے۔ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اسے کبھی بند مت کیجیے گا۔ اب بات ہوجائے مکمل ناولز کی۔ دونوں ناولز اپنی جگہ بے مثال تھے، فرح خرم غالباً نئی ہیں مگر تحریر کی روانی اور کہانی پر گرفت سے لگتا ہے کہ مجھی ہوئی ہیں۔ عائشہ ذوالفقار کے بارے میں کچھ کہنا تو سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ ویلڈن قمروش آپی اب سالار اور اریش کی ملاقات کروا ہی دیں۔ عائشہ ذوالفقار کی غیر حاضری کی اتنی خوب صورت وجہ رہی کہ ساری ناراضگی بھلا بیٹھے۔ عائشہ آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ ننھے منے کو نیک اور صالح بنائے آمین۔ پیاری شازیہ آپی اللہ پاک آپ کو بھی صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ ایقان علی کی اس دفعہ کی قسط سانس روک کر پڑھی، بہت زبردست۔ امبرین ناز نے بڑے نازک موضوع پر قلم اٹھایا۔ ہیرا تو پتھر نکلا۔ بہت خوب نظیر فاطمہ واقعی دولت نہیں سیرت ہی ہیرا ہوتی ہے۔ مہرین کنول نے بھی موضوع سے خوب انصاف کیا۔ اس دفعہ ڈائری بے حد زبردست تھی۔ افتخار عارف اور تاجدار عادل کے کلام نے دل چھولیا۔ امیمہ ظہیر کی دعا بھی دل میں اتر گئی۔ امیمہ اقتباس بھی بہت اچھے بھیجتی ہیں۔ اس دفعہ دونوں اقتباسات بہت عمدہ تھے۔ لطائف بھی لاجواب رہے۔ خوشبو میں ایس امتیاز اور سعدیہ جواد کا انتخاب پسند آیا۔ سندیسے میں نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ بھئی یہ پرانے لکھنے والے سب کہاں ہیں حاضر ہوں۔ اشعار میں فرزانہ شوکت، نادیہ اشرف، نادیہ ناز غوری اور ایمل جنید کے اشعار پسند آئے۔ کچن میں پین کیک کی ترکیب اچھی لگی۔ اس دفعہ کا سنگھار بہت عمدہ تھا۔ بالوں کی حفاظت کے لیے کئی ٹپس بتائی گئیں۔ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ ارے گوشۂ آگہی کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں بہت خوب صورت الفاظوں میں کی گئی نصیحت اپنے پلو سے باندھ لی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ نیکی کی توفیق بھی اللہ ہی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اجازت دیں۔ میری طرف سے صالحہ آپی، تسنیم آپی اور دیگر اسٹاف کو سلام۔ دعا ہے کہ آپ اسی طرح ہمارے لیے تفریح کا سامان مہیا کرتی رہیں۔ خوش رہیں اور خوش رکھیں۔

مسکان نعیم ـــــــ کراچی

اس دفعہ خط لکھنے کی وجہ صرف اور صرف قمروش کا ناول ہے۔ انتہائی خوب صورت اور بہترین ناول قمروش ویلڈن۔ فروری کے شمارے میں فرح خرم کی کہانی نے دل موہ لیا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ آپی یہ کتنی قسطوں کا ناول ہے؟ اس کے علاوہ افسانے بھی اچھے تھے۔ کیا میں بھی اپنی ذاتی شاعری بھیج سکتی ہوں۔ میں نے آج تک کہیں اپنی شاعری بھیجی نہیں۔ آپ کے ڈائجسٹ میں نوآموز شعراء اور نئے لکھنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے اسی لیے میں نے بھی سوچا کہ شاعری بھیج دوں لیکن آپ سے اجازت لینا بھی ضروری تھی۔ اس کے علاوہ ردا کی ڈائری اور اشعار کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔ اس دفعہ مصروفیت زیادہ ہے انشاء اللہ اگلے ماہ تفصیلی خط لکھوں گی۔ امید ہے مثبت جواب ملے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

.....☆.....

حورینہ

اشعار

فرزانہ شوکت ------ کراچی

اُسے ہم یاد آتے ہیں فقط فرصت کے لمحوں میں
مگر یہ بات بھی سچ ہے اسے فرصت نہیں ملتی

سیدہ عروج فاطمہ ------ ملتان

جی چاہتا ہے سختی سے پیش آؤں
بڑھتی جا رہی ہیں ضدیں دل کی

اسماء جمشید ------ ڈی آئی خان

تیری دہلیز پہ قاضی سنا تھا عدل ہوتا ہے
یہاں تو خون پھیلا ہے یہاں تو نوٹ بکھرے ہیں

ملک عامر نواز ------ ڈی آئی خان

تم تو کہتے ہو کہ ہوتے ہیں درندے ظالم
میں نے انسان کو انساں نگلتے دیکھا ہے

ملک جواد نواز ------ ڈی آئی خان

ہم جو انسانوں کی تہذیب لیے پھرتے ہیں
ہم سا وحشی کوئی جنگل کے درندوں میں نہیں

مینا خان ------ ڈی آئی خان

غور سے دیکھ میری معصومیت کو اے ابن آدم
میں حوا کی نشانی ہوں تیرے ہاتھ کا کھلونا نہیں

سعدیہ جواد ------ ڈی آئی خان

مجھے شہروں سے اندازہ ہوا
درندے اب نہیں ہیں جنگلوں میں

نادیہ ناز غوری ------ کراچی

عشق نے سارے سلیقے بخشے
حُسن سے کسب ہنر کیا کرتے

فاطمہ ظہیر ------ لیاقت پور

برا سمجھوں انہیں؟ مجھ سے ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

فرحانہ شیخ ------ کراچی

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولﷺ بس!

ابیہا رضوان ------ کراچی

چکر لگا رہے تھے پرندے شجر کے گرد
بچے تھے آشیانوں میں طوفان سر پہ تھا

رخسانہ ------ لاہور

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

مہ جبین تاج ------ کراچی

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

مدیحہ حیدر ------ چونیاں

جانے کیا بات ہے آج ہونے کو
جی بہت چاہتا ہے رونے کو

ذاکرہ معروف ------ حیدرآباد

یہی دل تھا کہ ترستا تھا مراسم کے لیے
اب یہی ترک تعلق کے بہانے مانگے

pakistanipoint

امیمہ ظہیر ——— کراچی

تھم ذرا بے تابی دل! بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

لبنیٰ قادری ——— اوکاڑہ

تم بتا دو راز جو اس گنبد گرداں میں ہے
موت اک چبھتا ہوا کانٹا دل انساں میں ہے

شافعہ اکرم ——— پیرووالا

اب کے رت بدلی تو خوشبو کا سفر دیکھے گا کون
زخم پھولوں کی طرح مہکیں گے پر دیکھے گا کون

فریال گوہر ——— راولپنڈی

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

فاطمہ سلیم ——— جھنگ

تجھے کیوں فکر ہے اے گل! دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

گلناز سلیم ——— سکھر

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل

بسمہ نعیم ——— جہلم

خاک میں مل کے حیات ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

آمنہ حماد ——— چنیوٹ

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ثناء جویریہ ——— کراچی

راز ہے راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

ثمرین ارشد ——— کراچی

زمانے بھر میں رسوائیاں مگر اے وائے نادانی
سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے راز داں تک ہے

صدف احمد ——— لاہور

زحمت تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

ثمینہ قادری ——— خانیوال

زائران کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں؟

شاہین اختر ——— شورکوٹ

اک عمر سے ہوں لذتِ گریہ سے بھی محروم
اے راحت جاں مجھ کو رلانے کے لیے آ

ارم صابر ——— چنیوٹ

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں، جاہل ہوں میں

عانیہ نیازی ——— ربوہ

سامنے مہر کے دل چیر کے رکھ دیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے

دعا شاہد ——— اوچ شریف

سوتے ہیں خاموش! آبادی کے ہنگاموں سے دور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے نا صبور

وانیہ ——— کراچی

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح کی
ظلمت شب میں نظر آتی کرن امید کی

ایہما رضا ——— ساہیوال

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

ہالہ ا[illegible] ـــــــــــــ خانیوال

صبا کے ہاتھ میں نرمی ہے ان کے ہاتھوں کی
ٹھہر ٹھہر کے یہ ہوتا ہے آج دل کو گماں

سمیرہ گل ـــــــــــــ پشاور

صحر پہ لگے پہرے اور قفل پڑے بَن پر
اب شہر بدر ہو کر دیوانہ کدھر جائے

نادیہ عمران ـــــــــــــ پتوکی

یہ خوں کی مہک ہے کہ لب یار کی خوشبو
کس راہ کی جانب صبا آتی ہے دیکھو

عتبہ عثمانی ـــــــــــــ شکار پور

صبح تیرے جلو میں روشنی ہے
میرے ہم راہ شام کے سائے

ایمان فاطمہ ـــــــــــــ سکھر

عجز کی روشنی میں اے ساغر
ہم نے بام عروج تک دیکھا

انشراح ـــــــــــــ راولپنڈی

عظمت زندگی کو بیچ دیا
ہم نے اپنی خوشی کو بیچ دیا
عشق بہروپیا ہے اے ساغر
روپ نے سادگی کو بیچ دیا

علیزہ ـــــــــــــ نارووال

بتوں کو آج سروں پر سجا کے نکلے لوگ
وہ دن گئے کہ چھپاتے تھے آستینوں میں

نور فاطمہ ـــــــــــــ لاڑکانہ

دیکھا مجھے تو ترک تعلق کے باوجود
وہ مسکرا دیا یہ ہنر بھی اسی کا تھا

حسن مجیب ـــــــــــــ کراچی

زندہ لوگوں کی بود و باش میں ہیں
مردہ لوگوں کی عادتیں باقی

شاہین نفیس ـــــــــــــ کراچی

ندیم جو بھی ملاقات تھی ادھوری تھی
کہ ایک چہرے کے پیچھے ہزار چہرے تھے

ایمن ـــــــــــــ اسلام آباد

رہِ حیات میں کوئی تو کام آئے گا
ہر ایک گام پہ اپنے پرائے بیٹھے ہیں

نگار ـــــــــــــ گوجرہ

شاید میرے خلوص میں کچھ نقص تھا عدم
ان کو مرے خلوص سے کچھ بدظنی رہی

امت العزیز ـــــــــــــ حیدرآباد

دم گھٹ رہا تھا شہر ندامت میں دوستو
پھاند آئے احتیاط کی اونچی فصیل ہم

ثمینہ واجد ـــــــــــــ میرپور

کیا اس کا گلہ کیجیے اسے پیار ہی کب تھا
وہ عہد فراموش وفادار ہی کب تھا

شگفتہ ـــــــــــــ جلال پور

امید عہد وفا اور ان بتوں سے شکیل
جو بھول کر بھی کسی سے وفا نہیں کرتے

شمیم نازلی ـــــــــــــ وزیرآباد

صبح گلشن دیکھیے کیا گل کھلائے
کچھ ہوا بدلی ہوئی ہے شام سے

انجم سلطانہ ـــــــــــــ کھاریاں

تیرے جانے سے یہ جینے کے بہانے بھی چلے
تجھ کو ہونا تھا کسی روز تو رخصت لیکن

ثناء عمران ـــــــــــــ کراچی

ہر ایک دور کا مذہب نیا خدا لایا
کریں تو ہم بھی مگر کس خدا کی بات کریں

......☆......

pakistanipoint

ثریا اقبال

چکن تکہ بریانی

اجزا

چکن تکہ پیس	:	تین پاؤ
میرینیشن		
لیموں کا رس	:	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	:	ایک کھانے کا چمچہ
بھنا زیرہ	:	آدھا چائے کا چمچہ
اجوائن	:	ایک چٹکی
ٹاٹری	:	ایک چٹکی
چاول کے لیے		
چاول	:	چار سو گرام
پانی	:	چار کپ
تیل	:	آدھا کپ
آلو	:	تین عدد
ٹماٹر	:	ایک پاؤ
سرخ مرچ پاؤڈر	:	ایک کھانے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	:	تین کھانے کے چمچے
ادرک لہسن	:	دو کھانے کے چمچے
نمک	:	حسب ذائقہ
ہلدی	:	آدھا کھانے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر	:	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری	:	ایک چٹکی
تیل	:	حسب ضرورت
نمک	:	حسب ضرورت
زردے کا رنگ	:	حسب ضرورت
پیاز	:	دو عدد
ادرک لہسن	:	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	:	حسب ذائقہ
پیپریکا	:	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
رائتہ	:	حسب پسند

ترکیب: (چکن تکہ کے لیے) میرینیشن کی تمام اشیاء ملائیں۔ پھر چکن تکوں پر لگا کر گرل کر لیں۔ چاول ایک کنی ابال کر نتھار لیں۔ (چاول کے لیے) ایک پین میں تیل گرم کریں۔ پیاز گولڈن براؤن فرائی کریں اور ادرک لہسن ڈالیں۔ اب آلو ڈال کر مکس کریں۔ تھوڑا پانی ڈال کر آدھا گلا لیں۔ پھر اس میں ٹماٹر پیوری اور مسالے ڈال کر پکائیں۔ یہاں تک کہ آلو گل جائیں اور مسالا بھن جائے۔ ایک الگ دیگچی میں بریانی کی تہ لگائیں۔ پہلے چاول ڈالیں۔ ہرا دھنیا چھڑکیں اور گولڈن تکے رکھ کر تھوڑا تیل ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ ڈش میں نکال کر سجائیں۔ سلاد پتے اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی میکرونی چاٹ

اجزا

میکرونی	:	آدھا کلو
ٹماٹر	:	دو عدد

pakistanipoint

نمک	: حسب ذائقہ
چاٹ مسالا	: ایک چائے کا چمچہ
آلو	: دو عدد
پیاز	: ایک عدد
چلی سوس	: چار چائے کے چمچے
ہرا دھنیا	: تھوڑا سا

ترکیب: میکرونی کو اچھی طرح ابال کر چھان لیں۔ آلو ابال کر چوکور کاٹ لیں۔ پیاز اور ٹماٹر چوپ کرلیں۔ ایک پیالے میں میکرونی، پیاز، آلو، ٹماٹر اور نمک ڈال کر مکس کردیں۔ چلی سوس اور چاٹ مسالا ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ ہرا دھنیا باریک کاٹ کر ڈال کر سرو کریں۔

چکن کوئلہ کڑاہی

اجزا

چکن	: ایک کلو
ٹماٹر	: آدھا کلو
ادرک	: باریک کٹی ہوئی دو کھانے کے چمچے
کٹا زیرہ	: ایک کھانے کا چمچہ
میتھی دانہ	: ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	: حسب ذائقہ
قصوری میتھی	: ایک چائے کا چمچہ
پیاز	: ایک بڑے سائز کی
لہسن پسا ہوا	: ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	: ایک کھانے کا چمچہ
کٹا دھنیا	: ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	: آٹھ سے دس عدد
تیل	: آدھا کپ

ترکیب: ایک پتیلی میں دو کھانے کے چمچے تیل ڈالیں۔ جب تیل گرم ہو جائے تو اس میں کٹے ہوئے ٹماٹر شامل کردیں اور اچھی طرح مکس کر کے پکائیں، جب ٹماٹر گل جائیں تو اس کو گرائنڈر میں پیس لیں اور اس پیسٹ کو ایک پیالے میں نکال لیں۔ ایک پتیلی میں تیل گرم کریں۔ جب تیل گرم ہو جائے تو اس میں میتھی دانہ ڈالیں۔ جب میتھی دانہ کڑکڑانے لگے تو باریک کٹی پیاز شامل کردیں اور پیاز کو فرائی کریں۔ جب پیاز ہلکی براؤن ہونے لگے تو اس میں پسا لہسن شامل کردیں اور مکس کر کے تین منٹ فرائی کریں۔ چکن کو مکس کر کے تیز آنچ پر چار سے پانچ منٹ تک فرائی کریں اور اس میں نمک اور کٹی لال مرچ شامل کردیں۔ دو منٹ فرائی کریں اور اس کے بعد ٹماٹر کا پیسٹ شامل کردیں اور پکنے دیں۔ چکن گل جائے اور شوربہ تیار ہو جائے تو اس میں کٹا زیرہ اور کٹا دھنیا شامل کردیں۔ مکس کر کے باریک کٹی ادرک اور قصوری میتھی بھی ڈال دیں۔ اب کوئلہ سلگائیں اور تیار کڑاہی میں ایک پیاز کا پیس رکھیں اور اس پر کوئلہ رکھ دیں۔ کوئلہ پر چند قطرے تیل کے ڈالیں اور ڈھک کر پانچ سے سات منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد کوئلہ اور پیاز کا پیس نکال کر پھینک دیں۔ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

گریک سلاد

اجزا

پیاز	: ایک عدد (گول چھلوں کی شکل میں کاٹ لیں)
کھیرا	: سو گرام (گول کاٹ لیں)
فیٹا چیز	: تیس گرام (کیوبز کی شکل میں کاٹ لیں)

ڈریسنگ کے لیے

اولیو آئل	: دس ملی لیٹر
لیمن جوس	: پانچ ملی لیٹر
نمک	: آدھا چائے کا چمچہ

Pakistanipoint

اوریگانو : آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب: ان تمام اشیاء کو اچھی طرح مکس کریں۔ سلاد کی ڈریسنگ تیار ہے۔ ساری اوپر دی ہوئی سبزیوں کو اوپر دی گئی ہدایات کے مطابق دھو کر کاٹ لیں۔ اب ایک بڑے پیالے میں ٹماٹر، کھیرا اور زیتون ملا لیں۔ اس کے بعد اوپر سے ڈریسنگ شامل کریں۔ اب ان تمام چیزوں کو سلاد کی پلیٹ میں نکالیں۔ فیٹا چیز اور پیاز کے چھلوں سے گارنش کریں اور پیش کریں۔ صحت بخش اشیاء پر مشتمل یہ سلاد مزے دار ہوتی ہے۔

کیپا چینو

اجزاء

دودھ : دو کپ

دار چینی کا ٹکڑا : ایک عدد

اسٹرونگ کافی : دو چمچ

چینی : حسب پسند

دار چینی پسی ہوئی : گارنشنگ کے لیے

ترکیب: کیپا چینو بنانے کے لیے سب سے پہلے دیگچی میں دودھ ڈالیں، پھر اس میں دار چینی کا ٹکڑا ڈال دیں۔ جب دودھ میں ابال آجائے تو اس کی آنچ آہستہ کر دیں اور دس منٹ تک اسے پکنے دیں۔ اب دودھ میں سے دار چینی کا ٹکڑا نکال دیں۔ اب کسی خالی کپ میں دو چمچ کافی ڈالیں اور اس میں حسب خواہش چینی ڈال کر مکس کر لیں، اب اس کپ میں دودھ کو اونچائی سے ڈالیں تاکہ اس میں جھاگ سے بن جائیں۔ آخر میں دار چینی پاؤڈر چھڑک دیں، چاہیں تو کریم سے بھی گارنشنگ کی جاسکتی ہے۔ کیپا چینو کافی کو گرما گرم سرو کریں۔

موکا کافی

اجزاء

کافی : ایک چمچ

کوکو پاؤڈر : ایک چوتھائی کپ (اگر چاکلیٹ ڈالنا چاہیں تو اس میں ایک چوتھائی کپ چاکلیٹ ڈال لیں)

دودھ : آدھا کپ

کریم : حسب ضرورت گارنشنگ کے لیے

ترکیب: موکا کافی بنانے کے لیے سب سے پہلے دودھ کو ڈبل بوائلر میں گرم کریں، (کسی دیگچی میں گرم پانی کریں، اس کے اوپر ایک باؤل رکھیں اور پھر اس میں دودھ ڈالیں) اس میں کوکو پاؤڈر بھی ملا دیں اور اچھی طرح مکس کریں۔ اگر مائیکرو ویو اوون میں بنا رہی ہیں تو اس مکسچر کو تیس سیکنڈز کے لیے اس میں رکھیں اور اسے مکس کریں۔ جب وہ کریمی سا ہو جائے تو اسے نکال لیں۔ اب ایک کپ میں کافی (ایک کھانے کا چمچ یا حسب پسند) ڈالیں، اس میں گرم دودھ اور کوکو پاؤڈر والا مکسچر ڈالیں، اچھی طرح چمچ کی مدد سے ہلائیں اگر چاہیں تو اسے کریم سے گارنش کر لیں۔ موکا کافی تیار ہے، گرما گرم سرو کریں۔

اسپائسڈ کافی

اجزا

کافی : پچاس گرام

دار چینی کا پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچ

ادرک چوپ کیا ہوا : تین کھانے کے چمچ

دودھ : دو سو ملی لیٹر

چینی : ڈیڑھ چائے کا چمچ

کریم : چار کھانے کے چمچ

چاکلیٹ کدوکش کی ہوئی : پچیس گرام

ترکیب: کسی کیتلی میں ایک لیٹر پانی کو گرم کرنے کو رکھ دیں۔ اس میں دار چینی پاؤڈر، پسی ادرک ملائیں۔ دوسرے پتیلے میں دودھ اور چینی کو ملائیں اور اسے گرم کرنے کے لیے رکھ دیں، جب دودھ میں

اہال آ جائے تو اب دودھ میں پہلے سے تیار کردہ کافی والا پاؤڈر ڈال دیں اور اسے چمچ کی مدد سے اچھی طرح مکس کریں۔ اب کسی کپ میں یہ دودھ کافی والا مکسچر ڈالیں، اس میں پھینٹی ہوئی کریم اور دار چینی پاؤڈر ڈال کر گارنشنگ کریں۔ آخر میں کدوکش کی ہوئی چاکلیٹ ڈال دیں۔ اسپائسڈ کافی کو مہمانوں کو گرما گرم سرو کریں۔

کولڈ کافی

اجزاء

دودھ	: دو کپ
کافی	: ڈھائی چمچ
شہد	: ایک چائے کا چمچ
ونیلا آئس کریم	: دو کھانے کے چمچ
آئس کیوبز	: آدھا کپ

ترکیب: بلینڈر میں آئس کیوبز، کافی، دودھ، شہد، کریم اور دو کھانے کے چمچ آئس کریم ڈالیں۔ ان تمام چیزوں کو اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ اب چکھ لیں اگر اس میں میٹھا کم لگے تو مزید شہد ڈالیں اور مکس کرلیں۔ اب اس مکسچر کو کسی شیشے کے گلاس میں ڈالیں، اس میں حسب ضرورت آئس کیوبز ڈالیں، پھر اس میں ایک اسکوپ ونیلا آئس کریم بھی ڈال دیں۔ آخر میں چاکلیٹ سیرپ سے گارنش کریں، کولڈ کافی تیار ہے۔

بادام کیک

اجزا

بیکنگ پاؤڈر	: تین چائے کے چمچے
ونیلا ایسنس	: ایک چائے کا چمچہ
چینی	: ایک اوس (باریک پسی ہوئی)
اورنج جوس	: دو کھانے کے چمچ (ٹینگ بھی استعمال کرسکتے ہیں)
دودھ	ایک کھانے کا چمچ
مکھن	: پانچ اونس
میدہ	: چھ اونس
فروسٹنگ کے لیے	
بادام	: تین اونس
براؤن شوگر	: دو اونس
مکھن نرم	: چار کھانے والے چمچ

ترکیب: ایک پیالے میں مکھن اور چینی ڈال کر اتنا پھینٹیں کہ جھاگ بن جائے۔ اب ایک انڈہ اور ایک چائے والا چمچہ میدہ ملا کر مزید پھینٹیں، اس طرح دوسرا انڈہ اور ایک چمچہ میدہ ملا کر خوب پھینٹیں۔ اب جوس اور ونیلا ایسنس ملاتے ہوئے میدہ اور بیکنگ پاؤڈر جو دوبار چھان کر رکھا ہو، ملادیں اور مزید نہ پھینٹیں ورنہ کیک پھولے گا نہیں۔ ایک آٹھ انچ کے سانچے میں چکنائی لگائیں اور اس میں میدہ چھڑک کر مرکب اس میں ڈال دیں۔ اب ایک کھانے کا چمچہ میدہ چھلنی میں ڈال کر کیک کی سطح پر چھڑک دیں۔ ایک چھوٹے ساس پین میں براؤن شوگر، چار چمچے مکھن، ایک چمچہ دودھ اور چھلکا اترے بادام ڈال کر گرم کریں جب چینی پگھل جائے تو یہ مرکب کیک کے اوپر پھیلائیں۔ اوون کو 170c پر رکھ کر پینتیس منٹ تک کیک کو بیک کریں۔ ماچس کی تیلی ڈال کر چیک کریں، صاف نکل آئے تو کیک تیار ہے۔

اوون کے بغیر: پریشر کُکر کا ربڑ نکال دیں اور اس میں ایک چوتھائی ریت پھیلا دیں۔ اس کے بعد اس پر ایک اسٹینڈ رکھیں اور دس منٹ گرم کریں ڈھک کر۔ پھر کیک کے سانچے کو اسٹینڈ پر رکھ کر ڈھک دیں۔ آنچ دھیمی رکھیں تقریباً پینتالیس منٹ میں آپ کا کیک تیار ہوگا۔

.....☆.....

شہلا مشائق

سنگھار

خواتین کو اپنی جلد کا خیال رکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی جلد صاف شفاف ہو، جلد پر داغ دھبے یا ایلنی کے دانے نہ دکھائی دے رہے ہوں۔ جب بھی وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں تو انہیں اپنا چہرہ چمکتا ہوا دکھائی دے۔ خواتین کی یہ خواہش اس وقت ہی پوری ہوسکتی ہے جب وہ اپنی جلد کو صاف شفاف بنانے کے لیے مختلف چیزوں کا استعمال کریں۔

جلد کو شفاف بنانے کے لیے اکثر ہربل پروڈکٹس استعمال کی جاتی ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے جلد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب کہ کیمیکلز سے تیار کردہ اسکن پروڈکٹس کو اگر دیر تک استعمال کیا جائے تو اس کے سائیڈ ایفیکٹس چہرے پر کچھ ہی عرصے میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

جلد کو نکھارنے اور اسے دمکتا ہوا بنانے میں وٹامن سی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اسکن پروڈکٹس میں وٹامن سی کو ضرور شامل کیا جاتا ہے تاکہ چہرے کی جلد بے داغ ہوجائے۔ کچھ اسکن اسپیشلسٹ کا ماننا ہے کہ وٹامن سی کا استعمال کرنے سے لٹکتی ہوئی جلد ٹھیک ہونے لگتی ہے۔ وٹامن سی جلد کو جلدی بوڑھا ہونے سے بچاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی مدد سے جھریوں اور جھائیوں کا خاتمہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر وٹامن سی کا مستقل استعمال کیا جائے تو خواتین کو چہرے کی جلد کو جھریوں سے بچانے اور اپنی جلد کو بوڑھا ہونے سے بچانے کے لیے بوٹوکس، مختلف انجیکشنز یا کاسمیٹک سرجری کروانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

وٹامن سی پر مشتمل سیرم مارکیٹ میں آسانی سے دستیاب ہیں تاہم وہ اتنے مہنگے ہوتے ہیں کہ کچھ خواتین انہیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتیں۔ ایسی خواتین کو اس مضمون میں وٹامن سی کا سیرم تیار کرنے کے طریقے بتائے جارہے ہیں تاکہ خواتین گھر پر ہی جلد کو چمکانے اور بڑھاپے سے محفوظ رکھنے کا سیرم تیار کرسکیں۔

وٹامن سی اور گلیسرین: اس سیرم کو بنانے کے لیے وٹامن سی کے کیپسول کھولیں اور ایک کھانے کا چمچ وٹامن سی لے لیں۔ اس میں ایک کھانے کا چمچ پانی ملائیں، پھر اس میں ایک کھانے کا چمچ گلیسرین ملائیں۔ سب چیزوں کو اچھی طرح مکس کریں۔ اب اس سیرم کو کسی گہرے شیشے والی بوتل میں بھر کر رکھ لیں۔ اس تیار سیرم کو چہرہ دھونے کے بعد صبح اور شام چہرے پر لگائیں۔

فوائد: گلیسرین اور وٹامن سی کے سیرم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر اسے کچھ عرصے استعمال کرلیا جائے تو چہرے پر موجود جھریوں میں نمایاں کمی ہوتی ہے۔ آنکھوں اور منہ کے نزدیک موجود جھریوں میں کمی آتی ہے۔ وہ لڑکیاں جنہیں جلد کے خشک اور بے جان رہنے کی شکایت رہتی ہے، ایسی لڑکیوں کو اس سیرم کو ضرور آزمانا چاہیے کیونکہ اسے استعمال کیا جائے تو یہ جلد کو نمی پہنچاتا ہے اور اس کی وجہ سے چہرے کی جلد نرم وملائم سی لگنے لگتی ہے۔ چہرے کی جلد کو مختلف انفیکشنز سے بچانے اور جلد کو خشکی سے

بچانے کے لیے بھی یہ سیرم بہت کارآمد ہے۔

ایلو ویرا جیل اور بادام کا تیل: ایک کھانے کا چمچ وٹامن سی کا کیپسول (اس سے عرق نکال لیں)، ایک چائے کا چمچ بادام کا تیل، اس کے ساتھ ہی ایک کھانے کا چمچ ایلو ویرا جیل ڈالیں۔ تمام چیزوں کو اچھی طرح مکس کریں اور بوتل میں بھر کر رکھ لیں۔ اس بوتل کو ریفریجریٹر میں رکھیں۔ اس سیرم کو دن میں دو مرتبہ چہرے پر لگائیں۔ کوشش کریں کہ صبح اور شام کے وقت چہرہ دھونے کے بعد اس کے چند قطرے لیں اور چہرے پر اچھی طرح مل لیں۔

فوائد: وٹامن سی جلد میں ہائیڈروا وکسی لازین بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے ایسے کولا جن کی تعداد بڑھتی ہے جو کہ خلیات بناتے ہیں اور پرانے خلیات کو ختم کرتے ہیں جس کی وجہ سے چہرے پر موجود لائنوں اور جھریوں میں کمی آجاتی ہے۔ وہ خواتین جنہیں یہ شکایت رہتی ہے کہ گھر سے باہر نکلنے کی وجہ سے ان کے چہرے کی رنگت خراب ہوگئی ہے اور ان کا چہرہ دو رنگوں کا دکھائی دیتا ہے۔ ایسی خواتین کو یہ سیرم استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ اس کی وجہ سے چہرے کی جلد کی رنگت ہلکی ہوجاتی ہے اور دھوپ سے خراب ہونے والی رنگت پہلے جیسے ہو جاتی ہے۔

عرق گلاب اور وٹامن ای: دو کھانے کے چمچ وٹامن سی کا کیپسول، اس میں دو کھانے کے چمچ عرق گلاب ڈالیں۔ ساتھ ہی اس میں وٹامن ای کا کیپسول کھول کر ڈالیں۔ اس کے علاوہ اس میں دو کھانے کے چمچ ایلو ویرا جیل شامل کریں۔ تمام چیزوں کو اچھی طرح مکس کریں اور بوتل میں بھر کر ریفریجریٹر میں رکھیں۔ اس تیار سیرم کو صبح کے وقت ایک مرتبہ اچھی طرح چہرہ دھونے کے بعد استعمال کریں۔

فوائد: یہ سیرم جلد کی لچک کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ خواتین جن کے آنکھوں کے گرد کالے حلقے موجود ہیں، وہ لڑکیاں اس سیرم کو آنکھوں کے نیچے لگائیں، اس سے آنکھوں کے گرد موجود حلقوں میں کمی آئے گی اور چہرہ چمکنے لگے گا۔

وٹامن سی پر مشتمل سیرم کے فوائد

سیرم استعمال کرنے سے جلد سورج کی تیز شعاعوں کے مضر اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔ وٹامن سی سیرم جلد کے نئے خلیات بنانے میں مددگار ہوتے ہیں۔

سیرم کی وجہ سے جلد کو نمی ملتی ہے اور جلد پر جھریاں پڑنے کا عمل سست ہوجاتا ہے۔ سیرم خلیات کے اندرونی تہہ تک جاتے ہیں اور اسکن کو تروتازہ اور جوان دکھانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

خواتین کی خوب صورتی کو چار چاند لگانے کے لیے کچھ ٹوٹکے مندرجہ ذیل ہیں۔

1- اپنی سیاہ کہنی کو فریش لیموں کے کٹے ہوئے ٹکڑے کی مدد سے رگڑیں یہ قدرتی طور پر بلیچ کی طرح اثر دکھاتا ہے اس عمل کے بعد جلد کو موئسچرائزر کرلیا جائے تو یہ جلد کے خشک اثرات کو کم کرنے میں معاونت کرتا ہے۔

2- اپنے فاؤنڈیشن کو رنگدار موئسچرائزر میں تبدیل کرنے کے لیے اسے چہرے پر استعمال کرنے سے پہلے ہاتھ کی پشت پر چند قطرے فاؤنڈیشن کے ساتھ چند قطرے موئسچرائزر کے شامل کریں اور دونوں کو مکس کرنے کے بعد چہرے پر لگائیں۔ یہ طریقہ کار سردیوں میں زیادہ مفید ہے۔

3- باہر نکلنے سے پہلے اپنے ہینڈ بیگ میں منرل واٹر یا عرق گلاب کی بوتل ضرور رکھیں تاکہ آپ کی اپنی جلد تروتازہ رہے۔

4- حالیہ ریسرچ سے یہ تصدیق ہوئی ہے کہ سیدھا سونے سے جھریوں کی افزائش کم ہوتی ہے۔

5- ایک ٹب میں گرم پانی لیں اس میں 4 کھانے کے چمچ نمک شامل کریں اور اپنے پیر اس

pakistanipoint

میں رکھ دیں یہ عمل آپ کے پاؤں کو تھکنوں کی سوزش سے پاک رکھتا ہے۔

6- اگر آپ کے ناخن بے حد نرم ہیں تو انہیں اس وقت فائل کریں جب ان پر نیل پالش لگی ہوئی ہو اس طرح وہ ٹوٹنے سے محفوظ رہیں گے۔

7- اگر آپ آئی بروز بنوانے کی تکلیف سے گھبراتی ہیں تو آئی بروز بنوانے سے پہلے آئس کیوب کی مدد سے اس حصے کو نم کرلیں یہ عمل آپ کو تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔

8- اپنے چہرے کو صحت مندی کی چمک عطا کرنے کے لیے رخساروں پر بلش آن استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ناک کی اوپری جگہ ٹھوڑی اور کنپٹی پر برش کی مدد سے بلش آن لگائیں یہ آپ کے چہرے کو چمک دار کرے گا۔

9- جب آپ آنکھوں پر ڈارک کلر کے شیڈز کا استعمال کرتی ہیں تو اپنی آنکھوں کے نچلے حصے میں لوز پاؤڈر لگائیں تاکہ آئی شیڈز کے گرنے والے ذرات کی وجہ سے آپ کی جلد دھبوں سے محفوظ رہے۔

10- اگر آپ اپنے ہونٹوں کو بڑا دکھانا چاہتی ہیں تو ہلکے رنگوں اور چمک والی لپ اسٹک کا استعمال کریں اور اگر ہونٹ چھوٹے دکھانا چاہتی ہیں تو ڈارک کلر کی لپ اسٹک لگائیں۔

11- اپنے ناخنوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک پیالے میں زیتون کا تیل لیں اور اپنے ناخنوں کو اس میں ڈپ کردیں یہ عمل ہفتے میں ایک بار کرنے سے آپ کے ناخن ٹوٹنے سے محفوظ رہیں گے۔

12- اپنی مسکراہٹ کی خوب صورتی کو برقرار رکھنے کے لیے جلد از جلد اپنے ٹوتھ برش تبدیل کریں اس سے پہلے کہ برش خراب ہو اور آپ کے دانتوں کو تکلیف دے ہر تین ماہ بعد برش تبدیل کریں باقاعدہ صبح اور رات میں کم سے کم 2 منٹ تک برش کریں جو آپ کو تازگی کا احساس دیتا ہے۔

13- اگر آپ اپنے رخساروں کے لیے کوئی خصوصی کنٹور رنگ پروڈکٹ استعمال نہیں کررہی ہیں تو سادہ طریقے سے جو فیس پاؤڈر آپ استعمال کرتی ہیں اسی کے شیڈز سے دو یا تین نمبر گہرے شیڈز کا فیس پاؤڈر لیں اور اسے اپنے رخساروں پر استعمال کریں تو آپ کے گول رخسار پتلے اور لمبے دکھائی دیں گے۔

14- مسکارے کا استعمال ہمیشہ مصنوعی پلکیں لگانے سے پہلے کریں کیونکہ یہ انہیں مضبوطی سے جوڑے رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

15- اگر آپ بہت تھکی ہوئی نظر آرہی ہیں تو کنسیلر کی تھوڑی سی مقدار اپنی آنکھوں کے بیرونی کناروں پر لگائیں اس عمل سے ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ پوری رات سوئی ہیں۔

16- برائٹ سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگانے سے آپ کا چہرہ جگمگا اٹھے گا۔

17- اپنی بھنوؤں کو بنانے سے پہلے جن بالوں کو آپ نکالنا چاہتی ہیں انہیں کنسیلر سے کور کرلیں۔

18- کبھی بھی بالوں کو خشک کرنے کے لیے ہیئر ڈرائر استعمال کرنے سے پہلے میک اپ نہ کریں کیونکہ ڈرائر کی گرمی سے آپ کا میک اپ خراب، دھندلا اور چکناہٹ زدہ ہوسکتا ہے۔

19- پاؤڈر آئی شیڈز کا رنگ اور بھی زیادہ پرکشش اور گہرا ہوسکتا ہے اگر آپ استعمال سے پہلے آئی برش کو ایک بار پانی میں ڈپ کرلیں یہ عمل آئی شیڈز میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے۔

20- اگر آپ اپنی پلکوں کو نرم و ہموار اور گھنا بنانا چاہتی ہیں تو روزانہ سونے سے پہلے برش کی مدد سے اپنی پلکوں پر پیٹرولیم جیلی یا کسٹر آئل لگائیں اس عمل سے دن کے وقت آپ کی پلکیں قدرتی طور پر گھنی اور خوب صورت نظر آئیں گی۔

☆☆

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com